علم الاخلاق جلد سوم

(قرآن کی روشنی میں)

مؤلف

آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ

سید ظفر حسین نقوی (قم)

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

علم الاخلاق

جلد سوم

مؤلف

حضرت آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ

مترجم

سید ظفر حسین نقوی (قم)

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں۔

نام کتاب ______ علم الاخلاق

مؤلف ______ حضرت آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ

مترجم ______ سید ظفر حسین نقوی

تصحیح ونظر ثانی ______ مجاہد حسین حرّ

کمپوزنگ ______ قائم گرافکس ۔ جامعہ علمیہ ۔ ڈیفنس کراچی 0345-2401125

ناشر ______ مصباح القرآن ٹرسٹ ۔ لاہور ۔ پاکستان

تعداد ______ ایک ہزار (۱۰۰۰)

طبع ______ اوّل

قیمت ______ 500

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴ ۔ الفضل مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاء اللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''علم الاخلاق'' اخلاق در قرآن (فارسی) کی تیسری جلد ہے ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن ٹرسٹ ایک خود مختار ادارہ ہے اس کے بانی مرحوم حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید صفدر حسین نجفیؒ تھے انہوں نے اس ادارہ کا ایک الگ ٹرسٹ تشکیل دیا تھا جو اپنے اول دن سے اپنے اخراجات کا خود انتظام کرتا ہے۔

مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com
www.misbahulqurantrust.org
EMail Add:
misbahulqurantrust@hotmail.com, misbahulqurantrust@yahoo.com

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

القرآن:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾

یہ آخرت کا گھر تو ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو روئے زمین پر نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور (پھر سچ بھی یوں ہے کہ) پھر انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

تقریظ

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ شبیر میثمی

فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ مجھے اخلاقیات کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

اخلاقیات کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے لیکن آج کے اس افراتفری کے دور میں اخلاقیات پر جس قدر کام کیا جائے کم ہے۔ ایک طرف لادینیت اور یورپی تہذیب کی یلغار ہے تو دوسری طرف مسلم ممالک کے سربراہان کی دین کی طرف کم توجہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اخلاقیات پر بھرپور کام کیا جائے خاص کر معصومین علیہم السلام کے فرامین کو لوگوں میں زیادہ سے زیادہ بیان و رائج کیا جائے تاکہ معاشرہ اپنی صحیح راہ کی طرف گامزن ہو سکے۔ حضرت آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ لائق صد تحسین ہیں کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور انتہائی جامع اور خوبصورت انداز میں معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک کتاب اخلاق در قرآن تین جلدوں میں مرتب کی۔

لائق تحسین ہیں مصباح القرآن کے کارکنان کہ جنہوں نے اس شعبہ کو بھی خالی نہیں چھوڑا اور حضرت آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ کی مرتب کردہ کتاب ''علم الاخلاق'' کو شائع کر رہے۔

خداوند عالم مصباح القرآن ٹرسٹ کے بانی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی نور اللہ مرقدہ کی روح کو جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے اور اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

طالب دعا

شبیر میثمی

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت

إِيَّاكَ وَ اللَّجَاجَةَ أَوْ أَنْ تَمْشِيَ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ أَوْ أَنْ تَضْحَكَ مِنْ غَيْرِ عَجَبٍ وَ اذْكُرْ خَطِيئَتَكَ وَ إِيَّاكَ وَ خَطَايَا النَّاسِ.

بہانہ جوئی سے پرہیز کرنا، وہ جن کی تمہیں حاجت نہیں ان کے قریب نہ جانا، بے وجہ ہنسنا نہیں، اپنے خطاؤں کو یاد رکھنا اور لوگوں کی خطاؤں کو بھول جانا۔

فہرست کتاب

مقدمہ 15

اخلاقیات سے منہ موڑنا ہر چیز سے منہ موڑنا 15

۱۔جاہ طلبی 17

صاعقہ کیا ہے؟ 20

روایات میں حب ریاست 25

ریاست حق و ریاست باطل 27

ریاست طلبی کی علامت 29

اسباب حُب مقام 30

مقام طلبی کا علاج 31

۲۔ بہانہ جوئی و ہٹ دھرمی 33

تفسیر وخلاصہ 33

تفسیر وجمع بندی 37

روایات میں بہانہ تراشی اور ہٹ دھرمی 46

بہانہ جوئی کے عوامل 49

پائیداری اور ہٹ دھرمی میں فرق 50

ہٹ دھرمی کا علاج 51

۳۔ کفران نعمت اور شکر گزاری 53

تفسیر و خلاصہ 53

تفسیر وجمع بندی 56

روایات میں کفران نعمت 63

چند نکات 65

ا۔ معنی کفران نعمت: 65

۲۔ کفران نعمت کا انجام 66

ناشکری کے اسباب اور ان کا علاج 68

حصول نعمت خدا اور شکر کا طریقہ 71

فلسفہ شکر گزاری 74

روایات میں شکر گزاری 75

سیرت پیشواؤں میں شکر گزاری 78

شکر کیسے کرنا چاہیے؟ 80

شکر گزاری کا عمل 83

۴۔ غیبت 89

اشارہ 89

تفسیر اور خلاصہ 91

روایات میں غیبت 95

ا۔ تعریف غیبت 98

اقسام غیبت 101

غیبت کے عوامل 101

غیبت کے آثار 102

غیبت کا علاج 105

١۔غیبت سننا	106
٢۔غیبت حقوق العباد ہے یا حقوق اللہ؟	108
غیبت سے استثناء	111
فسق آشکارانہ	112
١۔غیبت کی حدود	114
غیبت عام وخاص	115
٣۔غیبت سے دفاع	116
۴۔مردہ کی غیبت کا حکم کیا ہے؟	117
۵۔حسن اخلاق اور بداخلاق	119
تفسیر اور خلاصہ	121
روایات میں خوش اخلاقی کی اہمیت	128
آثار ومعنوی ومادی	129
(١)تعریف خوش اخلاقی	130
(٢) آثار وانجام حسن اخلاق	131
حسن خلق کا سرچشمہ	132
سیرتِ معصومین علیہم السلام	134
بداخلاقی کے آثار	142
بداخلاقی کا علاج	144
مذاق اُڑانا	145
٦۔امانت وخیانت	149
تفسیر اور خلاصہ:	151
روایات اسلامی میں امانت وخیانت	156
آثارِامانت وخیانت	160

امانت وخیانت کا نتیجہ 164

دفاع اور علاج 166

بیت المال میں امانت وخیانت 168

۷۔صدق وسچائی 173

تفسیر وجمع بندی 175

صدق روایات کی روشنی میں 179

زندگی میں صداقت کی تاثیر 185

صدق کے نتائج 187

مفہوم صدق 188

۸۔جھوٹ اور آثار وانجام 189

تفسیر وخلاصہ 191

جھوٹ روایات کی روشنی میں 195

جھوٹ کے آثار 199

جھوٹ کے اسباب 202

جھوٹ کا علاج 203

جھوٹ کے استثناءات 204

توریہ (جھوٹ سے راہِ فرار) 206

۹۔وعدہ وفا اور وعدہ خلافی 209

تفسیر وجمع بندی 212

وعدہ وفا کرنے کے سلسلے میں روایات 217

فردی واجتماعی آثارِ وعدہ وفائی 220

وعدہ وفائی اور وعدہ خلافی کا سرچشمہ 221

وعدہ خلافی کا علاج 223

عہد کی اقسام ____ 223

مسلمانوں کی عہد سے وفا کی پابندی ____ 226

منطقی بحث ____ 228

تفسیر وخلاصہ ____ 231

۱۰۔جدال ومراء کی تعریف ____ 239

جدال مراء اور مخاصمہ میں فرق ____ 239

روایات میں مراء کے آثار ونتائج ____ 247

جدال ومراء کے اسباب ____ 248

اقسام مراء وجدال ____ 250

اس بیماری کا علاج ____ 255

گفتگو میں انصاف ____ 256

۱۱۔سخن چینی اور صلح (اصلاح ذات البین) ____ 257

تفسیر وخلاصہ ____ 260

روایات میں سخن چینی ____ 266

سخن چینی کے آثار ____ 269

سخن چینی کے اسباب ____ 271

علاج کے طریقے ____ 273

موارد استثناء ____ 274

صلح کرنا (اصلاح ذات البین) ____ 275

لوگوں میں صلح کرانا ____ 279

۱۲۔حسن ظن وسوئے ظن ____ 281

تفسیر وجمع بندی ____ 284

سوئے ظن روایات میں ____ 289

حسن ظن روایات میں ____ 292
لوگوں سے حسن ظن: ____ 292
اللہ سے حسن ظن: ____ 293
سوئے ظن وحسن ظن کی تعریف ____ 295
سوئے ظن کے برے آثار ____ 296
خدا سے سوئے ظن کے آثار ____ 298
سوئے ظن کے علل واسباب ____ 298
مراتب سوئے ظن ____ 299
بدگمانی کا درمان ____ 301
موارد استثناء ____ 302
۱۳۔لوگوں کے کاموں میں تجسس ____ 305
روایات میں تجسس ____ 307
سوئے تجسس کے آثار ____ 309
استثناء ____ 310
۱۔محکمہ اطلاعات: ____ 310
۲۔محکمہ نظارت ____ 313
علاج کے طریقے ____ 314
راز داری اور فاش راز ____ 314
رازداری روایات کی روشنی میں ____ 317
اسرار فاش کرنے کے نتائج ____ 324
اظہارِ راز کی ضرورت ____ 326
راز فاش کرنے کے اسباب اور علاج ____ 327
علاج کا طریقہ ____ 328

۱۴۔حلم وغضب ____ 329

تفسیر وخلاصہ ____ 331

غصہ وغضب روایات کی روشنی میں ____ 335

آثار وانجام غضب ____ 338

اسباب غضب ____ 341

غضب کا علاج ____ 342

اقسام غضب ____ 345

۱۔غضب الٰہی ____ 345

۲۔غضب منفی ____ 346

۳۔غضب مثبت ____ 346

حلم وبردباری ____ 350

چند اہم نکات ____ 354

۱۔انسانی زندگی پر حلم وبردباری کے آثار ____ 354

۲۔حلم وبردباری کے اسباب ____ 355

۳۔استثناء ____ 357

۱۵۔عفو اور انتقام ____ 359

تفسیر وخلاصہ ____ 362

عفو وانتقام روایات میں ____ 369

اقسام عفو ____ 372

آثار، ثمرات واسباب عفو ____ 374

کسب فضیلت عفو اور انتقام کا علاج ____ 376

۱۶۔غیرت وبے غیرتی ____ 377

تفسیر وخلاصہ ____ 379

غیرت روایات کے آئینے میں 382
اقسام غیرت 385
انسانی زندگی میں غیرت کے آثار 386
۱۷۔اجتماعی زندگی یا گوشہ نشینی 389
تفسیر اور خلاصہ 391
اجتماعی و گوشہ نشین زندگی روایات کے آئینے میں 396
کچھ روایات گوشہ نشینی کے بارے میں 402
آیات اور روایات کو جمع کرنے کا راستہ 404
گوشہ نشینی کی اور اجتماع پرستی کے نتائج و محرکات۔ 406

مقدمہ

اخلاقیات سے منہ موڑنا ہر چیز سے منہ موڑنا

اس وقت جب میں یہ مختصر مقدمہ تحریر کر رہا ہوں دنیا میں امریکہ پر ہونے والے دہشت گردوں کے حملے امریکہ اور ساری دنیا پر ان حملوں کے منفی اثرات ،افغانستان اور بعض دیگر ممالک پر امریکہ کے انتقامی حملوں کی باتیں ہو رہی ہیں

جسے دیکھو وہ اس صدی کے اس سب سے نقصان دہ اور بے نظیر حملے کے قلیل المدت اور طویل المدت نتائج کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔لیکن اس حادثے کے اخلاقی پیغام کے بارے میں بات کرنے والے کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔

وہ پیغام جو یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا کے طاقتورترین ملک کو بھی بھاری نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اورصرف چند افراد اس کی ہیبت اور دبدبے کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔

وہ پیغام جو یہ کہہ رہا ہے کہ اس کی کسی بھی چیز پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ چند افراد کے منصوبے کی بنیاد پر واقع ہونے والا ایک حادثہ تمام محاسبات (Calculation)اور معاملات (equations) کو بے اثر کرسکتا ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ وہ طاقت وروں کو ذلت اور کمزوری اور ہوشیار ذہنوں کو اس طرح غفلت اور بے خبری میں دھکیل سکتا ہے کہ جب وہ سب ہوں تو دیکھیں گے کہ سب کچھ برباد ہو چکا ہے۔

اس حادثے کا ایک پیغام یہ ہے کہ آج کا انسانی،فردی اور اجتماعی زندگی میں اخلاقیات کی بنیادوں کے کمزور ہوجانے کی نہ صرف بھاری قیمت ادا کر رہا ہے بلکہ اس کا سب کچھ خطرے میں پڑ چکا ہے۔

جب عدل کا خوبصورت محل زمین بوس ہو جائے اور اس کی جگہ ظلم وستم لے لے طاقتوروں کی خود پسندی خود مرکزیت اور ہر چیز پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی خواہش، زندگی کو مظلوموں اور محرموں کے لئے ایک تلخ زہر بنادے

جب غرور وتکبر اور احساس برتری حقیقت کا ادراک کرنے کی صلاحیت کا خاتمہ کر دیں اور انسان اپنے ارد گرد کے حقائق وواقعات سے بھی بے خبر ہو جائے، تو پھر ایسے حوادث غیر متوقع نہیں ہوتے اور یہ ایسے حوادث ہوتے ہیں جو خدا سے غافل مغرور ستمگروں پر لرزہ طاری کر دیتے ہیں اور دعوی نہیں بلکہ مہینوں تک ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ماؤف کر دیتا ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اس حقیقت کا اعتراف کر لیں کہ مادیت ایک بند گلی کے آخری سرے پر پہنچ چکی ہے، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ انسان اس حقیقت کو سنبھالے کہ اب اسے انسان کی اخلاقی مصنویت کی راہ پر چلنا شروع کر دینا چاہیئے تاکہ نہ صرف یہ کہ دہشت گردی کی جڑیں خشک اور کھوکھلی ہو جائیں بلکہ دنیا پر محبت، پاکیزگی اور اخلاص کی حکمرانی قائم ہو جائے۔

مائل کو نظر انداز کر دینے سے مسائل ختم نہیں ہو جاتے۔ جب تک ظلم وستم، بے انصافی، امتیازی رویے اور جبر واسیبد اداس دنیا میں موجود ہیں، ایسے حوادث بلکہ ان سے بدتر حوادث بھی رونما ہوتے رہیں گے۔

اس سلسلے میں باتیں اور تجزیے تو بہت زیادہ ہیں۔لیکن اس مختصر مقدمہ میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں صرف احسان کو بیدار کرنے کے لئے اس ھقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ دنیا کی موجودہ خطرناک حالت کی اصلاح انتقامی کاروئی سے نہیں ہوگی۔ انتقامی کاروائی اس آگ کے شعلوں کو مزید بھڑکائے گی اور ایسے حملوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے گا۔ نہ ہی ان حادثات کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے سے مسئلہ حل ہوگا۔

ہر ایک پر فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو قبول کرے اور اخلاقی اصولوں کی پابندی کرے اور اس بات کی ضرورت کو محسوس کرے کہ یہی سکون اور اطمینان سے بھر پور زندگی کی ضمانت ہے۔

یہاں ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کی توفیق سے ''اخلاق درقرآن'' کی تیسری جلد مکمل ہوئی۔ اب ہم دنیا کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

☆ یہ ہیں ہمارے اسلامی اخلاقیات

☆ یہ ہے راہ ورسمِ زندگی

☆ یہ ہے مشکلات سے نجات کا نسخہ

ناصر مکارم شیرازی

حدز، علمیہ قیم

ا۔جاہ طلبی

ہرانسان کسی نہ کسی چیز سے محبت کرتا ہے کچھ لوگ مال دنیا سے عشق کرتے ہیں کچھ لوگ حسن و جمال سے محبت کرتے ہیں اور کچھ لوگ کمال کے خواہشمند ہوتے ہیں اسی طرح کچھ لوگ جاہ و مقام کے در پے ہوتے ہیں اسی آخری گروہ کو جاہ طلب کہا جاتا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کا احترام کریں ان کے گھروں میں آمدورفت رکھیں یعنی وہ مقام ومنزلت کے اعتبار سے دوسروں سے برتر سمجھے جائیں۔ان کے احکامات پرعمل کیا جائے کسی کے پاس ان کے احکامات پر اعتراض کرنے کا حق نہ ہو اگرچہ وہ اس کی اہلیت وصلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ایسے لوگوں کو جاہ طلب، نام طلب اوراپنے لئے مقام کے خواہاں کہا جاتا ہے۔

معمولاً ایسی صفت بڑی عمر کے لوگوں میں پائی جاتی ہے جوانوں اورنوجوانوں میں ایسی صفت کم ہی نظر آتی ہےبعض دفعہ یہ صفت انسان کی موت تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

اس بری صفت کی بنا پر اس کی تمام قوتیں تحلیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں مگر یہ صفت (جاہ طلبی) اس کے دل کی گہرائیوں میں پوری قوت کے ساتھ باقی رہتی ہے بلکہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس صفت کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

یہ بری صفت بہت سی انفرادی واجتماعی برائیوں کا سرچشمہ ہے انسان کو خدا اورمخلوق خدا سے دورکرتی ہے اور اسے خطرناک گناہوں کی وادی میں دھکیل دیتی ہے۔

سب سے بڑھ کربعض اوقات یہ صفت رذیلہ، انسان کی اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی، وظیفہ شناسی سے مشابہ ہوتی ہے حدیث میں آیا ہے:

آخِرُ ما يَخرُجُ مِنْ قُلُوبِ الصِّدِّيقِينَ حُبُّ الْجاهِ.

مومن انسان کے دل سے دنیا کی محبت میں سے سب سے آخر میں جو چیز نکلتی ہے وہ مقام طلبی ہے۔

یہ حدیث اس امر کی طرف بخوبی اشارہ کرتی ہے یہ صفت رذیلہ کتنی خطرناک ہے۔ یہاں امر کی طرف یاددہانی ضروری ہے کہ یہ صفت ریاکاری، تکبر وخود پسندی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اسی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہوا ہے۔

۱۔ سورۂ طٰہٰ میں آیات ۸۵ تا ۹۸ سامری کے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے اور اس واقعہ میں سامری اور قوم بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب جس چیز کو بیان کیا گیا ہے وہ جاہ طلبی ہے سامری کی جاہ طلبی ہی سبب بنی کہ وہ اس عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اس نے بچھیا میں خاک ڈالی جس سے آواز نکلتی تھی پھر لوگوں کو اس کے پوجا کی دعوت دی بہت کم ہی عرصے میں بہت سے لوگ بچھیا کے سامنے جھک گئے، اسے سجدہ کرنے لگے اور اسے طلب حاجت کا وسیلہ قرار دیا قرآن کی مذکورہ آیات میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ.

فرمایا تو ہم نے تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم کا امتحان لیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر چھوڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت غصہ کیا اور بہت ہی جلد اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور فریاد کی اپنے بھائی ہارون کو بعض خاص قرار دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے تقصیری کا اظہار کیا اور اس انحراف و بت پرستی میں سامری کو اصلی عامل قرار دیا:

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ.

پھر (سامری) نے ان لوگوں کے لئے (اسی زیور سے) ایک بچھڑے کی مورت بنائی جس کی آواز بھی بچھڑے کی سی تھی۔ اس پر بعض لوگ کہنے لگے یہی تمہارا (بھی) معبود ہے اور موسیٰؑ کا معبود ہے۔ مگر وہ بھول گیا ہے

جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں سامری کو عنوان اس فساد کا عامل اصلی سامری کو قرار دیا اور کہا:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

(تب سامری سے) کہنے لگے کہ او سامری! تیرا کیا حال ہے۔(اس نے جواب میں) کہا: مجھے وہ چیز دکھائی دی جو اوروں کو نہ سوجھی (جبرئیلؑ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے) تو میں نے جبرئیلؑ (کے گھوڑے) کے نشانِ قدم کی ایک مٹھی (خاک کی) اٹھالی۔ پھر میں نے (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دی (تو وہ بولنے لگا) اور اس وقت مجھے میرے نفس نے یہی سوجھایا۔

لیکن موضوع یہ ہے کہ سامری اقتدار و مقام طلب انسان تھا خداوند عالم نے اس دنیا میں اسے یہ سزا دی کہ اسے معاشرے سے دور کر دیا اور جس طرح خداوندعالم قرآن میں کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُس سے کہا:

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ.

موسیٰؑ نے کہا چل (دور ہو) تیرے لئے (اس دنیا کی) زندگی میں تو (یہ سزا ہے کہ) تو کہتا پھرے گا کہ مجھے نہ چھونا (ورنہ بخار چڑھ آئے گا)۔

کیا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا ایک قانون تھا کہ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اسے ایک پلید اور نجس و ناپاک سمجھا جاتا تھا نہ کوئی اس سے میل جول رکھتا، نہ اسے حق تھا کہ وہ دوسروں سے آنا جانا رکھے یا یہ کہ اس کے عمل کی سزا یہ تھی کہ خدا نے اسے ایک بیماری میں مبتلا کیا لہٰذا کوئی شخص اس سے نہیں ملتا کیونکہ یہ ڈر تھا کہ اس کو ملنے والا بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے یا یہ کہ سامری ایک نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہوا کہ جس سے اسے سخت وسوسہ اور لوگوں سے خوف کھاتا تھا اس طرح کہ اگر کوئی شخص اس کے قریب جاتا تو وہ فریاد کرتا تھا مجھے نہ ملو۔

جی ہاں یہ ہے اقتدار طلبی کی سزا کہ حتیٰ کہ دینِ حق کو بھی اپنی حاکمیت سمجھتا تھا قرآنی آیات کے دوسرے حصے میں کچھ اور چہرے دیکھنے میں آتے ہیں جو بنی اسرائیل میں سے ہیں اور مقام طلب ہیں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب درخواست کی:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ ہم تم پر اس وقت

تک ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔ اس پر تمہیں بجلی نے لے ڈالا اور تم تکتے ہی رہ گئے۔ پھر تمہیں تمہارے مرنے کے بعد ہم نے جلا اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔

صاعقہ کیا ہے؟

صاعقہ درحقیقت دو مثبت ومنفی تاروں کا نام ہے اوراس کی حرارت پانچ ہزار درجہ سینٹی گریڈ ہوتی ہے اس کی صدا بہت زیادہ ہوتی ہے جہاں تک پہنچتی ہے نابود کر دیتی ہے۔

بنی اسرائیل کی داستان میں صاعقہ جب کوہ طور کے اوپر سے آئی تو پہاڑ لرزنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر (۷۰) افراد کا گروہ اور وہ بھی خدا کا جواب سننے کوہ طور پر آئے تھے جب خدا کی طرف سے صاعقہ آئی تو کوہ طور اتنا لرزا کہ وہ ستر افراد سب کے سب ہلاک ہو گئے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے اور جب ہوش میں آئے تو خدا سے ان افراد کو دوبارہ زندہ کرنے کی درخواست کی خدا نے آپؑ کی درخواست کو قبول کیا اور وہ سب کے سب زندہ ہو گئے۔ یہ متعصب، ہٹ دھرم اور مقام طلب وخودخواہ ایک آسمانی بجلی دیکھنے سے اپنا سب کچھ کھو بیٹھے اور اپنے پروردگار کے سامنے خود کو حقیر سمجھنے لگے اور یہ بات انہیں اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ خدا کے نزدیک اقتدار طلبی خود کو رسوا کرنا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ اسی داستان کی طرف اشارہ ہوا ہے:

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

(اے رسولؐ) اہل کتاب (یہود) جو تم سے (یہ) درخواست کرتے ہیں کہ تم ان پر ایک کتاب آسمان سے اُتروا دو۔

ممکن ہے یہ تقاضا بہانہ جوئی یا مقام طلبی یا دونوں مراد ہوں قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے:

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

تو (تم اس کا خیال نہ کرو کیونکہ) یہ لوگ موسیٰؑ سے تو اس سے کہیں بڑھ (بڑھ) کے درخواست کر چکے ہیں چنانچہ کہنے لگے کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دو تب ان کو ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی نے لے ڈالا۔

ان تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مقام طلبی، تکبر، غرور، تعصب اور ہٹ دھرمی کی فضا حاکم تھی۔ اسی وجہ سے ہمیشہ بہانہ تلاش کرتے تھے اور وہ بری صفت وہی ہے جو آج بھی معاشرے میں دیکھی جا سکتی ہے یعنی بعض افراد اس صفت میں مبتلا ہیں اور جاہ طلبی کا شکار ہیں۔ بعض متخصص افراد جانتے ہیں کہ وہ اس فکر میں ہیں کہ خودنمائی اور اقتصاد خراب کر کے پورے جہان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں مقام طلبی صرف بنی اسرائیل اور سامری کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ فرعون اور نمرود بھی اس کی مثالیں ہیں جس طرح ہم نے آیات کے تیسرے حصے میں پڑھی ہیں:

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٥١ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝٥٢ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝٥٣ [1]

اور فرعون نے اپنے لوگوں میں پکار کر کہا اے میری قوم کیا (یہ) ملک مصر ہمارا نہیں اور کیا یہ نہریں جو ہمارے (شاہی محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں (ہماری نہیں) تو کیا تم کو اتنا بھی نہیں سوجھتا۔ یا (سوجھتا ہے کہ) میں اس شخص (موسیٰؑ) سے جو ایک ذلیل آدمی ہے اور (ہکلے پن کی وجہ سے) صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا کہیں بہت بہتر ہوں۔ (اگر یہ بہتر ہے) تو اس کے لئے سونے کے کنگن (خدا کے ہاں سے) کیوں نہیں اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے۔

فرعون نے اپنی قوم کے درمیان ندا دی اے میری قوم!۔۔۔۔فرعون کی اس گفتگو میں چند بری صفات کا ذکر ہوا ہے یعنی غرور، بزرگ نمائی، مقام طلبی، عوام فریبی یہ کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عظیم معجزات کو دیکھنے کے بعد انہیں نظر انداز کر دیا حالانکہ اس کے اور بھی افراد دیکھنے والے تھے پھر بھی سب نے انکار کر دیا۔ بہرحال فرعون نے اپنی قوم کو خالی ذہن بنایا تاکہ وہ اس کی اطاعت کرے۔

آیات کے چوتھے حصے میں قارون کی داستان بیان ہوتی ہے قارون بھی مذکورہ بالا یعنی فرعون کی لسٹ میں ہے وہ بھی بنی اسرائیل کی مانند مقام طلبی کی خواہش رکھتا تھا۔ اسی بری عادت نے اسے بدبخت بنایا اور آخر زمین کے اندر دھنس گیا۔ مقام طلبی اس طرح کا ضخیم پردہ ہوتا ہے جس سے واضح و آشکار مسائل فراموش ہو جاتے ہیں جب بنی اسرائیل کے آگاہ افراد نے اسے یہ نصیحت کی کہ یہ ساری نعمتیں خدا نے تجھے دی ہیں کتنا اچھا ہے کہ خدا داد نعمتوں سے آخرت کو آباد کرتا۔

---

[1] سورۂ زخرف

دنیا سے اپنا حق بھی بھولنا نہیں چاہیے چونکہ عمر بہت کم ہے اور دولت ضائع ہونے والا مال ہے ایسا نہ ہو کہ یہ عظیم ثروت زمین میں فساد کے لئے خراب ہو جائے اور تو بنی خدا کے ساتھ جنگ پر اتر آئے!

اس مغرور اور پاگل آدمی نے اسے جواب میں یہ کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ [۱]

تو قارون کہنے لگا کہ یہ (مال و دولت) تو مجھے اپنے علم (کیمیا) کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

یہ بات کر کے اس کی سرکشی میں اضافہ ہوا اپنے مقام کو دکھانے کے لئے تمام زینت یعنی قیمتی گھوڑوں، غلاموں، کنیزوں، سونے کی زین اور سونے کے دوسرے آلات کے ساتھ قوم موسیٰ کے سامنے ظاہر ہوا۔

فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ [۲]

غرض (ایک دن قارون) اپنی قوم کے سامنے بڑی آرائش اور ٹھاٹھ کے ساتھ نکلا۔

منظر اتنا زیبا اور دلکش تھا کہ بنی اسرائیل کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہوگئی اور انہوں نے اس طرح کہا:

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۷۹

جو لوگ دُنیا کی (چند روزہ) زندگی کے طالب تھے (اس شان سے دیکھ کر) کہنے لگے جو مال و دولت قارون کو عطا ہوئی ہے کاش ہمارے لئے (بھی) ہوتی اس میں شک نہیں کہ قارون بڑا نصیب ور ہے۔

لیکن جس طرح آیات کے ذیل میں آیا ہے کہ خداوند عالم نے قارون، اس کے محل اور مال سمیت زمین میں دھنس دیا ایک ایسا زلزلہ آیا جس سے زمین میں شگاف پڑ گیا اور زمین کے منھ میں چلا گیا یوں کہا جائے کہ نہ قارون رہا اور نہ اس کی زینت و زیوراتی آلات اس دوران قارون بننے کی آرزو رکھنے والوں کو سخت دھچکا لگا اور خواب غفلت سے بیدا رہوئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور خدا کی پناہ لی۔

ہاں! مقام طلبی، غرور اور غفلت اس طرح غافل کرنے والے ہیں کہ انسان کو واضح مسائل زندگی میں بھی غافل

---

[۱] سورۂ قصص:۷۸

[۲] سورۂ قصص:۷۹

کر دیتے ہیں تا کہ انسان ہمیشہ ناتوان رہے اور مختلف حادثات کا شکار ہوتا رہے اور زندگی سخت بنی رہے۔ اس کی دلچسپی کی تمام اشیاء فنا ہو جائیں گی انسان آہستہ آہستہ ان رذائل میں مبتلا ہو کر خدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

آیات کے پانچویں حصے میں فرعون کا ذکر ہوا ہے وہ ایک بلند پرواز مغرور ریاست طلبی کا جنون رکھنے والا اور دیوانہ قسم کا آدمی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ [۱]

فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو (اپنا) خدا بنایا ہے تو میں ضرور تمہیں اپنا قیدی بناؤں گا۔

بے شک فرعون ایک وسیع و عریض ملک مصر پر حکومت کرتا تھا ایسا سادہ نہیں تھا کہ اپنے آپ کو زمین و آسمان کا خالق سمجھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کرے۔

بے شک خود خواہی، جاہ طلبی اور مقام طلبی نے اسے اجازت نہیں دی کہ وہ خدا کو قبول کرے اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سر تسلیم خم ہو جائے۔

ہاں! حاکمیت طلب افراد کا مزاج ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ حق کے مقابلے میں زور پر اعتماد کرنا اور برہان کے مقابلے میں کوئی قاطع جواب نہ دینا ممکن ہے یہ تصور کیا جائے فرعون کے زندان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام کے مقابلے میں کہ جس سے اس کی حکومت نابود ہو گئی، کوئی کم چیز تھی! مفسرین کی تفسیر کے مطابق فرعون کے زندان سے سالم باہر آنا بہت مشکل تھا لوگ اتنا زندان میں رہتے وہاں پر اتنی تکلیفیں اٹھاتے کہ آخر جان دے دیتے تھے۔

ان آیات کے چھٹے حصے میں عرب کے مشرکین کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برہان و دلیل اور زندہ معجزات کی بجائے بہانے بناتے تھے کبھی خشک زمین چشم جاری کرنے اور کبھی پہاڑ کو چلانے کی بات کرتے تھے کبھی نہروں کے درمیان کھجور اور انگور باغ کا تقاضا کرتے تھے کبھی آسمان سے پتھروں کی بارش تو کبھی سونے سے بھرے گھر دیکھنے کا شوق رکھتے تھے آخر کار انہوں نے کہا:

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ [۲]

---

[۱] سورۂ شعراء

[۲] سورۂ بنی اسرائیل: ۹۳

یا تمہارے (رہنے کے) لئے کوئی طلائی محل سرا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک
تم ہم پر (خدا کے ہاں سے ایک) کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم اُسے خود پڑھ بھی لیں، اس وقت
تک ہم (تمہارے آسمان پر) چڑھنے کے بھی قائل نہ ہوں گے۔

ان تعبیرات میں "بیت من زخرف" ان کی خودبینی اور حاکمیت طلبی ظاہر ہوتی ہے انہوں نے ثابت کیا کہ انسان بری عادت کے اثر سے منطق وعقل کی حدود سے کتنا دور ہو جاتا ہے ایسا سونے کا گھر ہے جو سونے سے بھرا ہوا ہو یا سونے کی اشیاء سے سجا ہوا ہو یا ایسا گھر مراد ہے کہ جو نقش ونگار سے بھرا ہوا ہو ان دو احتمال میں سے پہلا احتمال زیادہ صحیح ہے۔

ان آیات کے آخری اور ساتویں حصے قارون سے مربوط ہیں "من زخرف" ایک عنوان کلی کے طور پر دستور فرماتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝٨٣ [1]

یہ آخرت کا گھر تو ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو روئے زمین پر نہ سرکشی
کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور (پھر سچ بھی یوں ہے کہ) پھر انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

جی ہاں! حاکمیت طلب افراد کا حال قارون والا حال ہوتا ہے اپنی تمام قدرت کو تکبر اور مقام پر خرچ کیا جس سے خدا کے عذاب کی لپیٹ میں آ گیا اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر رہ گیا اور لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

ممکن ہے کہ فساد کا عطف "علوّا فی الارض" پر کریں جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو برتر سمجھنے والے افراد مقام طلبی کی وجہ سے زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور ہر قسم کی جنایت کرنے سے باز نہیں آتے دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت میں نقل ہوا کہ جب آپؑ کو ظاہری خلافت ملی اور بازار میں جاتے تو بھٹکے ہوئے افراد کی رہنمائی کرتے، فقیروں کی مدد کرتے تھے اور جب دکانداروں کے قریب سے گزرتے تو اس آیت کی تلاوت فرماتے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ

یہ آخرت کا گھر تو ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو روئے زمین پر نہ سرکشی

---

[1] سورۂ قصص: ۸۳

کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد۔

پھر آیت کی تفسیر کرتے اس طرح فرماتے کہ نہ صرف حکام کو شامل تھی بلکہ سب قدرت مند لوگوں کو شامل تھی۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب اس آیت کی تلاوت کی تو گریہ کیا اور فرمایا:

ذَهَبَتْ وَ اللهِ الْأَمَانِيُّ عِنْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ۔[۱]

اس آیت کے باوجود تمام آرزو برباد ہوگئی ہیں۔

شاید امامؑ کی مراد یہ ہو کہ خدا آخرت کو ان لوگوں کے حق میں دے گا کہ جن کے دل میں برتری جوئی کا ارادہ بھی نہ رکھتے ہوں اور دماغ کی کھوپڑی میں مقام طلبی کا تصور بھی نہ کرتے ہوں لیکن یہ کام بہت مشکل ہے مجموعاً مذکورہ آیات کے علاوہ اور بھی ان کے مشابہ آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکمیت طلبی دوسرے رذائل جیسے تکبر، غرور، تعصب اور ہٹ دھرمی کے ساتھ مل جائے تو اس کے خطرناک آثار زندگی انسان میں نظر آتے ہیں اور نہ صرف ایک فرد بلکہ تمام معاشرے کو نابود کر دیتے ہیں۔

روایات میں حب ریاست

اسلامی روایات میں اس کی بڑی مذمت کی گئی ہے بعض اوقات اس کو حب مقام و حب شرف سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے مندرجہ ذیل روایات اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ یہ اخلاقی بدی انسان میں اس قدر شدید ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ما ذئبان ضاريان في ذريبة غنم بأسرع فيها من حبّ الشّرف و المال في دين المرء المسلم.[۲]

دو بھیڑیے، جیسے درندے کو بھیڑوں کے ریوڑ میں چھوڑنے سے جو نقصان ہوتا ہے حب مال و مقام کے پیدا ہونے والا نقصان اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔ اس قول کے مطابق ریاست طلبی انسان کے دین و ایمان کو تباہ کر دیتی ہے کہ جس طرح بھوکے بھیڑیے بھیڑوں کو

[۱] تفسیر قمی، ج۲، ص:۱۴۷

[۲] شرح فارسی شہاب الاخبار (کلمات قصار پیامبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، متن، ص:۳۳۶

کھاتے ہیں۔

۲۔آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی سے ایک اور حدیث یوں نقل ہوئی ہے:

حُبُّ الْجَاهِ وَ الْمَالِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ.[۱]

مال و مقام سے بے حد محبت کرنے سے انسان کے دل میں نفاق اس طرح پیدا ہوتا ہے

کہ جس طرح پانی گھاس کو اگاتا ہے۔

۳۔ایک اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث ہے:

مَنْ طَلَبَ الرِّئَاسَةَ هَلَكَ.[۲]

جو شخص طلب ریاست ہوتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

۴۔ یہ مسئلہ اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اسلامی روایات میں اس کی کم ترین علامت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

إِيَّاكُمْ وَ هَؤُلَاءِ الرُّؤَسَاءَ الَّذِينَ يَتَرَأَّسُونَ فَوَ اللهِ مَا خَفَقَتِ النِّعَالُ

خَلْفَ رَجُلٍ إِلَّا هَلَكَ وَ أَهْلَكَ.[۳]

اس ریاست طلب گروہ سے دوری رکھو، خدا کی قسم! کسی کے جوتوں کی آواز بلند نہیں

ہوتی مگر یہ کہ خود ہلاک ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے

یاد رہے! اس زمانے میں فقیر و محروم لوگ اکثر ننگے پاؤں چلتے تھے اور آواز دینے والے جوتے صرف ثروت مند پہنتے تھے۔

۵۔ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گناہ کی جڑ کے بارے میں فرمایا:

أَوَّلُ مَا عُصِيَ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بِسِتِّ خِصَالٍ حُبُّ الدُّنْيَا وَ حُبُّ

الرِّئَاسَةِ وَ حُبُّ الطَّعَامِ وَ حُبُّ النِّسَاءِ وَ حُبُّ النَّوْمِ وَ حُبُّ الرَّاحَةِ.[۴]

---

[۱] کشف الریبۃ، ص:۵۱

[۲] الکافی (ط۔الاسلامیۃ)، ج۲، ص:۲۹۷

[۳] الکافی (ط۔الاسلامیۃ)، ج۲، ص:۲۹۷

[۴] الخصال، ج۱، ص۳۳۰

دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی نافرمانی چھ چیزوں کی وجہ سے ہوئی۔

(۱)۔دنیا پرستی۔ (۲)۔مقام طلبی۔

(۳)۔لذیذ کھانوں کا شوق۔ (۴)۔عورتوں سے محبت۔

(۵)۔نیند کی کثرت۔ (۶)۔آرام وسکون

(۶)۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ حُبَّ الشَّرَفِ وَ الذِّكْرِ لَا يَكُونَانِ فِي قَلْبِ الْخَائِفِ الرَّاهِبِ.[۱]

جس کے دل میں خوف خدا ہو اس دل میں مقام طلبی کی خواہش نہیں ہوتی۔

۷۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی ایک اور روایت ہے:

مَنْ طَلَبَ الرِّئَاسَةَ بِغَيْرِ حَقٍّ حُرِمَ الطَّاعَةَ لَهُ بِحَق.[۲]

جوشخص ناحق ریاست طلب ہوتا ہے خدا اُسے حق سے محروم کردیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ریاست طلبی دو قسم کی ہے۔

ریاست حق و ریاست باطل

بعض آیات میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ کے مخلص بندوں کی ایک خواہش ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا.[۳]

خدایا! ہمیں متقین کا امام و پیشوا قرار دے۔

اس تعبیر سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ریاست طلبی ہمیشہ مذموم نہیں ہے بلکہ بقول علامہ مجلسیؒ ریاست کی دو اقسام ہیں۔

---

[۱] الکافی (ط۔الاسلامیۃ)، ج۲،ص:۶۹

[۲] تحف العقول۔ص:۳۵۱

[۳] سورۂ فرقان: ۷۴

۱۔ریاست حق۔

۲۔ریاست باطل

پھر ریاست حق کی مثال پیش کرتے ہیں کہ فتاوی دینا، درس وتدریس اور وعظ ونصیحت یہ سب ریاست حق ہیں وہ مزید کہتے ہیں: جوشخص اس کام کا اہل ہوتا ہے قرآن وسنت کا علم رکھتا ہو اور اس اصلی ہدف مخلوق کی ہدایت دین کی تبلیغ ہو ایسی ریاست، ریاست حق ہے کبھی واجب عینی اور کفائی ہوتا ہے لیکن جوشخص ان علوم سے آگاہ نہیں یا علم رکھتا ہے لیکن ہدف درست نہیں تو ایسا شخص تو صرف شہرت چاہتا ہے مال ومقام اس کا ہدف ہوتا ہے اس قسم کی ریاست، ریاست باطل ہے اور یہ صفت ان لوگوں کی ہوسکتی ہے جو مقام طلبی چاہتے ہوں۔

پھر وہ بعض محققین سے نقل کرتے ہیں کہ مقام کا معنی دل میں نفوذ کرنا ہے اور اس کا ہدف دنیاوی زندگی ہے اور موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے دنیا آخرت کی کھیتی ہے پس جس شخص کے پاس آخرت کے لئے زاد راہ ہے وہ سعادت مند ہے اور جس کا ہدف شہوت ہو وہ بدبخت ہوتا ہے جو افراد اپنی زندگی میں خدائی ہدف رکھتے ہوں وہی درحقیقت حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار ہیں کہ امامؑ فرماتے ہیں:

أَمَا وَ الَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْ لَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَ قِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ وَ مَا أَخَذَ اللهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَلَّا يُقِرُّوا عَلَى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَ لَا سَغَبِ مَظْلُومٍ لَأَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِهَا.

اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں۔اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی مظلومیت پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اوّل کو سیراب کیا تھا۔

ریاست طلبی کی علامت

ریاست طلب افراد کی حرکات وسکنات، ان کی گفتگو اور بول چال سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ریاست طلبی کی خواہش رکھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی کی تمام نیکیوں سے لوگ واقف ہو جائیں تا کہ انہیں مقام ومنزلت ملے۔

ریاست طلب لوگوں میں عام طور پر ریاکاری بھی ہوتی ہے کیونکہ اس کے علاوہ مقام طلبی کی حس بیدار نہیں ہوتی بعض علمائے اخلاق نے مقام طلبی اور ریاکاری کو اپنی کتابوں میں اکٹھا ذکر کیا ہے۔

بعض افراد تو ایسے ہوتے ہیں کہ جو خوبیاں ان میں نہیں پائی جاتی ہیں وہ چاہتے ہیں وہ بھی ان سے مختص ہو جائیں اور لوگ سمجھیں کہ ان میں یہ خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں آیت میں کچھ اس طرح ہے:

وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا.[1]

وہ اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ جو نیکیاں ان میں نہیں پائی جاتی وہ بھی ان کے نام مشہور ہو جائیں۔

وہ درحقیقت کسب مقام کے پیچھے ہوتے ہیں جس طرح سے بھی مل جائے وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں ریاست طلب افراد اکثر ایسے کام کرتے ہیں جن سے انہیں شہرت ملتی ہو جن کاموں میں شہرت نہیں ہوتی وہ انجام نہیں دیتے اگر ان کاموں کا عوام کو کافی فائدہ ملتا ہو وہ عوام کا نہیں سوچتے بلکہ اپنی شہرت کے درپے ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں ہمیشہ ان کی مدح ہو لوگ ان کے گیت گائیں ان کے سامنے کوئی دوسرا آدمی بات نہ کرے، ان کی بات حتمی اور حرف آخر ہونی چاہیے جو لوگ ان کا احترام کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک با معرفت افراد ہیں اور ان کی خوشامد نہیں کرتے وہ ان کی نظروں میں بے معرفت لوگ شمار ہوتے ہیں۔

عوام میں سے اکثر لوگ مقام طلب افراد سے متنفر ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

---

[1] آل عمران:۱۸۸

وَإِنَّ شِرَارَكُمْ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوطَأَ عَقِبُه.[1]

جوافراد یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے گن گائیں وہ بدترین افراد ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ عوام ان کے سامنے مطیع رہے اور ہر وقت ان کی خدمت کے لئے حاضر ہوں وہ اپنے آپ کو دوزح کی آگ کے لئے تیار کرتے ہیں۔

اسباب حُب مقام

مرحوم فیض کاشانی بہت خوبصورت بیان کرتے ہیں:

لوگوں سے ان کے مقام کی وجہ سے ان کے ساتھ تعلقات رکھنا یا دوسرے لفظوں ان کے مال وثروت کی وجہ سے ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنا کیونکر مقام تک (اولاً) مال تک پہنچنے کے لئے مقام طلبی زیادہ مناسب ہے بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مال کافی ہوتا ہے لیکن وہ لوگوں کے دلوں میں حاکم نہیں ہوتے ہیں لیکن جولوگوں کے دلوں پر چھا جاتے ہیں ان کے لئے مال و دولت کا جمع کرنا آسان ہے۔(ثانیاً) مال ہمیشہ خطرے میں ہوتا ہے اور ان کی حفاظت آسانی نہیں ہے لیکن اگر کوئی کسی کے دل پر حاکم ہو جائے تو اس کی حفاظت آسان ہے (ثالثاً) عام طور پر دلوں پر حکومت ہر روز بڑھتی جارہی ہے اوراس میں زیادہ زحمت نہیں ہوتی[2] پس ایسے افراد کی تعریف کرنا کافی ہے۔حالانکہ مال کو کمانے کے لئے بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہے مرحوم فیض کاشانی نے یہ مطلب خوب مقام کے لئے بیان کیا ہے لیکن ایک انگیزہ بھی ہوسکتا ہے۔

مقام طلبی کے دوسرے اسباب میں سے افراط ہے یعنی حد سے بڑھ جانا خود بینی بھی مقام طلبی کا عکس عمل ہے۔

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ)، ج۲،ص:۲۹۹

[2] محجۃ البیضاء، جلد۶ ،صفحہ ۱۱۵،۱۱۶ با تلخیص

مقام طلبی کا علاج

اگر انسان اخلاق رضائی یعنی بری صفات میں مبتلا ہونے والا برے انجام کو دیکھ کر اکثر اسے ترک کرنے کی فکر میں ہوتا ہے اگر مقام طلب افراد جانتے تو یہ بری صفات انسان کو نا صرف خدا سے دور کتی ہے بلکہ مخلوق کی نظر میں بھی حقیر ہوتا ہے لوگ اس سے دوری اختیار کرتے ہیں اس کے دوست اس سے جدا ہوجاتے ہیں یہ صفت انسان کو خطرناک ترین گناہ یعنی ریاکاری میں مبتلا کرتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات سامری اور قارون سے افراد (جو) جنہوں نے کفر اختیار کیا اور حق کی مخالفت کی اگر وہ یہ جان لیتے کہ مقام طلبی ایک بھیڑیے کی مانند ہے جو بھیڑوں کو کھا جاتا ہے اسی طرح یہ انسان کے دین اور ایمان کو تباہ کر دیتا ہے دل میں اس طرح نفاق پیدا ہوتا ہے جس طرح پانی سے گھاس اُگتی ہے۔

اگر وہ یہ سوچتے کہ دنیا عارضی ہے عمر چھوٹی ہے اور نعمتیں امانت ہیں اور یہ سب کچھ ہاتھ سے جانے والی چیزیں ہیں علمائے اخلاق کے قول کے مطابق شرق وغرق میں رہنے والے تمام انسان ایک انسان کو کئی سال سجدہ کرتے رہے نہ سجدہ کرنے والا باقی رہے گا اور نہ مسجود۔ فرعون، نمرود، قارون، سامری اور دوسرے افراد کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام طلبی ایک بری صفت ہے یہ (دیداری کے لئے) بیداری کے لئے ایک درس ہے اور مقام طلب افراد کے لئے ایک تنبیہ ہے مقام طلبی توحید کے اعتقاد ضعیف کر دیتی ہے۔ ایمان ضعف ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص خدا کی عظمت سے واقف ہے تو وہ جانتا ہے تمام مخلوقات خدا کے مقابلے میں ناچیز ہیں اس کے علاوہ یہ بھی جانتا ہے کہ عزت و ذلت، عظمت وحقارت خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تمام لوگوں کے دلوں پر اسی کی حکومت ہے وہی حاکم ہے لوگوں کا اقبال خدا کے ہاتھ میں ہے قدرت طلبی ناپائیدار ہے یہ سب علاج کے نمونے ہیں اور علمی ہیں عملی راہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ایسے حالات میں لائے جس سے حب مقام ختم ہوتا ہے مثلاً مجالس میں وہاں بیٹھے جہاں عام لوگ بیٹھتے ہیں ایسا لباس پہنے جو عام لوگ پہنتے ہیں اسی طرح سواری، گھر اور کھانے عام افراد جیسے ہونے چاہیے۔

بعض علمائے اخلاق لکھتے ہیں کہ حب مقام کی رگ کو کاٹنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں سے دوری اختیار کریں لیکن ان میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو متقی سمجھ کر یہ کام انجام نہ دیں بہت سارے صوفی اور عارف افراد حب مقام کی رگ کو کاٹنے کے لئے ایسے کام انجام دیتے ہیں جو شریعت میں جائز نہیں ہوتے مرحوم فیض

کاشانی نقل کرتے ہیں کہ قدیم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ایک راہب اور عبادت گزار کی خدمت میں پہنچا جب اس زاہد کو خبر ملی کہ بادشاہ اس کی خدمت میں آرہا ہے تو اس نے روٹی اور سبزی حاضر کرنے کے لئے کہا جب کھانا کھانے لگے تو اس میں ایک بڑا لقمہ بنا کر کھانے لگا جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو وہ بغیر گفتگو کے واپس آ گیا زاہد نے کہا:

الحمد لله الّذی صرفك عنّی

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے کہ وہ ہم سے منصرف ہو گیا ہے۔

بعض دوسرے افراد سے نقل ہوا ہے کہ بعض اوقات صوفی افراد دسترخوان پر شراب بھی رکھتے ہیں تا کہ لوگ یہ سمجھیں یہ شراب پیتے ہیں اور وہ لوگوں سے دور رہیں ایک اور شخص سے نقل ہوا ہے کہ ایک علاقے میں معروف راہب رہتا تھا لوگ اس کا بڑا احترام کرتے تھے ایک دفعہ جب وہ حمام گیا تو جان بوجھ کر کسی دوسرے کا مخفی لباس پہنا اور باہر آ کر سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا جب لوگوں نے اسے پہچانا تو اسے پکڑ کر بہت مارا اور لباس واپس لے لیا لوگوں نے کہا یہ چور ہے لہٰذا ایسے شخص سے دور ہو جانا چاہیے۔

بے شک اس جیسے کام حرام ہیں اور بعض اوقات مکروہ ہے اسلام نے بھی اجازت نہیں دی کہ اس جیسے بدنام کرنے والے کام انجام دے اور لوگوں کی نظر سے گر جائے جس طرح اسلام نے مخلوق سے کہا سوئے ظن ممنوع ہے لہٰذا مقام طلبی کی رگ کو کاٹنے کے لئے ایسے اعمال انجام دینے چاہیے جو شریعت اور عدل کے ساتھ سازگار ہیں شریعت میں بہت سے مطلوب راستے موجود ہونے کے باوجود نا مطلوب راستوں کو اختیار نہیں کرنا چاہیے مرحوم فیض کاشانی مزید لکھتے ہیں کہ دسترخوان پر دکھاوے کی شراب کو حاضر کرنا محل اشکال ہے بہت سارے صوفی لوگ ایسے کام انجام دیتے ہیں جن کا مجتہد فتویٰ نہیں دیتا ایسے کام ایک صوفی سے ہونا ممکن ہے لیکن مجتہد کے لئے بعید ہے ایسے کام کرنے سے انسان کے دل پاک نہیں ہوتے بلکہ یہ غیر منطقی کام انسان کو رسوا کر دیتے ہیں۔

امام غزالی نے بھی اس قسم کے باتیں لکھی ہیں:

> فرقہ (ملامتیہ) صوفیوں کا ایک مشہور فرقہ ہے جو اس قسم کی حرکات کرتے ہیں وہ گمنامی و بدنامی کے لئے یہ راہ انتخاب کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ ملامتیاں معروف ہو گئے لیکن اسلام ہرگز ایسے کاموں کی اجازت نہیں دیتا یہ منطق، عقل اور شریعت سے دور ہے البتہ یاد رہے کہ مرحوم فیض کاشانی اس فرقہ کے اعمال کو قبول نہیں کرتا جو گناہان کبیرہ ہیں۔

۲۔ بہانہ جوئی و ہٹ دھرمی

بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی حقیقت کو پانے کے لئے ایک منابع ہے کیونکہ ایسا انسان حق تک نہیں پہنچتا۔ بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی یہ نہیں کہ انسان کشف حقیقت کے لئے تکرار کریں اور پے در پے سوال کرے کیونکہ سوال کشف حقائق کی اصل دلیل ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حق آشکار ہونے کے بعد باطل پر اصرار کرنا ہے تاریخ بتاتی ہے کہ پچھلی اقوام میں سے بنی اسرائیل سب سے زیادہ بہانہ جو ہے اس لئے قرآن نے ان کی بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ کیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام نادان اقوام میں خودخواہ اور خود پرست جو بھی موجود نہیں ہیں وہ وہی بری عادات میں مبتلا تھے۔

بہرحال برائی شیطان کی ایک عادت ہے اور شاید سب سے پہلے جس نے ہٹ دھرمی کا درس دیا وہ شیطان تھا اس کے آثار اتنے برے ہیں کہ بعض اوقات خونی جنگوں کا باعث بنتی ہے جس سے انسان اور مال تباہ ہو جاتا ہے اور آباد شہر ویران ہو کر رہ جاتے ہیں۔

تفسیر و خلاصہ

سب سے پہلی آیت میں کافروں کی بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی بیان ہوئی ہے کہ جب لوگوں کو خدا کی نعمتیں ملتی

ہیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں شاید محبت کے طریقے سے وہ بیدار ہو جائیں ان کے غرور میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کی طغیان گری جاری رہتی ہے خداوندعالم فرماتا ہے اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کے مصائب کو دور کریں تو وہ نہ صرف بیدارنہیں ہوتے بلکہ ان کی طغیان گری میں اضافہ ہوتا ہے وہ سرگردان ہوجاتے ہیں۔

① ۔ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ.[1]

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف کو دور بھی کردیں تو بھی یہ اپنی سرکشی پر اڑے رہیں گے اور گمراہ ہی ہوتے جائیں گے۔

② ۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ.[2]

یا یہ تم کو روزی دے سکتا ہے اگر خدا اپنی روزی کو روک لے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نافرمانی اور نفرت میں غرق ہو گئے ہیں۔

③ ۔ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ. قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ. قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ.[3]

اس نے کہا کہ پھر مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے ارشاد ہوا کہ تو مہلت والوں میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ پس جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا۔

④ ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝٥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝٦ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝٧

انہوں نے کہا: پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی بلایا اور رات میں بھی پھر بھی میری دعوت کا کوئی اثر سوائے اس کے نہ ہوا کہ انہوں نے فرار اختیار کیا۔ اور میں نے جب بھی انہیں دعوت دی کہ تو انہیں معاف کردے تو انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں میں رکھ لیا اور اپنے

---

[1] سورۂ مومنون:۷۵

[2] سورۂ ملک:۲۱

[3] سورۂ اعراف:۱۴ تا ۱۶

کپڑے اوڑھ لئے اور اپنی بات پر اڑ گئے اور شدت سے اکڑے رہے۔

⑤۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ۶۴ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى
رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ۶۵ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۶۶ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۶۷ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔[1]

اس پر ان لوگوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا اور آپس میں کہنے لگے کہ یقیناً تم ہی لوگ ظالم ہو اس کے بعد ان کے سر شرم سے جھکا دیئے گئے اور کہنے لگے ابراہیم تمہیں تو معلوم ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں ابراہیم نے کہا کہ پھر تم خدا کو چھوڑ کر ایسے خداؤں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ حیف ہے تمہارے اوپر اور تمہارے ان خداؤں پر جنہیں تم نے خدائے برحق کو چھوڑ کر اختیار کیا ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ہو ان لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس طرح اپنے خداؤں کی مدد کرو۔

⑥۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۶۷ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا
هِىَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا
تُؤْمَرُوْنَ ۶۸ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ
الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۷۰ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ
تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۔[2]

اور وہ موقع بھی یاد کرو جب موسیٰ نے قوم سے کہا کہ خدا کا حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کرو تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں مذاق بنا رہے ہیں۔ فرمایا پناہ بخدا کہ میں جاہلوں میں سے

---

[1] سورۂ انبیاء: ۶۴ تا ۶۸

[2] سورۂ بقرہ: ۶۷ تا ۷۱

ہو جاؤں ان لوگوں نے کہا کہ اچھا خدا سے دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی حقیقت بتائے۔ انہوں نے کہا کہ ایسی گائے چاہئے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچہ۔ درمیانی قسم کی ہو۔ اب حکم خدا پر عمل کرو ان لوگوں نے کہا یہ بھی پوچھئے کہ رنگ کیسا ہوگا۔ کہا کہ حکم خدا ہے کہ زرد بھڑک دار رنگ کی ہو جو دیکھنے میں بھلی معلوم ہو ان لوگوں نے کہا کہ ایسی تو بہت سی گائیں ہیں اب کون سی ذبح کریں اسے بیان کیا جائے ہم انشاء اللہ تلاش کرلیں گے حکم ہوا کہ ایسی گائے جو کاروباری نہ ہو نہ زمین جوتے نہ کھیت سینچے ایسی صاف ستھری کہ اس میں کوئی دھبّہ بھی نہ ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ذبح کردیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔

۷۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.[1]

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰؑ سے کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں جس کے بعد بجلی نے تم کو لے ڈالا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد زندہ کردیا کہ شاید اب شکرگزار بن جاؤ۔

۸۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ.[2]

ان لوگوں نے کہا کہ موسیٰؑ ہم ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں ہیں۔ آپ اپنے پروردگار کے ساتھ جا کر جنگ کیجئے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

۹۔ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۝۴۹ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ.[3]

اور ان لوگوں نے کہا کہ اے جادوگر (موسیٰؑ) اپنے رب سے ہمارے بارے میں اس بات کی دعا کرو جس بات کا تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے تو ہم یقیناً راستہ پر آجائیں گے لیکن جب ہم

---

[1] سورہ بقرہ ۵۵،۵۶

[2] سورۂ مائدہ: ۲۴

[3] سورۂ زخرف: ۴۹،۵۰

نے عذاب کو دور کر دیا تو انھوں نے عہد کو توڑ دیا۔

۱۰۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ [1]

یا تمہارے پاس سونے کا کوئی مکان ہو یا تم آسمان کی بلندی پر چڑھ جاؤ اور اس بلندی پر بھی ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک کوئی ایسی کتاب نازل نہ کردو جسے ہم پڑھ لیں آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا پروردگار بڑا بے نیاز ہے اور میں صرف ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

تفسیر وجمع بندی

ہاں یہ بہانہ جو گروہ جس نے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیوانہ کہا جس پر آیات دلالت کرتی ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بات کو مانیں ہر معجزہ دیکھنے کے باوجود انکار کرنے والے ہیں خداوند عالم نے انہیں بیدار کرنے کے لئے بعض اوقات مصیبتوں میں مبتلا کیا اور بعض دفعہ بہت ساری نعمتیں عطا کرتا ہے ان افراد پر نہ مصیبتوں اور نہ نعمتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ بہانہ جو عصیاں کار اور نادان تھے۔

مفسرین کے قول کے مطابق طغیان کی مختلف اقسام ہیں:

طغیان علم، یعنی فخر فروشی

طغیان مال یعنی بخل

طغیان عبادت یعنی ریاکاری

طغیان نفس یعنی شہوت کی پیروی

انسان ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان سب گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوسری آیت میں دوبارہ مشرکین کی ہٹ دھرمی بیان ہوئی ہے کہ کبھی بھی کسی قیمت پر حاضر نہیں تھے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر تسلیم ہو اور خود سخت خدا ان کو چھوڑ دے قرآن مجید میں فرماتا ہے:

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل: ۹۳

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ.[۱]

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اوران کی تکلیف کو دور بھی کردیں تو بھی یہ اپنی سرکشی پر اڑے رہیں گے اور گمراہ ہی ہوتے جائیں گے۔

قرآن مجید بت پرستوں کے بارے میں بار بار تکرار کرتا ہے کہ تمہارے بت کسی کام کے نہیں ہیں یہ نہ تمہارے دشمن سے دفاع کرتے ہیں نہ تمہیں روزی دیتے ہیں نہ تمہارے ساتھ بات کرتے ہیں نہ تمہیں نفع دیتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ پس ان کی عبادت کس لئے ہے؟

ان سوالوں کے جواب ان کے پاس نہیں تھے اور مسلسل بتوں کی پوجا کرتے تھے ان آیات کے تیسرے حصے میں سب سے پہلے بہانہ جوئی اور متعصب شیطان کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ جب تکبر کی وجہ سے درگاہ خدا سے دھتکار گیا اور اپنے بلند مرتبہ سے گر گیا خود بینی کی وجہ سے بہت حقیر اور ناچیز بن گیا اسے اپنی غلطی قبول کرنی چاہیے تھی اور خدا سے توبہ کر کے گناہ سے پاک ہونا چاہیے تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے کوشش کی کہ گناہ میں رہے اور یہ صرف تکبر اور حسد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوا شیطان نے چاہا کہ وہ آدم اور اس کی اولاد سے انتقام لے اور ان کے اندر وسوسہ پیدا کر کے گمراہ کرے نہ صرف ایک دن دو دن ایک ماہ ایک سال بلکہ قیامت تک اپنی برائی کو جاری رکھے گا ہر جگہ گناہ کی مجلس برپا کرتا ہے اور لوگوں کو بدبخت بناتا ہے یہاں تھا کہ اس نے عرض کی:

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ.[۲]

کہنے لگا تو (خیر) مجھے اس دن تک کی (موت سے) مہلت دے جس دن ساری خدائی کے لوگ (دوبارہ جلا کر) اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔ فرمایا (اچھا منظور) تجھے ضرور مہلت دی گئی کہنے لگا چونکہ تو نے میری راہ ماری تو میں بھی بنی آدمؑ کے (گمراہ کرنے کے لیے) تیری سیدھی راہ پر تاک میں بیٹھوں گا تو سہی

بے شک طولانی عمر جس شخص کے لئے ہو ایک بڑا سرمایا ہے اپنے گناہوں کی اصلاح کرے اور نیکیوں میں اضافہ کرے اگر پہلے گمراہ تھا تو توبہ کرے لیکن باغی افراد کو طولانی عمر کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی بدبختی میں اضافہ

---

[۱] سورۂ مومنون: ۷۵

[۲] سورۂ اعراف: ۱۴ تا ۱۶

ہوتا ہے طولانی عمر دعائیں قبول کرانے کا باعث ہوتو یہ ایک خدا کی رحمت ہے لیکن بہانہ جو اور ہٹ دھرم افراد نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔

چوتھی آیت میں قوم نوحؑ کی ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ ہوا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے پوری سعی و کوشش کی اور اس قوم کو گمراہی سے نکالنا چاہا مگر ان کی طرف سے عجیب سرد مہری کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ حضرت نوح علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں ان کی شکایت کی اور فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا [1]

(جب لوگوں نے نہ مانا تو) عرض کی پروردگارا میں اپنی قوم کو (ایمان کی طرف) رات دن بُلاتا رہا۔ لیکن وہ میرے بلانے سے اور زیادہ گریز ہی کرتے رہے اور میں نے جب ان کو بلایا کہ (یہ توبہ کریں اور) تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور (مجھ سے چھپنے کو) کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور بہت شدت سے اکڑ بیٹھے۔

یہ کیا تعصب اور ہٹ دھرمی ہے کہ انسان حرف حق نہیں سنتا۔

بلکہ کانوں میں انگلی ڈال لیتا ہے اور حق سے گریز کرتا ہے مریض شخص کیسے ڈاکٹر سے گریز کرتا ہے؟ اگر وہ بیمار ہے تو ڈاکٹر سے رجوع کرنا فائدہ ہے یہ چراغ کو پشت کرنے کے مترادف ہے۔

تمام انبیاء میں سے جتنی حضرت نوح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی ایسی کسی اور نبی نے نہیں دی کیونکہ اللہ نے انہیں عمر بہت طولانی عطا فرمائی۔ نو سو پچاس سال تو انہوں دین کی دعوت دی اور وہ بھی دن رات آپ نے اپنی دعوت کو جاری رکھا لیکن اس کے باوجود بہت کم لوگ اسلام لائے بعض نے لکھا ہے کہ ہر ۱۲ سال میں ایک شخص مسلمان ہوتا تھا دوسرے لفظوں میں:

جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ.

انسان کا انگلیوں کو کان میں ٹھونسنا۔

اس سے مراد شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حق سے دوری کرتے تھے وہ چاہتے تھے پوری انگلی کو

---

[1] سورۂ نوح: ۵ تا ۷

کان میں ڈال دیں تا کہ حق نہ سن سکیں۔

اسی طرح یہ تعبیر بھی ہے:

فَلَمۡ یَزِدۡهُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا.

لیکن وہ میرے بلانے سے اور زیادہ گریز ہی کرتے رہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا اثر معکوس تھا ہاں بعض افراد ہٹ دھرم اور متکبر جب حق طلب کی آواز سنتے ہیں تو ان کی ہٹ دھرمی میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح گندگی کے ڈھیر پر بارش گرنے سے بو آتی ہے۔

پانچویں آیت میں یہ اشارہ ہوا ہے کہ قوم ابراہیمؑ بھی بہانہ جو اور ہٹ دھرم قوم تھی یہ بت پرست قوم بابل میں رہتی تھی جب ابراہیمؑ نے دلیل قاطع خود ساختہ خدا کا پول کھول دیا اور تمام بتوں کو توڑ دیا سوائے ایک بت کے اور اس بڑے بت کو اس لئے چھوڑ دیا تا کہ وہ ٹوٹے ہوئے بتوں کے بارے میں اس بڑے بت سے پوچھیں لوگ ایک دفعہ بیدار ہوئے اور اپنی سرزنش کرنے لگے جس سے ان میں بیداری آئی اگر یہ بیداری جاری رہتی تو وہ شرک کو چھوڑ دیتے اور توحید پرست بن جاتے لیکن اچانک ان کے تعصب اور ہٹ دھرمی نے ان کو ڈھیر کر دیا۔ اور وہ حق کی طرف آتے آتے پھر باطل کی طرف پلٹ گئے۔ جس طرح خداوند عالم فرماتا ہے:

ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنۡطِقُوۡنَ [1]

پھر ان لوگوں کے سر (اسی گمراہی میں) جھکا دیئے گئے (اور تو کچھ بن نہ پڑا مگر یہ بولے کہ) تم کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بت بولا نہیں کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُكُمۡ شَیۡـًٔا وَّلَا یَضُرُّكُمۡ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ. [2]

(پھر ان سے کیا پوچھیں) ابراہیمؑ نے کہا تو کیا تم لوگ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ تمہارا کچھ نقصان ہی کر سکتی ہیں۔ تف ہے تم

---

[1] سورۂ انبیا: ۶۵

[2] سورۂ انبیا: ۶۶۔۶۷

پراوراس چیز پر جسے تم خدا کے سوا پوجتے ہوتو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

اگر انسان متعصب نہ ہوتا تو اپنی آنکھوں سے مشکلات کو دیکھ کر سخت حوادس میں مبتلا نہ ہوتا متعصب لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے نیک لوگ خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں ہاں ہٹ دھرمی اور تعصب سنگین پردے ہوتے ہیں جس سے انسان واضع ترین مسائل سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔دلچسپ یہ کہ پہلی آیت میں کہتا ہے:

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

اس پر ان لوگوں نے اپنے جی میں سوچا۔

بعد والی آیت میں کہتا ہے:

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ

پھر ان لوگوں کے سر (اسی گمراہی میں) جھکا دیئے گئے۔

چھٹی آیت میں بنی اسرائیل کی ہٹ دھرمی کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں بے نظیر تھے۔

یہ آیت اور پہلے کی آیات اس داستان کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے کسی کو قتل کر دیا اور خون ریزی و جنگ کا سخت خطرہ تھا کیونکہ قتل کی تہمت ایک دوسرے پر تھونپ رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں خدا کے حکم سے قاتل بتا سکتا ہوں لہٰذا ایک گائے ذبح کرو اور اس کے بدن کا گوشت اس مقتول کے بدن سے مس کریں وہ خود زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تجویز تمام بنی اسرائیل کے لئے حیرت کا باعث بنی بلکہ امیدواری کا سبب بھی تھی حق تو یہ تھا کہ جلدی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کو بجا لاتے لیکن افسوس انہوں نے بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی شروع کر دی کبھی کہتے گائے کی عمر کتنی ہونی چاہیے، کبھی گائے کے رنگ کے بارے میں سوال کرتے اور کبھی اس کے کان کے بارے میں پوچھتے ان سوالات کی خاطر انہوں نے اپنے لئے ایک مشکل کھڑی کری دی جس کا سرانجام یہ ہوا کہ انہیں ایسی صفات والی گائے پیدا کرنا مشکل ہوگئی تھی انہوں نے گائے بہت مہنگی خریدی بلکہ اگر وہ پہلے ہی کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو مشکل حل ہو جاتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی حکمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے کیونکہ خدا حکیم ہے اور سوال کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے شاید بنی اسرائیل یہ چاہتے تھے کہ اس بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی سے اصلاً وہ کوئی گائے ذبح ہی نہ کریں قرآن کی مذکورہ بالا آیت میں ہے کہ خدا فرماتا ہے: یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا خدا تمہیں ایک مادہ گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے پھر ایک گوشت کا ٹکڑا مقتول کے بدن سے مس کرتے اور وہ زندہ ہو کر اپنا قاتل خود بتا تا انہوں نے

کہا تم ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو موسیٰؑ نے کہا میں خدا کی پناہ لیتا ہوں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔[۱]

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تم لوگوں کو تاکیدی حکم کرتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہم سے دل لگی کرتے ہو (موسیٰؑ نے) کہا میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہل بنوں۔

اس سورہ کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کو تلاش کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے درمیان بہت ہی نزاع اور جنگ چھڑنے کا خطرہ تھا لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے آیات کے ساتویں حصے میں بنی اسرائیل کی عجیب ہٹ دھرمی بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے موسیٰؑ کے پیروکاروں کو پکڑ لیا اور کہا:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً[۲]

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ ہم تم پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔

ظاہراً وہ جانتے تھے کہ خدا کا جسم مکان اور سمت نہیں ہے لیکن وہ سرکشی میں ہی غرق رہے استکبار نے موسیٰؑ سے کہا: تم کہتے ہو کہ خدا نظر نہیں آتا ہم اس کو نہیں مانتے یہ سب سن کر خدا نے انہیں فرمایا: اپنی قوم کے ستر معتبر آدمیوں کا انتخاب کرو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر جائیں تا کہ وہ اپنی درخواست کا جواب لے سکیں اور واپس آ کر یہ ستر افراد دوسروں کو بتائیں جب وہ کوہ طور پر آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں ان کی درخواست پیش کی اور کہا: خدایا! اپنے آپ کو ہمیں دکھا دے۔

اللہ نے فرمایا: اے موسیٰؑ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ہم نے اپنے جلوے کو صاعقہ کی صورت میں کوہ طور پر بھیجا ہے اگر اس جلوہ کے سامنے پہاڑ مقاومت نہ کر سکا تو خدا کو دیکھنے کا خواب اپنے مغز سے نکال دو۔ تھوڑی دیر کے بعد سخت بجلی چمکی، سخت آواز آئی، کوہ طور پر زلزلہ آ گیا بنی اسرائیل کے تمام افراد وحشت زدہ ہوئے اور جان دے بیٹھے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ رہے وہ بھی بے ہوش ہو گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

---

[۱] سورۂ بقرہ:۶۷

[۲] سورۂ بقرہ:۵۵

فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ.[۱]

اس پر تمہیں بجلی نے لے ڈالا اور تم تکتے ہی رہ گئے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو خدا سے ان کی زندگی کا تقاضا کرنے لگے تا کہ وہ اس عذاب سے بچ جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوگئی اور سب کے سب دوبارہ زندہ ہو گئے جس طرح قرآن کی دوسری آیت میں اسی طرح ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ.[۲]

پھر تمہیں تمہارے مرنے کے بعد ہم نے جلا اٹھایا تا کہ تم شکر کرو۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ تقاضا اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ وہ اس پر مامور تھے کہ بنی اسرائیل کا تقاضا خدا کی بارگاہ میں پیش کرتے انہیں درس عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ ایک پہاڑ میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ ایک بجلی کے مقابلے میں باقی رہے تو یہ لوگ خدا کو دیکھنے کا کیسے ارادہ کرتے ہیں؟

آیات کے آٹھویں حصے میں بنی اسرائیل کے جنگ سے بزدلی اور بہانہ بازی کا ذکر ہوا ہے کہ جب خداوند عالم نے انہیں اپنے دشمنوں پر فتح نصیب کی اور فرعون کے شر سے بچ گئے اس کے بعد انہوں نے بیت المقدس کی طرف حرکت کی ان کے دلوں میں سالوں سے دیکھنے کی آرزو تھی جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو خدا کا حکم ہوا کہ وہ اس سرزمین میں داخل ہو جائیں اور کسی قسم کی مشکل سے نہ گھبرانا، لیکن انہوں نے موسیٰؑ سے کہا: اس زمین پر قدرت مند افراد رہتے ہیں کیونکہ عمالقہ نامی قوم وہاں رہتی تھی لہٰذا جب تک یہ قدرت مند قوم عمالقہ اس سرزمین سے خارج نہ ہو جائیں ہم داخل نہیں ہوں گے سچے مومنین کو نصیحت کی کہ مت گھبرائیں لیکن بنی اسرائیل نے اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کو جاری رکھا حالانکہ خدا کی طرف سے حکم ہو چکا تھا کہ ڈریں مت اور حکم خدا سے فتح بھی ہوتی لہٰذا جب ان لوگوں نے اللہ کا حکم نہ مانا اور ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے جس طرح ہم آیت میں بیان کر چکے ہیں۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ[۳]

---

[۱] سورۂ بقرہ:۵۵

[۲] سورۂ بقرہ:۵۶

[۳] سورۂ مائدہ:۲۴

وہ کہنے لگے اے موسیٰؑ (چاہے جو کچھ ہو) جب تک وہ لوگ اس میں ہیں ہم تو اس میں ہرگز (لاکھ برس) پاؤں نہ رکھیں گے۔ہاں تم جاؤ اور تمہارا خدا (جائے) اور دونوں جا کے لڑو ہم تو یہیں جمے بیٹھے ہیں۔

یہاں پر بھی بنی اسرائیل کو سخت دھچکا لگا اور خدا نے اس سرزمین میں داخل ہونے کے لئے چالیس سال تک مؤخر کر دیا لہٰذا انہیں چالیس سال تک بیان میں سرگردان ہونا پڑا اس بیان کا ایک حصہ سیناء بھی تھا ان کی ہٹ دھرمی اس بات کا باعث بنی کہ انہوں نے خدا کے حکم کی اہانت کی یہ جملہ:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ.

ایک قسم کا مذاق اور اہانت تھی۔

چالیس سال تک بیابان میں سرگرداں رہنا بھی خدا کی ایک حکمت تھی کہ جو نسل مصر میں پیدا ہوئی وہ قابل اصلاح نہ تھی بلکہ نئی پیدا ہونے والی نسل کہ جو بیابان میں حیرت وسرگردانی کی حالت دیکھ چکی تھی وہ اصلاح کے قابل تھی کیونکہ انہوں نے ساری مشکلات دیکھ لی تھیں۔

آیات کے نویں حصے میں قوم فرعون کا ذکر ہے خدا کی ان کی ہدایت کے لئے معجزات بھیجے۔قرآن مجید میں ان معجزات کی تعداد تسع عنوان یعنی نو (۹) مہم معجزات بیان ہوئی ہے لیکن بنی اسرائیل کی ہٹ دھرمی میں کوئی کمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ بلکہ بار بار بہانہ تراشی کرتے رہے اور آخر انہوں نے اس طرح کہا:

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۝۴۹ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ[1]

اور (جب عذاب میں گرفتار ہوئے تو موسیٰؑ سے) کہنے لگے اے جادوگر اس عہد کے مطابق جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا ہے ہمارے واسطے دعا کرو (اگر اب کی چھوٹے تو) ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ پھر جب ہم نے ان سے عتاب کو ہٹا دیا تو وہ فوراً (اپنا) عہد توڑ بیٹھے۔

آیات کی تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت ہٹ دھرم اور بہانہ جو تھے ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے اور جب کوئی مصیبت آتی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سہارا لیتے تھے یہ الفاظ کہتے تھے ربك یعنی تیرا پروردگار کہا نہ ہمارا پروردگار یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروردگار تو ہے ان کا پروردگار نہیں۔کلمہ ینکثون فعل مضارع ہے۔ جو اس مطلب پر دلالت کرتا ہے۔کئی بار عہد و پیمان باندھا اور پھر توڑا جس کے نتیجے میں اسی مصیبت میں گرفتار

[1] سورۂ زخرف: ۴۹، ۵۰

ہوئے کہ خداوندا عالم نے سب کو دریا میں غرق کر دیا۔ یہی ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ان آیات کے دسویں حصے میں مشرکین عرب کی ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ ہے وہ ہمیشہ بہانہ تراشی کرتے تھے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کریں اور ان کے معجزات کا انکار کریں۔ اگر ان کی روح میں حق طلبی ہوتی تو وہ قرآن جیسے بڑے معجزے سے ہدایت پاتے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ ہے لیکن وہ ہمیشہ نئے معجزے کی پیشکش کرتے لیکن پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہٹ دھرمی کے آخری درجے پر تھے خداوند عالم فرماتا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ . [1]

اور (اے رسولؐ) کفّار مکّہ نے تم سے کہا جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہا نکالو گے ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یا (یہ نہیں تو) کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اس میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھلا دو یا جیسا تم گمان رکھتے تھے۔ یا ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے (ٹکڑے) کر کے گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو (اپنے قول کی تصدیق میں) ہمارے سامنے (گواہی میں) لا کھڑا کر دو یا تمہارے (رہنے کے) لیے کوئی طلائی محل سرا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر (خدا کے ہاں سے ایک) کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم اُسے خود پڑھ بھی لیں، اس وقت تک ہم (تمہارے آسمان پر) چڑھنے کے بھی قائل نہ ہوں گے ان کے جواب میں خداوند عالم اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا.

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ سبحان اللہ! میں ایک آدمی (خدا کے) رسول کے سوا آخر اور کیا ہوں (جو یہ بیہودہ باتیں کرتے ہو)۔

اس کلام میں بہانہ تراشی نمایاں اور مکمل ظاہر ہوتی ہے اس سے ایک اور انحرافی نقطہ ملتا ہے کہ وہ یہ تصور کرتے

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳

تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہاں کی حاکمیت کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ معجزات ہمیشہ خدا کی طرف سے ہیں۔ جب خدا چاہتا ہے نازل کرتا ہے لہٰذا آیات کے آخر میں اس طرح آیا ہے ان آیات کا شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ ک ایک گروہ یعنی سب سے آگے ولید بن مغیرہ اور ابوجہل تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے کنارے اجماع کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں کے بارے میں بحث کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ کسی شخص کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجنا چاہیے اور انہیں تجویز دیں کہ وہ اس جگہ میں آئے اور ہمارے ساتھ بات کریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے ان کے پاس گئے تو شاید وہ حق کو قبول کرلیں۔ لیکن آپ کے جانے تو تو میں میں ہونے لگا بلکہ آپ کی اہانت کی گئی۔ یقیناً اگر وہ حق کی تلاش میں ہوتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ضرور بات سنتے اور انہیں معجزہ بھی دکھاتے۔ لیکن مشرکین کئی معجزے دیکھ چکے تھے اور انکار کر چکے تھے آخر انہوں نے کہا کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان جائے تو بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر انہوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے ایک خط لے آئے لیکن اگر آپ ایسا بھی کرتے تو وہ ایمان لانے والے نہیں تھے کیونکہ وہ پہلے بہانہ تراشی اور ہٹ دھرمی میں مشہور ہو چکے تھے اور اگر معجزہ کو دیکھ بھی لیتے تو فوراً کہتے تھے یہ کام جادو ہے اور یہ مرد جادوگر ہے اور اس جیسی تہمتیں لگاتے تھے۔

مذکورہ آیات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ پوری تاریخ آغاز بشر سے لے کر آج تک راہ حق کے لئے ایک مانع ہے انبیاء کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ ان کی قوم بہانہ تراشی اور ہٹ دھرمی میں مبتلا تھی۔

روایات میں بہانہ تراشی اور ہٹ دھرمی

ہم اس کتاب کی فصل نہم میں تعصب اور ہٹ دھرمی کو بیان کر چکے ہیں اب ہم روایات کی روشنی میں بیان کریں گے کہ لوگ کیسے اندھی تقلید کا شکار ہوجاتے ہیں اور بچوں جیسے بہانہ تراشی کرتے ہیں بعض افراد حق کو کبھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ بہانہ ڈھونڈتے ہیں بہت سارے لوگ اس برائی میں مبتلا ہوکر سعادت سے محروم رہتے ہیں اور بدبختی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْخَيْرُ عَادَةٌ و الشَّرُّ لَجَاجَة.[1]

نیک کام بتدریج عادت بنتے ہیں لیکن برے کام ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہیں۔

۲۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

إِيَّاكَ وَمَذْمُومَ اللَّجَاجِ فَإِنَّهُ يُثِيرُ الْحُرُوب.[2]

ہٹ دھرمی سے بچو کیونکہ یہ جنگ کا باعث ہے۔

اس روایت میں مظلوم کلمہ ذکر ہوا ہے جسے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی انسان نیکی کے کاموں میں بھی اصرار کرتا ہے اور اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

جِمَاعُ الشَّرِّ اللَّجَاجُ وَ كَثْرَةُ الْمُمَارَاة.[3]

شر و فساد کا مرکز ہٹ دھرمی اور تعصب انگیز بحث ہے۔

بعض لوگ اجتماعی مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں بعض لوگ ہٹ دھرمی کی وجہ سے اور بعض جہل و نادانی کی وجہ سے اچانک ان کے درمیان جھگڑا ہوجاتا ہے جس سے دونوں گروہ بغیر ہدف کے لڑتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر وہ تھوڑا یہ سوچتے تو اس فساد عظیم سے بچ جاتے۔

۴۔حضرت علی علیہ السلام اس بری عادت کی مذمت کے بارے میں فرماتے ہیں:

خَيْرُ الْأَخْلَاقِ أَبْعَدُهَا عَنِ اللَّجَاج.[4]

بہترین اخلاق وہ اخلاق ہے جو ہٹ دھرمی سے دور ہو۔

۵۔آپؑ ہی فرماتے ہیں:

لَا مَرْكَبَ أَجْمَحُ مِنَ اللَّجَاجِ.[5]

---

[1] اساس البلاغہ صفحہ ۴۳۸

[2] تصنیف غرر الحکم و درر الکلم/464/بعض آثارھا.....ص: 464

[3] تصنیف غرر الحکم و درر الکلم/463/ذمھا.....ص: 463

[4] تصنیف غرر الحکم و درر الکلم/463/ذمھا.....ص: 463

[5] عیون الحکم و المواعظ (للیثی)/540/الفصل الثانی بلفظ النفی.....ص: 531

ہٹ دھرمی سے بڑھ کر کوئی سرکش سواری نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہانہ تراشی انسان کو ایسی وادی میں لے جاتی ہے جس کی وہ امید بھی نہیں کرتے کبھی جھوٹ کبھی تکبر کبھی دھوکا۔

۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے معلم خضرؑ سے جدا ہوں تو انہوں نے نصیحت کی حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت یہ تھی:

إِيَّاكَ وَ اللَّجَاجَةَ أَوْ أَنْ تَمْشِيَ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ أَوْ أَنْ تَضْحَكَ مِنْ غَيْرِ عَجَبٍ وَ اذْكُرْ خَطِيئَتَكَ وَ إِيَّاكَ وَ خَطَايَا النَّاسِ.[1]

بہانہ جوئی سے پرہیز کرنا، وہ جن کی تمہیں حاجت نہیں ان کے قریب نہ جانا، بے وجہ ہنسنا نہیں، اپنے خطاؤں کو یاد رکھنا اور لوگوں کی خطاؤں کو بھول جانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی کا کوئی خاص ہدف نہیں ہوتا اور نہ ہی عقل و منطق کے مطابق۔

۷۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو ہٹ دھرمی کرتا ہے:

وَ مَنْ لَجَّ وَ تَمَادَى فَهُوَ الرَّاكِسُ الَّذِي رَانَ اللهُ عَلَى قَلْبِهِ وَ صَارَتْ دَائِرَةُ السَّوْءِ عَلَى رَأْسِه.[2]

جو شخص بہانہ جوئی و عہد شکنی کرے وہ شخص ہے جس کے دل پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور زمانے کے حوادث اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔

ان کے علاوہ اس برے اخلاقی مرض کو بیان کرنے کے لئے بہت سی روایات ہیں جن میں سے ہم نے بعض کی طرف اشارہ کیا ہے ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے اتنی بری اخلاقی بیماری ہے کہ انسان کو بدبخت بنا دیتی ہے اور حق سے دور اور باطل کے نزدیک کر دیتی ہے اور اس کا بہت برا انجام نکلتا ہے۔

---

[1] الامالی (للصدوق) / النص / 323 / المجلس الثانی و الخمسون۔ بحار الانوار (ط-بیروت) / ج 13 / 294 / باب 10 قصة موسى عليه السلام حين لقي الخضر و سائر قصص الخضر عليه السلام و أحواله..... ص: 278

[2] شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد / ج 17 / 141 / 58 و من كتاب له عليه السلام كتبه إلى أهل الأمصار يقص فيه ما جرى بينه و بين أهل صفين..... ص: 141

بہانہ جوئی کے عوامل

اس بری عادت کا سر چشمہ جہالت اور نادانی ہے عاقل اور متفکر افراد ہمیشہ عقل ومنطق کے طابع ہوتے ہیں اور استدلال کو قبول کرتے ہیں لیکن جہل اور نادان افراد آسانی سے اپنی عادت کو نہیں چھوڑتے ہیں اور ان کے سامنے استدلال کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس کا ایک عامل یہ ہے کہ سرزنش کا اثر نہیں ہوتا اگر کوئی غلط کام کرتا ہے تو اس کی سرزنش کرتے ہیں اگر یہ سرزنش محبت سے ہو تو حق کی طرف بازگشت ممکن ہے لیکن اگر یہ سرزنش حد سے زیادہ ہو جائے تو اکثر لوگ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی کام غلط انجام نہیں دیا اور وہ اپنی بات چلاتے ہیں آہستہ آہستہ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ انہوں نے اچھے کام انجام دیئے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں:

الْإِفْرَاطُ فِي الْمَلَامَةِ يُشِبُّ نِيرَانَ اللَّجَاجَةِ. [1]

زیادہ سرزنش کرنے سے ہٹ دھرمی کی یاد شعلہ ور ہوتی ہے۔

اس صفت کا تیسرا عامل احساس حقارت ہے حقارت کی وجہ سے لوگ دوسروں کے دباؤ میں نہیں رہتے اور اپنی شخصیت کو ثابت رکھنے کے لئے دوسروں کی بات نہیں سنتے ہیں وہ منطقی کلام کو قبول نہیں کرتے اور اپنی باطل پر ڈٹے رہتے ہیں حالانکہ بعض افراد منطق ودلیل کے سامنے سر تسلیم ہوتے ہیں اور ہرگز گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔

ضعیف ارادہ اور کم ظرفی بہانہ جوئی اور ہٹ دھرمی کے لئے چوتھا عامل شمار ہوتا ہے یہ ظاہر ہے اگر کوئی شخص بہت مدت تک اشتباہ میں رہے تو وہ اپنے اشتباہ پر اچھائی کو قبول نہیں کرتا اس کے لئے قوی ارادہ اور شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔

پانچواں عامل آرام طلبی ہے کیونکہ ایسے راستے کو چھوڑنا آسان نہیں جس پر انسان کافی مدت تک گامزن رہے یہ سب عوامل وہ بہانہ تراشی کی عادت کے لئے ذکر کر سکتے ہیں۔

اس بری عادت کے منفی آثار کسی پر مخفی نہیں ہے کیونکہ ایک طرف انسان مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے جس طرح

---

[1] عیون الحکم و المواعظ (للیثی)/22/الفصل الأول مما أوله الألف و اللام.....ص:17

بنی اسرائیل کی گائے کی داستان ہے انہوں نے اپنی مشکل کو خود زیادہ مشکل بنایا یہاں تک کہ اس گائے کی صفات کے بارے میں اعتراض کرتے رہے جس کے ذریعے انہیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑی حدیث میں ہے کہ سب سے مل کر گائے کو خریدنے کے لئے مال جمع کیا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور فریاد کرنے لگے اور کہنے لگے اے موسیٰ ہمارا قبیلہ فقیر ہو گیا ہے اور گدھائی کرنے لگا ہے یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے محبت کی اور انہیں دعا سکھائی تا کہ ان کی مشکلات حل ہو جائیں۔

درک واقعیت سے محروم ہونا انسان کے تکامل کے لئے زمینہ ساز ہے اس بری عادت کے منفی آثار میں سے ہیں کیونکہ ہٹ دھرمی اور بہانہ تراشی انسان کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں اور حقائق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ترقی و تکامل سے محروم رہتا ہے۔ لوگ عام طور پر ہٹ دھرم اور بداخلاق لوگوں سے متنفر ہوتے ہیں اور ان کی مدد کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ اجتماعی کاموں میں انعطاف پذیری کی ضرورت ہوتی ہے اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں چلتا اس قسم کے افراد معاشرے میں نادان مشہور ہوتے ہیں جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَنْ نَازَعَ فِي الرَّأْيِ وَخَاصَمَ شُهِرَ بِالْعَثَلِ مِنْ طُولِ اللَّجَاجِ.[1]

جو شخص اپنے اعتقاد کا دفاع ہٹ دھرمی سے کرتا ہے وہ معاشرے میں نادان مشہور ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا یہ بری عادت انسان کو خدائی مخلوق اور حتیٰ کہ آپ کو اپنے سے دور کر دیتی ہے جب تک یہ خامی انسان سے نہیں نکلتی وہ معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔

پائیداری اور ہٹ دھرمی میں فرق

جو شخص خیر اور حق کے راستے کا راہی بن جائے تو اس نے ایک بہترین کام انجام دیا ہے یہ وہ فضیلت اور صبر و استقامت ہے کہ جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لیکن اگر شخص ناحق اور باطل اختیار کریں وہ اپنی غلطی کی اصلاح نہیں کرتا بلکہ مخالفین کو غلط سمجھتا ہے۔

---

[1] الكافي (ط - الإسلامية) / ج 2 / 392 / باب دعائم الكفر و شعبه ..... ص : 391. مرآة العقول في شرح أخبار آل الرسول / ج 11 / 148 / الحديث 1 ..... ص : 139

ہٹ دھرمی کا علاج

ہم جانتے ہیں کہ اخلاقی اورنفسیاتی بیماریوں کا علاج، عام طور پر دوطریقے ہیں:

ا۔ پہلا علمی ہے اوراسے بداخلاقی کے انجام دینے سے منفی آثار ہوتے ہیں یعنی انسان خدااورمخلوق سے دور ہو جا تا ہے راہ تکامل بند ہو جاتی ہے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بہانہ تراشی ایمان سے سازگار نہیں ہے۔جس طرح کہ روایت ہے:

سِتَّةٌ لا تَكُونُ فی الْمُؤمِنِ

قِيلَ وَ ما هِیَ؟

قالَ الْعُسْرُ وَ النَّكَدُ وَ اللَّجاجَةُ وَ الْكِذْبُ وَ الْحَسَدُ وَ الْبَغْیُ.[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

چھ چیزیں اگر انسان میں پائی جائیں تو اس کا ایمان نہیں ہوتا ہے۔

پوچھا گیا: وہ چھ چیزیں کون سی ہیں؟

فرمایا: سخت گیر، بخل، ہٹ دھرمی، جھوٹ، حسد اور ظلم ہے۔

دوسرا طریقہ عملی ہے یعنی اگر کسی میں اس صفت کے مقدمات پائے تو فوراً حق قبول کر لینا چاہیے اور نصیحت کرنے والے کا شکر ادا کرنا چاہیے لیکن اگر ابتدا ہی سے وہ سختی کا مظاہرہ کرے تو ایک بات ہٹ دھرمی والی نہیں ہوتی۔ہٹ دھرم افراد کے ساتھ میل جول نہیں رکھنا چاہیے اوراس کے ساتھ بات نہ کریں بلکہ پہلے بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کریں تو وہ کیسے ایک بچے یا حیوان سے صرف حق کو قبول کرتے اگر شاگرد اشکال کرتا تو اسے دوست سمجھتے اوراس کا احترام کرتے تھے ریاکاری اور جہل و نادانی سے اصلاح نہیں کر سکتے۔

---

[1] بحار الأنوار، جلد 13، صفحه 272.

مَكْتُوبٌ فِي التُّوراتِ، الشُّكرُ مِنَ النِّعَمِ عَليكَ وَ اَنْعِمُ عَلى مَنْ شَكَرَكَ فَاِنَّهُ لا زَوالَ لِلنَّعماءِ اذا شُكِرَتْ، وَ لا بَقاءَلَها اِذا كُفِرَتْ.

توارات میں لکھا ہوا ہے کہ جو کوئی نعمت دیتا ہے اس کا شکر کرو اور جو تیرا شکر کرے تو اسے نعمت بخش دے کیونکہ اگر نعمتوں کا شکر کیا گیا تو زوال نہیں ہوتا اور اگر کفران نعمت کیا تو بقاء نہیں ملے گی۔

۳۔کفران نعمت اور شکر گزاری

اشارہ: شکر نعمت یعنی نعمت کی قدردانی ہے خاص زبان سے جو یا عمل سے لہٰذا کفران نعمت اور ناشکری یعنی نعمت کو ضائع کرنا اور انہیں حقیر سمجھنا یہ ایک اہم اخلاقی برائی ہے چاہیے اس کا تعلق اخروی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے ہو شکر گزاری سے معاشرے میں محبت تازہ ہوتی ہے حالانکہ ناشکری سے تعلقات قطع ہوتے ہیں اور انسانی معاشرہ جہنم کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے انسانی روح کے تکامل، سیروسلوک اور تزکیہ نفس کے لئے کفران نعمت بہت بڑا مانع ہے اس سے روح آلودہ ہوجاتی ہے دل ضعیف ہوجاتا ہے اور باطل کی روحانیت ختم ہوجاتی ہے۔

شکر منعم انسانی فطرت ایک امانت ہے اسے خداشناشی اور توحید پرستی کی راہ ملتی ہے بہت سارے علما نے عقیدت کی بحث میں سب سے پہلے ضرورت شناخت الٰہی پر تقیہ کرتے ہیں اس اشارے کے ساتھ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ وہ آیات قرآنی جو کفران نعمت کی مذمت اور شکر نعمت کی تعریف کرتے ہیں۔

تفسیر وخلاصہ

سب سے پہلی آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تذکرہ ہوا ہے فرماتے ہیں:

۱۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔[۱]

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں جتا دیا کہ اگر میرا شکر کرو گے تو میں یقیناً تم پر (نعمت کی) زیادتی کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھو کہ یقیناً میرا عذاب سخت ہے۔

۲۔ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ۔[۲]

اور جو شخص ناشکری کرتا ہے تو (یاد رکھے) میرا پروردگار یقیناً بے پروا اور سخی ہے۔

۳۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔[۳]

اور جس نے ناشکری کی تو (اپنا بگاڑا کیونکہ) خدا تو (بہرحال) بے پروا (اور) قابل حمد وثنا ہے۔

۴۔ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ۔[۴]

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائیں پھر اس کو ہم اس سے چھین لیں تو (اس وقت) یقیناً بڑا بے آس اور ناشکرا ہوجاتا ہے۔ (اور ہماری شکایت کرنے لگتا ہے) اور اگر ہم تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی، راحت وآرام کا ذائقہ چکھائیں تو ضرور کہنے لگتا ہے کہ اب تو سب سختیاں مجھ سے دفع ہوگئیں اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا (جلدی) خوش ہوجانے والا شیخی باز ہے۔

۵۔ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى

---

[۱] سورۂ ابراہیم: ۷

[۲] سورۂ نمل: ۴۰

[۳] سورۂ لقمان: ۱۲

[۴] سورۂ ہود: ۹، ۱۰

الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا.[1]

اور جب سمندر میں کبھی تم کو کوئی تکلیف پہنچی تو جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے غائب (غلا) ہو گئے مگر بس وہی (ایک خدا یاد رہتا ہے) اس پر بھی جب خدا نے تم کو چھٹکارا دے کر خشکی تک پہنچا دیا پھر تم اس سے مُنہ موڑ بیٹھے اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

۶۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ.[2]

(اے رسولؐ) کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنھوں نے میرے احسان کے بدلے ناشکری اختیار کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں جھونک دیا کہ سب کے سب جہنم واصل ہوں گے اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہے۔

۷۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ.[3]

خدا نے ایک گاؤں کی مثل بیان فرمائی جس کے رہنے والے ہر طرح کے چین و اطمینان میں تھے ہر طرف سے بافراغت ان کی روزی ان کے پاس چلی آتی تھی پھر ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا نے بھی ان کے کرتوتوں کی بدولت ان کو مزا چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کو اوڑھنا (بچھونا) بنا دیا۔

۸۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

[1] سورۂ بنی اسرائیل:۶۷

[2] سورۂ ابراہیم:۲۸،۲۹

[3] سورۂ نحل:۱۱۲

قَلِيْلٍ ﴿١٦﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ.[1]

اور (قوم) سبا کے لیے تو یقیناً خود انہی کے گھروں میں (قدرتِ خدا کی) ایک بڑی نشانی تھی (کہ ان کے شہر کے دونوں طرف) داہنے بائیں (ہرے بھرے) باغات تھے۔(اور ان کو حکم تھا کہ) اپنے پروردگار کی دی ہوئی روزی کھاؤ (پیو) اور اس کا شکر ادا کرو (دنیا میں) کیسا پاکیزہ شہر اور (آخرت میں) پروردگار سا بخشنے والا۔ اس پر بھی ان لوگوں نے منہ پھیرلیا (اور پیغمبروں کا کہا نہ مانا) تو ہم نے (ایک ہی بند توڑ کر) ان پر بڑے زوروں کا سیلاب بھیج دیا اور (ان کو تباہ کرکے) ان کے دونوں باغوں کے بدلے ایسے دو باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ تھے اور ان میں جھاؤ تھا اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم تو بڑے ناشکروں ہی کی سزا کیا کرتے ہیں۔

تفسیر و جمع بندی

یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت بنی اسرائیل سے کیا کہ جب بنی اسرائیل نے فرعون سے نجات پائی اور استقلال، عظمت، آزادی اور نعمتوں سے مالا مال ہوئے "لَاَزِيْدَنَّ" اس بات کی تاکید ہے کہ وعدہ الٰہی شکر گزار افراد کو زیادہ نعمتیں دینے کا وعدہ کرتا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کفرانِ نعمت کرنے والوں کے بارے میں نہیں فرماتا کہ میں تمہیں عذاب کروں گا بلکہ فرمایا کہ میرا عذاب سخت عذاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم بہت ہی مہربان ہے۔ حالانکہ نعمت کی ناشکری کرنے والوں کے لئے سخت عذاب کی سزا سنائی گئی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل اپنی ناشکری کی وجہ سے چالیس سال تک بیابان میں سرگردان رہے۔

دوسری آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے کہ جب انہوں نے وزراء کو تخت ملکہ بلقیس شام سے یمن لانے کے لئے کہا تو سلیمان کے ایک قریبی آدمی جن کے پاس کتاب کا علم تھا نے کہا: ''میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو لے آتا ہوں سلیمان اس شخص کے اس عمل سے بہت خوش ہوئے چونکہ درمیان میں ایسی معنوی قدرت کے افراد موجود ہیں وہ ایسے کام انجام دے سکتے ہیں پھر اس نے کہا:

---

[1] سورۂ سبا: ۱۵ تا ۱۷

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ.

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں جتا دیا کہ اگر میرا شکر کرو گے تو میں یقیناً تم پر (نعمت کی) زیادتی کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھو کہ یقیناً میرا عذاب سخت ہے۔

قابل غور نقطہ یہ ہے کہ شکر گزار افراد کی جگہ ذکر ہوئی ہے لیکن کفران نعمت کرنے والوں کی سزا مستقل طور پر بیان نہیں ہوئی فرماتا ہے جو شخص کفران نعمت کرے میرا پروردگار بے نیاز وکریم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات بہت ہی کریم اور مہربان ہے اس سے یہ نقطہ بھی ملتا ہے کہ خداوند عالم نے کفران نعمت والوں کو ڈرایا اور شکر گزاری کرنے والوں کو دعوت دیتا ہے یہ اس لئے نہیں کہ وہ خرچ کرتا ہے بلکہ وہ تو بعض اوقات ناشکری میں بھی لطف وکرم کرتا ہے تا کہ لوگ بیدار ہو جائے اور خدا کی نعمتوں سے محروم نہ رہے جائیں۔ اصولاً تمام وظائف الٰہی کا نتیجہ بندوں کی طرف جاتا ہے ان کی تربیت کی کلاس ہے ورگرنہ خدا کی ذات غنی ہے نہ بندوں کی اطاعت اسے منفعت پہنچاتی ہے اور نہ ہی گناہ سے اس کی کبریائی میں کمی آتی ہے۔

تیسری آیت میں لقمان حکیم نے کہا خدا فرماتا ہے:

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ ؕ وَمَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ.[1]

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (اور حکم دیا تھا کہ) تم خدا کا شکر کرو۔ اور جو خدا کا شکر کرے گا وہ اپنے ہی (فائدہ کے) لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو (اپنا بگاڑا کیونکہ) خدا تو (بہر حال) بے پروا (اور) قابل حمد وثنا ہے۔

خداوند عالم نے لقمان کو جو حکمت سکھائی وہ تمام افراد کو شامل ہے حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں اور وہ خدا ایک معنوی نعمت ہے یہاں دو قابل ذکر نقاط ہے۔

(۱) شکر گزاری فعل مضارع کی صورت میں ذکر ہوئی ہے اور کفران نعمت فعل ماضی کی صورت میں بیان ہوئی ہے۔

---

[1] سورۂ لقمان: ۱۲

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے تکامل اور قرب الٰہی کے لئے ہمیشہ کے شکر کرنا لازم ہے حالانکہ گناہ ناشکری صرف ایک لحظہ میں انسان کو بد بخت بنا دیتی ہے اور برے و دردناک نتائج نکلتے ہیں آیت میں دو صفت غنی وحمید (بے نیازی وحمد) ذکر ہوئے ہیں حالانکہ وہ آیت جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے اس میں دو صفات غنی وکریم بیان ہوئی ہیں اور یہ فرق شاید اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ خدا اپنے شکر گزار بندوں پر حال میں غنی و بے نیاز ہیں اور فرشتے اس کی ہمیشہ سے حمد وثنا کر رہے ہیں اگر چہ وہ حمد وثنا کا بھی محتاج نہیں ہے۔

چوتھی آیت میں کم ظرف اور بے تقویٰ افراد کا ذکر ہوا ہے کہ ناشکری ان کا وطیرہ ہے خدا فرماتا ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝٩

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ.

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائیں پھر اس کو ہم اس سے چھین لیں تو (اس وقت) یقیناً بڑا بے آس اور ناشکرا ہوجاتا ہے۔ (اور ہماری شکایت کرنے لگتا ہے) اور اگر ہم تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی، راحت وآرام کا ذائقہ چکھائیں تو ضرور کہنے لگتا ہے کہ اب تو سب سختیاں مجھ سے دفع ہوگئیں اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا (جلدی) خوش ہوجانے والا شیخی باز ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں مذموم صفات مطلق ذکر ہوتی ہیں یہ اس مطلب کی طرف اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو بے تربیت، بے ایمان ہیں اسی وجہ سے ہم بعد والی آیات میں پڑھتے ہیں:

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ.[1]

مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور اچھے اچھے کام کیے (وہ ایسے نہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کے واسطے (خدا کی) بخشش اور بہت بڑی (کھری) مزدوری ہے۔

اس استثناء سے معلوم ہوجاتا ہے کہ انسان ناشکرا، ناامید، غافل اور مغرور ہے اور جو ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں اور صبر وعمل صالح انجام دینے والے ہوں اس چند آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کفران نعمت اور ناشکری انسان کو ایسی مشکلات میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ انسان مغفرت اور اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں یہ تعبیر کہ "ولئن اذقنا" ایک لطیف تعبیر ہے خدا فرماتا ہے کہ جب بے ایمان یا ضعیف الایمان کی نعمتوں میں اگر تھوڑی سی کمی واقع ہو تو وہ اظہار ناشکری کرنا شروع کر دیتے ہیں وہ ناامید ہوجاتے ہیں اور اگر انہیں کوئی نعمت مل جائے تو غرور کرنا شروع کر دیتے ہیں

---

[1] سورۂ ہود:١١

غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ جو کچھ ان کو ملتا ہے وہ دنیا کا بہت ہی ایک کم حصہ ہے کم دینا یا زیادہ خدا کی ذات بہتر جانتی ہے۔

پانچویں آیت میں ان افراد کا ذکر ہے جن کو جب کوئی مصیبت آتی ہے تو خدا کی پناہ لیتے ہیں اور اس کے کرم کی امید رکھتے ہیں۔ صرف خدا کو پکارتے ہیں لیکن جب یہ مصیبت ختم ہو جاتی ہے تو پھر بھول جاتے ہیں اور ناشکری کا اظہار کرتے ہیں خدا فرماتا ہے:

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا.

اور جب سمندر میں کبھی تم کو کوئی تکلیف پہنچی تو جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے غائب ہو گئے مگر بس وہی (ایک خدا یاد رہتا ہے) اس پر بھی جب خدا نے تم کو چھٹکارا دے کر خشکی تک پہنچا دیا پھر تم اس سے مُنہ موڑ بیٹھے اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

ہم اپنی زندگی میں ایسے افراد کو دیکھتے ہیں کہ جب بے ایمان یا ضعیف ایمان والے افراد کسی بلا و مصیبت میں اسیر ہو جاتے ہیں تو خدا کو خلوص دل کے ساتھ پکارتے ہیں تا کہ ان کی مصیبتیں دور ہو جائیں لیکن دور ہو جانے کے بعد وہ خواب غفلت میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ انہیں خدا کا اور زیادہ شکر بجالانا چاہئے۔

آگے قرآن مجید کی ایک بہت ہی لطیف آیت ہے ارشاد ہوتا ہے:

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا.

یا تم کو اس کا بھی اطمینان ہو گیا ہے کہ خدا پھر تم کو دوبارہ اسی سمندر میں لے جائے گا اس کے بعد ہوا کا ایک ایسا جھونکا جو (جہاز کے) پرخچے اڑا دے تم پر بھیجے پھر تمہیں تمہارے کفر کی سزا میں ڈبا دے پھر تم کسی کو (ایسا حمایتی) نہ پاؤ گے جو ہمارا پیچھا کرے (اور تمہیں چھڑائے)

یہ اس مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ تم کیسے ناشکری کا اظہار کرتے ہو اور کیسے مغرور ہوتے ہو تم جہاں بھی ہو خدا کی قدرت سے باہر نہیں۔ دریا میں پانی کی موجیں خدا کے حکم سے ہیں بحر و بر، خشک وتر، ریت کے ٹیلے خدا کے حکم سے اونچے نیچے ہیں خدا تمہیں دریا کی موجوں میں غرق کر سکتا ہے اور خشکی پر تمہیں زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ اس سے پہلے کی آیت میں دو کلمات استعمال ہوئے ہیں ''حسف'' خشکی میں زمین میں دھنس جانا اور ''غرق'' دریا کی موجوں میں

ہلاک کر دینا۔

ان آیت کے چھٹے حصے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ.

(اے رسولؐ) کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہوں نے میرے احسان کے بدلے ناشکری اختیار کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں جھونک دیا۔

ان تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفران نعمت کرنے سے ممکن ہے انسان دوزخ میں جائے جو اس کے لئے بدترین ٹھکانہ ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیت میں نعمت سے کیا مراد ہے؟

بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے کہ مشرکین نے ان کا انکار کیا (جو کہ کفران نعمت ہے) اور جہنم میں گئے۔

بعض نے تحریر کیا ہے کہ نعمت سے مراد اہل بیت علیہم السلام ہیں کہ جن کا بنی امیہ نے انکار کیا۔

لیکن اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت عموم پر دلالت کرتی ہے یعنی خدا کی سب نعمتوں کو شامل ہے۔بعض مفسرین جیسے فخر رازی مرحوم اور مرحوم طبرسی مجمع البیان میں مذکورہ آیات کے شان نزول میں لکھتے ہیں کہ ان سے مراد اہل مکہ ہیں کہ خدا نے انہیں بے شمار نعمتیں دیں جن میں ایک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بھی ہے انہوں نے کفران نعمت کیا اور سخت عذاب میں مبتلا ہوئے ان کا رسول کا انکار کرنا ان کا کفر تھا۔

آیت کے ساتویں حصے میں اس گروہ کا ذکر ہوا ہے کہ جن کو اللہ کی نعمتیں ملی تھیں جیسے امن کی نعمت، رزق و روزی اور دونوں نعمتیں جو انبیاء کے ذریعے انہیں ملی تھیں لیکن انہوں نے انکار کیا جن سے وہ نعمتوں سے محروم ہو گئے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے خداوند عالم فرماتا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ.

خدا نے ایک گاؤں کی مثل بیان فرمائی جس کے رہنے والے ہر طرح کے چین واطمینان میں تھے ہر طرف سے بافراغت ان کی روزی ان کے پاس چلی آتی تھی پھر ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا نے بھی ان کے کرتوتوں کی بدولت ان کو مزا چکھا دیا کہ بھوک اور خوف

کواوڑھنا (بچھونا) بنا دیا۔

ان آیات میں ایک خاص زمین کی طرف اشارہ ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سرزمین مکہ مراد ہے اس عبارت میں بھی اس سرزمین کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مکہ کی سرزمین ہی خشک و بیابان وصحراوالی ہے وہاں کسی قسم کی کوئی گھاس نہیں اس عبارت میں۔

یَأْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

پس مکہ کی سرزمین مراد ہوسکتی ہے کیونکہ حجاز کی سرزمین بدامنی کی جگہ بھی تھی لیکن خانہ کعبہ میں امن و امان تھا جب نعمتیں زیادہ ہوئیں اور دونوں نعمت یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اضافہ ہوا تو اہل مکہ نے ان مادی ومعنوی نعمت کا انکار کردیا تو قحط، بدامنی جیسی مصیبت میں اسیر ہوگئے اور یہ ناشکری کرنے والوں کا انجام ہوتا ہے۔

لیکن آیت کا جمع مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ ان تمام گروہوں کو شامل ہو جو مادی ومعنوی نعمتوں کا انکار کرنے والے ہیں اور اہل مکہ ان میں سے ایک مصداق ہے۔

آیات کے آٹھویں حصے میں ایک ناشکرترین قوم کا تذکرہ ہوا ہے یعنی قوم سبا مراد ہے اللہ نے انہیں بہترین نعمتیں عطا کی لیکن انہوں نے غفلت، غرور اور ہوس بازی جیسی بری صفات کی وجہ سے ان کا انکار کردیا لہٰذا خدا نے سب نعمتیں واپس لے لیں خداوند عالم فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

اور (قوم) سبا کے لیے تو یقیناً خود انہی کے گھروں میں (قدرتِ خدا کی) ایک بڑی نشانی تھی (کہ ان کے شہر کے دونوں طرف) داہنے بائیں (ہرے بھرے) باغات تھے۔(اور ان کو حکم تھا کہ) اپنے پروردگار کی دی ہوئی روزی کھاؤ (پیو) اور اس کا شکر ادا کرو (دنیا میں) کیسا پاکیزہ شہر اور (آخرت میں) پروردگار سا بخشنے والا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ خاک یمن وسیع وعریض اور زرخیز تھی وہاں کوئی دریا نہیں لہٰذا خاک کا کوئی خاص محصول نہیں اگتا تھا وہاں کے رہنے والوں نے یہ لکھا کہ پہاڑوں سے آنے والے پانی کو جمع کریں لہٰذا انہوں نے پانی کے ڈیم بنائے ان میں اہم ڈیم (سدماء ب) تھا بلق کے دو عظیم پہاڑوں کا پانی جمع ہوتا اس ڈیم کے پیچھے بھی پانی جمع تھا جس سے انہوں نے ڈیم کے ساتھ باغ بنائے اور آہستہ آہستہ قریبی گاؤں میں بھی آبپاشی کا نظام شروع ہوگیا اور کھیتی

باڑی کا سلسلہ شروع کیا گیا ہر طرف درخت اور سبزہ نظر آنے لگا بے شمار نعمتیں وجود میں آئیں۔ یہ علاقہ با امن اور نعمتوں کے لئے فراواں اور لوگوں کی زندگی اچھی ہوگئی خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بہترین موقع تھا۔

دوسری آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے وہ لوگ نعمتوں سے جب محروم تھے تو وہ وقت بھول گئے اور خدا کو آہستہ آہستہ بھول گئے اور کفران نعمت کرنے لگے ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے امیر و غریب کی تقسیم ہوگئی اور آخر برے انجام کو پہنچے۔

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ.

اس پر بھی ان لوگوں نے منہ پھیر لیا (اور پیغمبروں کا کہا نہ مانا) تو ہم نے (ایک ہی بند توڑ کر) ان پر بڑے زوروں کا سیلاب بھیج دیا اور (ان کو تباہ کر کے) ان کے دونوں باغوں کے بدلے ایسے دو باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ تھے اور ان میں جھاؤ تھا اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم تو بڑے ناشکروں ی کو سزا دیا کرتے ہیں۔

قرآن کی تعبیر کے مطابق وہ خدا سے دور ہو گئے خدا فرماتا ہے ہم نے ایسا سیلاب بھیجا جس سے وہ دو باغ بہہ گئے۔ درخت نابود ہو گئے پھل کا ذائقہ بدمزہ ہو گیا کفران نعمت کی انہیں یہ سزا ملی۔

بعض تاریخوں میں اس عجیب و غریب داستان کے بارے میں ملتا ہے: صحرائی چوہے نکل آئے اور چوہوں نے ان کفران نعمت کرنے والے مغرور لوگوں پر حملہ کر دیا جس سے ڈیم کی دیواریں بھی کمزور ہو گئیں اچانک شدید بارش آئی اور عظیم سیلاب آیا جس سے ڈیم کی دیواریں ٹوٹ گئی تھیں تمام محل، باغ، حیوانات اور کھیتیاں نابود ہو گئیں دوبارہ یہ آباد زمین بیابان و صحرا میں بدل گئی پرندے کوچ کر گئے لوگ ادھر ادھر پھیل گئے وہ جو کل ثروت مند تھے آج فقیر بن گئے اور در بدر دھکے کھا رہے تھے جی ہاں! یہ ہے ناشکری قوم کی بداعمالی کا نتیجہ۔

دلچسپ یہ ہے قوم سبط کے ثروت مند افراد شکایت کرتے تھے کہ ہماری آبادیاں کیوں ایک دوسرے کے قریب ہوگئی ہیں اور آنا جانا آسان ہو گیا ہے پہلے ہم آسانی سے سفر کرتے تھے اب ہمارے ساتھ فقرا بھی سفر کرتے ہیں لہٰذا انہوں نے خدا سے درخواست کی کہ ان کے درمیان خدا فاصلہ کر دے تا کہ وہ غریبوں کے ساتھ سفر کرنے سے بچ جائیں۔

ہاں! انہوں نے کفران نعت کا آخری درجہ اختیار کیا لہٰذا ان کی سزا بھی اعلیٰ درجہ کی تھی وہ اس طرح نابود ہوئے کہ لوگوں کے لئے ایک ضرب المثل بن کے رہ گئے۔

تَفَرَّقُوا أَيَادِي سَبَأ.[۱]

مذکورہ آیات میں کفران نعمت بطور مطلق بیان ہوئی ہے اور گزشتہ ناشکرا قوام کی حالت کو بیان کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفران نعمت اور ناشکری کتنی بری چیز ہے اور اس کے آثار کتنے خطرناک ہیں

روایات میں کفران نعمت

بہت سی روایات کفران نعمت اور ان کے خطرناک آثار پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَسْرَعُ الذُّنُوبِ عُقُوبَةً كُفْرَانُ النِّعْمَةِ.[۲]

وہ گناہ جس کا عذاب انسان کو جلدی لپیٹ میں لیتا ہے یہ کفران نعمت ہے۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

سَبَبُ زَوالِ النِّعَمِ الْكُفْرانُ.[۳]

کفران نعمت نعمتوں کے زوال کا باعث ہے۔

(۳) ایک اور حدیث میں آپؑ فرماتے ہیں کہ

كُفْرُ النِّعْمَةِ مُزِيْلُها وَ شُكْرُها مُسْتَدِيمُها.[۴]

ناشکری سے نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں اور شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۴) ایک اور حدیث میں آپؑ سے منقول ہے:

---

[۱] تاج العروس من جواہر القاموس/ ج 20 / 353 / [یدی]:.....ص: 351

[۲] بحارالانوار، جلد 66، صفحہ 70

[۳] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 121

[۴] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 627

كُفْرانُ النِّعَمِ يُزِلُّ الْقَدَمَ وَيَسْلُبُ النِّعَمِ.[1]

کفران نعمت سے انسان کے قدم لڑکھڑاتے ہیں اور نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

(۵) آپؑ ہی نے فرمایا:

آفَةُ النِّعَمِ الْكُفْرانُ.[2]

نعمتوں کی آفت ناشکری ہے۔

(۶) یہ حدیث بھی حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

كافِرُ النِّعْمَةِ كافِرُ فَضْلِ اللهِ.[3]

کفران نعمت کرنے والا درحقیقت فضل الٰہی کا منکر ہوتا ہے۔

(۷) عذاب الٰہی میں سے ایک عذاب یہ ہے کہ عذاب استدراجی آتا ہے۔ یعنی خدا بعض ظالم افراد کو جب عذاب دینا چاہتا ہے تو انہیں بہت زیادہ نعمتیں عطا کرتا ہے اور پھر فوراً نعمت کو سلب کر لیتا ہے تا کہ انہیں سخت عذاب کا احساس ہو۔

اس لئے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

نعمت استدراج سے خدا انسان کو غافل کرتا ہے۔

یعنی بندے کو نعمت دیتا ہے لیکن اس سے توفیق سلب کر دیتا ہے اور اچانک انسان زمین پر جا گرتا ہے۔

(۸) امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اَلذُّنُوبُ الَّتی تُغَيِّرُ النِّعَمَ الْبَغْيُ عَلَى النّاسِ وَالزَّوالُ عَنِ الْعادَةِ فِي الْخَيْرِ وَاصْطِناعُ الْمَعْرُوفِ، وَكُفْرانُ النِّعَمِ وَتَرْكُ الشُّكْرِ.[4]

وہ گناہ جس سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ لوگوں پر ظلم ۲۔ اچھے امور کی عادت کو بدلنا

---

[1] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 660

[2] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 98

[3] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 634

[4] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 375

۳۔کفران نعمت ۴۔ناشکری

(۹)حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

كُفْرُ النِّعْمَةِ لُؤْمٌ وَ صُحْبَةُ الأحمق شُؤْمٌ.[۱]

نعمت کی ناشکری پسی کی علامت ہے اور احمق سے دوستی مغلوب ہونے کا سبب ہے۔

(۱۰)امام جعفر صادق علیہ السلام عقل و جہل کے شکروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

خداوند عالم نے عقل کے لئے پچھتر (۷۵) شکر قرار دیئے اور ان کی ضد میں جہل کے شکر ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا:

وَالشُّكْرُ وَ ضِدُّهُ الْكُفْرَانُ.[۲]

عقل کا ایک لشکر شکر ہے اور اس کا مخالف جہل ہے۔

اوپر والی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے یہ اخلاقی برائی کتنی خطرناک ہے اور کتنے برے آثار ہوتے ہیں جو انسان کی اخروی واجتماعی زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں نعمت سے محروم ہوکر انسان زمین پر گرتا ہے توفیقات سلب ہوتی ہیں اور خدا سے دور اور شیطان کے نزدیک ہونے کا سبب ہے۔

چند نکات

ا۔معنی کفران نعمت:

کفر کا اصلی معنی کسی چیز کو چھپانا ہے جو ناشکرا شخص کوشش کرتا ہے کہ نعمتوں کی عظمت کو چھپائے اسے کفران نعمت کہا جاتا ہے کفران نعمت کبھی دل سے کبھی زبان اور کبھی عمل سے ہوتا ہے دل میں کفران نعمت یعنی نعمت کو اہمیت نہ دینا اسی طرح کفران زیاں یعنی نعمتوں کی اہمیت بھول جانا اور زبانی کلامی کہنا کہ نعمتوں کی کیا اہمیت ہے؟

---

[۱] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 630

[۲] بحارالانوار، جلد اول، صفحہ 110 (با تلخیص)

اور عمل میں نعمتوں کا عملی طور پر شکر نہ بجالانا اور عملی طور پر صحیح فائدہ نہ اٹھانا۔اسی وجہ سے علمائے اخلاق فرماتے ہیں۔

اَلشُّکْرُ صَرْفُ الْعَبْدِ جَمِیْعَ ما اَنْعَمَهُ اللهُ تَعالٰی فی ما خُلِقَ لِاَجْلِهِ.

نعمت کا شکر یہ ہے کہ خدا نے جو نعمت جس کے لئے دی ہے اسی طرح اس کا استعمال کرے۔

خدا نے آنکھ جائز چیزوں کو دیکھنے کے لئے عطا کی جب انسان نامحرم کو دیکھتا ہے تو یہ آنکھ کا غلط استعمال ہے اور عملی طور پر آنکھ جیسی نعمت کا کفران نعمت ہوتا ہے اسی طرح ہاتھ، پاؤں، زبان کو صحیح اور جائز کاموں کے لئے استعمال کرنا شکر ہے۔زبان، ہاتھ اور پاؤں سے گناہ نہ کیا جائے اگر گناہ کرتا ہے تو کفران نعمت ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

شُکْرُ النِّعْمَةِ اِجْتِنابُ الْمَحَارِمِ.[1]

نعمت کا شکر یہ ہے کہ انسان گناہوں سے بچے۔

۲۔کفران نعمت کا انجام

نعمت کی ناشکری کے معنوی اور مادی لحاظ سے برے آثار ہیں ایک طرف نعمت کا زوال ہو جاتا ہے خداوند عالم حکیم ہے وہ کسی کو کوئی چیز کو بغیر حساب و کتاب کے نہیں دیتا کفران نعمت یعنی زبان سے یہ اقرار کرنا کہ ہم اس نعمت کے لائق نہیں ہیں جب نعمت سے محروم ہوتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ خدایا! ہماری نعمتوں میں اضافہ فرما۔ہم اس کے لئے ایک مثال دیتے ہیں:

ایک باغ اور ایک مالی ہے باغ میں وہ درخت جو جلدی بڑھتے ہیں مالی ان پر زیادہ توجہ دیتا ہے لیکن جس درخت کا نہ پھل ہے اور نہ ہی وہ تیزی سے بڑھتا ہے، نہ پھول ہیں، نہ ان میں طراوت پائی جاتی ہے۔ایسے درختوں پر مالی توجہ نہیں دیتا۔

ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام اس طرح فرماتے ہیں:

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 95، حدیث 10 نور الثقلین، جلد 2، صفحہ 529.

مَنْ شَكَرَ النِّعَمَ بِجَنانِهِ اِسْتَحَقَّ الْمَزِيدَ قَبْلَ اَنْ يَظْهَرَ عَلَى لِسانِهِ.[۱]

جوشخص دل سے نعمت کا شکر ادا کرے اس سے پہلے وہ زبان سے شکر بجالائے۔

بعض روایات میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما اَنْعَمَ اللهُ عَلَى عَبْدٍ مِنْ نِعْمَةٍ فَعَرَفَها بِقَلْبِهِ وَ حَمِدَ اللهَ ظاهِراً بِلِسانِهِ فَتَمَّ كَلامُهُ حَتّى يُؤْمَرَ لَهُ بِالْمَزِيدِ.[۲]

جب انسان نعمت کو دیکھتا ہے تو اسے خدا کی حمد بجالانی چاہیے کیونکہ خداوند عالم نعمت میں اضافہ کا دستور فرمادیتا ہے۔

ناشکری سلب نعمت کا باعث ہوتی ہے ممکن ہے خداوند عالم سلب نعمت یعنی نعمت کو تاخیر سے دے جب کوئی نعمت دیر سے ملتی ہے تو بھی انسان ناشکری کرنا شروع کر دیتا ہے اور اگر انسان بیدار نہ ہوتو اسے ضرور عذاب ہوتا ہے کیونکہ اس میں خدا کی حکمت ہے کہ نعمت کو جلد عطا کرے یا تاخیر سے عطا فرمائے۔

دوسری طرف ناشکری سے انسان اللہ کی معرفت سے دور ہو جاتا ہے اور یہ ایک بہت ہی خسارہ ہے۔ علمائے اخلاق نے علم کلام میں سب سے پہلے اس بات کو شروع کیا انسان میں معرفت خدا کا عامل ہونا چاہیے اور مزید لکھتے ہیں کہ سب سے پہلا شکر کا عمل معرفت پروردگار ہے کیونکہ شکر گزاری خدا کی طرف سے ایک وجدانی امر ہے جب ایک انسان نعمتوں سے مالا مال ہوتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس کے وجود کے اندر و باہر جو نعمتیں موجود ہیں یہ اس کی اپنی نعمتیں نہیں ہیں بلکہ خدا کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ اس سے خدا کی معرفت کا فریضہ ہموار ہوتا ہے لیکن جو نعمت کو اہمیت نہیں دیتا اور نہ ہی نعمت عطا کرنے والے کو اہمیت دیتا ہے جس سے وہ نعمتوں سے محروم رہتے ہیں دوسری طرف خدا کی نعمتوں کی ناشکری اس بات کا سبب بنتی ہے کہ انسان مخلوق خدا کے سامنے بھی ناشکر ہوتا ہے۔

وہ صرف اور صرف دوسروں کی محبت و خدمت کا قائل نہیں بلکہ اپنے آپ کو دوسروں سے طلب گار سمجھتا ہے اس سے لوگوں میں اس کے بارے میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

---

[۱] مستدرک الوسائل، جلد 2، صفحہ 399

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 95، حدیث 9

ناشکری کے اسباب اور ان کا علاج

بعض اوقات انسان نعمتوں کا شکر اس لئے نہیں کرتا کہ وہ ان کی شناخت نہیں رکھتا بلکہ وہ انہیں نعمت الٰہی نہیں سمجھتا۔ اگر ہم اپنے بدن کی طرف نگاہ کریں اور دیکھیں کہ اللہ نے اس جسم میں کتنی نعمتیں رکھی ہیں انسان کے جسم میں دل، پھیپھڑے، جگر وغیرہ موجود ہیں جو اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیں اب اگر ان کی بجائے مصنوعی لگائیں تو وہ اصلی کی مانند کام نہیں کرتے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے خرچ کر کے اعضاء خریدے جاتے ہیں جبکہ اللہ نے سب کچھ مفت میں بطور نعمت عطا کیے ہیں۔

نعمت کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ہاتھ سے چلی جائے جسم میں تو اندرونی نعمتیں ہیں ان کے علاوہ بیرون یعنی جسم کے علاوہ دنیا میں بے شمار نعمتیں ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

پانی کے ایک گھونٹ کی قیمت دنیا کے برابر ہے بعض نے نقل کیا کہ

> ایک دن ایک عالم بادشاہ کے پاس گیا تو بادشاہ کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا جو وہ پینا چاہتا تھا بادشاہ نے عالم سے کہا: مجھے نصیحت کرو۔
>
> اس عالم نے کہا اگر تم سخت پیاسے ہو اور یہ پانی تجھ سے واپس لے لیا جائے تا کہ تم اس پانی کے بدلے میں حکومت سمیت تمام چیزیں دے دو تو تم اس وقت کیا کرو گے؟
>
> بادشاہ نے کہا: کوئی چارہ نہیں تمام چیزیں دے دوں گا۔
>
> عالم نے کہا: تجھے حکومت سے کتنی محبت ہے جبکہ اس کی قیمت پانی کے ایک گلاس کے برابر ہے۔

آپ بعض افراد کو دیکھتے ہیں جو مریض ہوتے ہیں اور مرض کی شدت سے تکلیف میں ہوتے ہیں اور موت کو ایک آسمانی عطیہ حساب کرتے ہیں کیا اس وقت سوچتے ہیں کہ اگر تمام دنیا اسے دی جائے تو اس کی بیماری کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہوگا لیکن اگر تمام دنیا اس سے لے لی جائے اور اسے صرف تندرستی دی جائے تو یہ اس کے لئے فائدہ مند ہو۔ انسان کے وجود میں ظاہراً بہت ہی کم نعمتیں موجود ہیں حالانکہ یہی نعمتیں جب سلب ہو جائیں تو زندگی خطرے

میں پڑ جاتی ہے اللہ نے منہ کے اندر لعاب رکھا جس کے اندغدود ہیں اور پانی پیدا کرتے ہیں جن سے زبان، گلہ، منہ اور لب نرم رہتے ہیں کھانا کھاتے وقت غذا کو چبانے میں مدد دیتا ہے غذا نرم ہوتی ہے اور ہاضمہ میں بھی وہ پانی مدد کرتا ہے۔

اگر ایک لمحے کے لئے یہ چشمہ بالکل بند ہو جائے تو انسان کے لب، گلا اور زبان لکڑی کی مانند خشک ہو جائیں گے۔ وہ بات کرنے کی قدرت نہیں رکھے گا ممکن ہے ایک لقمہ گلے میں پھنس جائے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے (یقیناً ایسا ہی گا کیونکہ لقمے کو حرکت دینے والا تر گلا اور متحرک زبان ہی تو ہیں جو کہ خشک ہوں گی) پس یہ چھوٹا سا چشمہ انسان کے لئے پوری دنیا سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔[۱]

ان کے علاوہ بے شمار نعمتیں ہیں جیسے سورج، ہوا، زمین، سبزہ، سواریاں جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا ؕ.[۲]

اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہتے ہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

بعض ایسی نعمتیں جو انسان سے کبھی بھی سلب نہیں ہوتی ہیں لیکن ہماری ان کی طرف توجہ نہیں بہت سی نعمتیں ناشناخت رہ جاتی ہیں خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت کشش ثقل ہے اگر یہ نعمت نہ ہوتی آج ہمارے گھر، محل، زراعت اور درخت تھوڑی سی ہوا آنے سے گر جاتے حتیٰ کہ ہوا آنے سے دسترخوان غذا سمیت اڑ جاتا۔ دریا کا پانی فضا میں پھیل جاتا ہے اگر کشش ثقل نہ ہوتی زمین بیابان وصحرا نظر آتی اب اندازہ کریں کہ اگر ہم تمام زندگی اس نعمت کا شکر ادا کریں تو بھی ہم نہیں شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

اسی طرح معنوی نعمتیں یعنی انبیاء وائمہ علیہم السلام اور نزول کتب آسمانی جو کہ مادی نعمتوں سے افضل ہیں پس معلوم

---

[۱] اس موضوع پر ایک کتاب اردو زبان میں ڈاکٹر محمد علی سید کی ''جسم کے عجائبات'' کے نام سے موجود ہے قارئین کرام کے لئے اس کا مطالعہ فائدہ مند ہوگا۔ (مجاہد حسین حرّ)

سورہ یٰسین کے آخری آیات کی تفسیر کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مفسر لکھتے ہیں کہ دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی ایک کافر نے قرآن کی آیت ''اگر اللہ تمہارے کنوؤں کا پانی خشک کر دے تم کیا کرو گے'' جواب میں کہا کہ ہم نئے کنوئیں کھود لیں گے اس کا یہ کہنا تھا کہ اس کی آنکھوں کا پانی خشک ہوگیا۔ میڈیکل سے تعلق رکھنے لوگ ہی جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلنا چاہئے اب ایسا ہے کہ وہ آنکھوں کو کھلا رکھنا چاہتا ہے کھلا نہیں رکھ سکتا بند کرنا چاہتا ہے بند نہیں کر سکتا سونا چاہتا ہے سو نہیں سکتا دیکھ نہیں سکتا۔ یعنی اب اس کے پاس آنکھیں تو ہیں لیکن اس کے کسی کام کی نہیں ہیں بلکہ مستقل اذیت ہیں۔ (مجاہد حسین حرّ)

[۲] سورۂ ابراہیم: ۳۴

ہوا کہ خدا کا کتنا لطف و کرم ہے کہ اس نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اگر ہم ان چیزوں پر توجہ دیں ناشکری ختم کر کے شکر گزاری کی روح انسان میں زندہ ہوسکتی ہے یہ جان کر ہم ناشکری کا علاج ڈھونڈ سکتے ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ شکر گزاری کی پہلی راہ خدا کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا ہے۔

شکر گزاری کی دوسری راہ یہ ہے کہ ان افراد کو دیکھا جائے جو پست ترین انسان ہیں اس سے انسان میں شکر گزاری کی روح زندہ ہوتی ہے۔

شکر گزاری کی تیسری یہ ہے کہ اس مسئلہ پر غور کریں وقتی مصیبت و بلا انسان پر آتی ہے اسے شکر کرنا چاہیے کہ اس سے سخت مصیبت نہیں آئی۔[۱]

نقل ہوا ہے کہ کسی عالم کے پاس شکایت ہوئی اور کہا: میرے گھر میں چور آیا ہے اور سب کچھ لے گیا۔

عالم نے اس سے کہا: خدا کا شکر کرو اگر اس چور کی جگہ شیطان چور آتا تو وہ تمہارا ایمان بھی لے جاتا اس وقت تم کیا کرتے۔[۲]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

بات کرنا اور لکھنا کہ اصلی انسانی تمدن کی اساس ہے اگر خداوند عالم یہ دو چیزیں انسان کو نہ دیتا تو نہ بات کر سکتا تھا اور نہ ہی لکھ سکتا تھا۔

ہاں! خداوند عالم نے انسان کے اختیار میں زبان و دہن دیا جن کے ذریعے وہ کلام کرتا ہے اللہ نے انسان کو انگلیاں دی ہیں تا کہ قلم کو پکڑ کر لکھ سکے اور یہ دو نعمتیں نہ ہوتی تو انسان جانور ہوتا کیونکہ نہ بات کر سکتا اور اس کے پاس نہ علم ہوتا۔ جو شخص کفران نعمت کرتا ہے وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے کیونکہ خدا دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔[۳]

---

[۱] معراج السعادہ، صفحہ 810.

[۲] المحجۃ البیضاء، جلد 7، صفحہ 227

[۳] بحار الانوار، جلد 3، صفحہ 82 (با تلخیص).

حصول نعمت خدا اور شکر کا طریقہ

کفران نعمت کا مخالف شکران نعمت ہے۔شکر الٰہی کا معنی یہ ہے کہ دل و زبان اور عمل میں نعمتوں کی قدردانی کرنا، دل سے شکر یعنی معرفت خدا، اس کے سامنے سر تسلیم خم ہو اور ان کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی ہونا، زبان سے شکر یعنی ایسا کلام کرنا جس میں نعمتوں کی قدردانی اور شکرگزاری ہو عمل سے شکر یعنی عملی طور پر نعمت کا صحیح استعمال کرنا اللہ نے نعمت دے کر اس کا استعمال یعنی حلال وحرام بھی بیان فرمایا ہے۔

مفردات میں راغت رکھتا ہے: شکر کا یہ معنی ہے کہ نعمت کا تصور کرنا اور پھر اظہار کرنا۔بعض نے لکھا کہ شکر بروزن کشف تھا یعنی اظہار کرنا دابۃ شکور اس حیوان کو کہتے ہیں جیسے جتنا چارہ زیادہ دیں وہ بہت جلد ہی موٹا ہو جاتا ہے عین شکراء کا معنی یہ ہے: پانی سے بھرا ہوا چشمہ یعنی شکر؛ وجود انسان میں نعمت خدا کی یاد سے بھرا ہونا۔

شکر دو قسم کا ہوتا ہے:

ا۔شکر تکوینی ۲۔تشکر تشریعی

شکر تکوینی وہ ہے کہ ایسی چیزیں جن کے اختیار میں خدا کی خاطر ان کی حفاظت کریں ہے اور شکر کے نو کے لئے استفادہ کرتی ہیں جیسے پھول، درخت، پھل جو کہ مالی کی حفاظت میں ہوتا ہے تو پھول و پھل جیسی نعمت ملی ہے اور اس کی ناشکری یہ ہے مالی باغ کی حفاظت نہ کرے لہٰذا جو شخص نعمت خدا گناہ میں استعمال کرتا ہے وہ بطور تکوینی ناشکری کرتا ہے انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا کیونکہ یہ توفیق شکرگزاری، فکر، عقل، زبان، ہاتھ اور پاؤں کہ انسان ان کے ذریعے شکر قلبی ولسانی اور عملی انجام دیتا ہے یہ سب خدا کی نعمتیں ہیں اس شکر میں اعضاء کا استعمال کے لئے ایک اور شکر کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح مسلسل شکر کے لئے شکر ادا کرنا ہوتا ہے اسی لئے روایات میں ملتا ہے کہ سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ انسان خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاجزی کا اظہار کرے اب ہم بعض آیات و روایات کو ذکر کرتے ہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ

رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ.[۱]

اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے سمندر میں (چلنے والے بادبانی) جہاز ہیں جو گویا پہاڑ ہیں۔ اگر خدا چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو جہاز بھی سمندر کی سطح پر کھڑے (کے کھڑے) رہ جائیں۔ بے شک تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے واسطے ان (باتوں) میں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں

اسی جیسی تعبیرات قرآن میں اور جگہ بھی ذکر ہوئی ہیں۔ بعض اوقات آنکھ، کان اور عقل جیسی نعمتوں جو معرفت کے بہترین وسائل ہیں کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.[۲]

اور تم کو کان دیئے اور آنکھیں (عطا کیں) دل (عنایت کیے) تاکہ تم شکر کرو۔

قرآن مجید میں اس شکر گزاری والی فضیلت کا بہت ذکر ہوا ہے کہ اے لوگو! شکر کرو کبھی خدا فرماتا ہے: حقیقی شکر گزار بہت کم افراد ہیں حضرت داوٗد علیہ السلام کو اللہ یوں خطاب فرماتا ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ.[۳]

اے داوٗدؑ کی اولاد شکر کرتے رہو اور میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے (بندے) تھوڑے سے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ خدا کی شکر گزاری اس کی خوشنودی سے مشروط ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ.[۴]

شکر گزاری سے مربوط قرآن میں بہت سی آیات ہیں اور تقریباً ستر آیات اسی موضوع کے بارے میں ہے۔

---

[۱] سورۃ الشوریٰ: ۳۲، ۳۳

[۲] سورۂ نحل: ۷۸

[۳] سورۂ سبا: ۱۳

[۴] سورۂ زمر: ۷

سورۂ نساء آیت ۱۴۷ میں خداوندعالم فرماتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا.[1]

اگرتم نے خدا کا شکر کیا اور اس پر ایمان لائے تو خدا تم پر عذاب کر کے کیا کرے گا بلکہ خدا تو (خود شکر کرنے والوں کا) قدردان اور واقف کار ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حقیقی شکرگزاری کی جائے تو عذاب الٰہی بطور کلی ختم ہو جائے گا شکرگزاری خدا کے اوصاف میں سے ایک صفت ذکر ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے اس صفت میں خداوندعالم بندوں کے شریک ہے یعنی یہ صفت انسان اور خدا دونوں کی مشترک صفت ہے البتہ لوگوں کی خدا کے لئے شکرگزاری کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کی نعمتوں کو صحیح استعمال کرے اور خدا کی خوشنودی حاصل ہو اللہ کا شکرگزار یعنی وہ اپنے شکرگزار بندوں کی قدردانی کرتا ہے اور انہیں ثواب دیتا ہے۔

بعض آیات میں آیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنے سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے سورۂ اعراف کی آیت ۷۴ میں اقوام گزشتہ سے خداوندعالم فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ.

اور (وہ وقت) یاد کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد (زمین میں) خلیفہ (و جانشین) بنایا اور تمہیں زمین میں اس طرح بسایا کہ تم ہموار و نرم زمین میں (بڑے بڑے) محل اُٹھاتے ہو اور پہاڑوں کو تراش (تراش) کے گھر بناتے ہو تو خدا کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور روئے زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

اور اسی سورہ کی آیت ۶۹ میں فرماتا ہے:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

---

[1] سورۂ نسا:۱۴۷

کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پروردگار کا حکم تمہارے پاس تمہی میں کے ایک مرد (آدمی) کے ذریعے سے آیا کہ تمہیں (عذاب سے) ڈرائے۔ اور (وہ وقت) یاد کرو جب اس نے تم کو قومِ نوحؑ کے بعد خلیفہ (وجانشین) بنایا اور تمہاری خلقت میں بھی بہت زیادتی کردی۔ تو خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم دلی مرادیں پاؤ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نعمتیں فلاح و بہبود کا باعث بنتی ہیں۔

مختصر یہ کہ شکر گزاری تمام سعادتوں کے حصول اور برکات الٰہی کا سرچشمہ ہے اس سے انسان روز بروز خدا کے نزدیک ہوجاتا ہے لہٰذا تقویٰ حاصل کرنے کا عامل ہے۔

فلسفہ شکر گزاری

ممکن انسان ایک دوسرے کو نعمتیں دیں اور شکر گزاری کی امید رکھتے ہوں بعض شرائط میں اس کا نیاز مند ہوتا ہے خواہ روحانی طور پر نیاز مند ہو یا اجتماعی۔ لیکن خدا تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اگر تمام انسان کافر ہوجائیں تو اس کی عظمت میں کمی نہیں آتی۔ وہ بندوں کی شکر گزاری کا نیاز مند نہیں ہے جو شخص اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے چاہے دل سے ہو یا زبان اور یا عمل سے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نعمت کے لائق ہے اور خدا کے تمام احکام میں حکمت ہے بغیر دلیل سے وہ نہ کسی سے نعمت واپس لیتا ہے اور کسی کو نعمت عطا کرتا ہے لہٰذا جب انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے تو زبان حال کہتی ہے کہ وہ شکر کے لائق ہے اور حکمت خدا یہ ہے کہ نہ صرف اسے نعمت دیتا ہے بلکہ اس کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن ناشکرا انسان کا حال بتاتا ہے کہ وہ نعمت کے لائق نہیں اور خدا کی حکمت یہ ہے کہ وہ نعمت واپس لے لیتا ہے اگر انسان ایک دن شاکرین کی صفت رکھتا ہے اور دوسرے دن کافروں میں سے ہوتا ہے تو خدا فرماتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.[1]

یہ سزا اس وجہ سے (دی گئی) کہ جب کوئی نعمت خدا کسی قوم کو دیتا ہے تاوقتیکہ وہ لوگ خود

---

[1] انفال، آیہ ۵۳.

اپنی قلبی حالت (نہ) بدلیں خدا بھی اسے نہیں بدلے گا اور خدا تو یقینی (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔

آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ شکر نعمت سے دائمی نعمت ملتی ہے یا اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

بِالشُّكْرِ تَدُومُ النِّعَمُ.[۱]

شکر کرنے سے دائمی نعمت ملتی ہے۔

ایک اور جگہ آپؑ فرماتے ہیں:

ثَمَرَةُ الشُّكْرِ زِيادَةُ النِّعَمِ.[۲]

شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ شکر گزاری سے انسانی روح کی پرورش ہوتی ہے اس سے اسلامی معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے لوگوں میں ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

شکر گزاری سے معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اللہ اور مخلوق کے درمیان رابطہ محکم ہوتا ہے جتنی نعمتوں میں کیفیت و کمیت کے لحاظ سے شکر گزاری زیادہ ہوتی ہے اسی طرح نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے شکر منعم کے لئے معرفت نعمت ضروری ہے روز بروز انسان کے دل میں عشق پیدا ہوتا ہے۔

روایات میں شکر گزاری

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلطَّاعِمُ الشّاكِرُ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ كَاَجْرِ الصّائِمِ الْمُحْتَسِبِ وَ الْمُعافى الشّاكِرُ لَهُ مِنَ الْاَجْرَ كَاَجْرِ الْمُبْتَلِي الصّابِرِ وَ الْمُعْطى الشّاكِرُ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ كَاَجْرِ

---

[۱] شرح فارسی غرر الحکم، جلد ۳، صفحہ ۱۹۸۔

[۲] شرح فارسی غرر الحکم، جلد ۳، صفحہ ۳۲۸۔

اَلْمَحْرُومِ الْقَانِعِ.[1]

جو شخص غذا کھاتا ہے اور شکر خدا کرتا ہے اس کو روزہ دار شخص کا ثواب ملتا ہے جو تندرست شخص روزہ رکھتا ہے اس کو اس مریض کا ثواب ملتا ہے جو دکھ و درد سہتا ہے نعمت کے ہوتے ہوئے شکر کرنے والے کو اتنا اجر ملتا ہے کہ جتنا ایک صابر شخص کو ثواب ملتا ہے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَكْتُوبٌ فِي التُّوراتِ، اَلشُّكْرُ مِنَ النِّعَمِ عَلَيكَ وَ اَنْعِمْ عَلٰى مَنْ شَكَرَكَ فَاِنَّهُ لَا زَوالَ لِلنَّعماءِ اذا شُكِرَتْ، وَلا بَقاءَ لَها اِذا كُفِرَتْ.[2]

تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جو کوئی نعمت دیتا ہے اس کا شکر کرو اور جو تیرا شکر کرے تو اسے نعمت بخش دے کیونکہ اگر نعمتوں کا شکر کیا گیا تو زوال نہیں ہوتا اور اگر کفران نعمت کیا تو بقاء نہیں ملے گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ صرف خدا کا شکر بجا لانے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ انسان کا بھی کہ جب اس کا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ نعمت میں اضافہ کرے۔

۳۔ آپؑ ہی سے ایک روایت نقل ہوئی ہے:

ثَلَاثٌ لَا يَضُرُّ مَعَهُنَّ شَيءٌ، اَلدُّعاءُ عِنْدَ الْكَرْبِ، وَ الْاِسْتِغْفارِ عِنْدَ الذَّنْبِ، وَ الشُّكْرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ.[3]

تین چیزوں سے کبھی نقصان نہیں ہوتا:

۱ ________________ مصیبت کے وقت دعا

۲ ________________ گناہ کے بعد استغفار

۳ ________________ نعمت ملنے پر شکر۔

آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ نعمت کا شکر دعا اور استغفار کے ذکر ہوا لہٰذا نعمت کا شکر بھی بہت اہمیت کا

---

[1] اصول کافی، جلد ۲، صفحہ 94، حدیث ۱۔

[2] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 94، حدیث ۳۔

[3] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 94، حدیث ۷۔

حامل ہے۔

انسان تین حالتوں سے خارج نہیں:

۱۔ ______________________ مصیبت میں اسیر ہوتا ہے۔

۲۔ __________ یا اسے نعمت ملتی ہے اور وہ اس کی حفاظت کے بارے میں ڈرتا ہے۔

۳۔ ______________________ یا اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔

اس حدیث میں بہت ہی لطیف مطلب بیان ہوا ہے یعنی مشکلات کو دعا کے ذریعے دور کیا جاتا ہے گناہ کے آثار استغفار کے ذریعے مٹائے جا سکتے ہیں اور نعمت کو شکر گزاری کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اسی مطلب کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

نِعۡمَةٌ لا تُشۡكَرُ كَسيِّئةٍ لا تُغۡفَرُ.[۱]

جس نعمت کا شکر ادا نہ کیا جائے یہ اس گناہ کی مانند ہے جس کے بعد استغفار نہ کی جائے۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں اونٹ پر سوار تھے اچانک آپؐ اونٹ سے اترے اور سجدہ شکر بجا لائے جب اٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے تو اصحاب نے پوچھا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپؐ نے ایسا عمل کیا جو پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا:

نِعَمۡ اِسۡتَقۡبَلَنی جَبۡرَئیلُ فَبَشَّرَنی بِبَشارات مِن الله عزّ و جَل فَسَجَدۡتُ لِلّٰه شُكراً لِكُلِّ بُشرى سَجۡدَةً.[۲]

جی ہاں! جبرائیل میرے پاس آیا اور اس نے مجھے خدا کی طرف سے بشارت دی اور میں ہر بشارت کے لئے سجدہ شکر بجا لاتا ہوں۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام شکر کے لئے جامع و کامل دستور میں فرمایا:

إذا أَصۡبَحۡتَ وَ أَمۡسَيۡتَ فَقُلۡ عَشۡرَ مَرّاتٍ اَللّٰهُمَّ ما أَصۡبَحَتۡ بي مِنۡ نِعۡمَةٍ أَوۡ عافِيَةٍ مِنۡ دِينٍ أَوۡ دُنۡيا فَمِنۡكَ وَحۡدَكَ لا شَريكَ لَكَ، لَكَ الۡحَمۡدُ وَ لَكَ الشُّكۡرُ بِها

---

[۱] شرح فارسی غرر الحکم، جلد 6، صفحہ 170.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 98، حدیث 24.

عَلَیَّ یا رَبِّ حتّٰی تَرْضٰی وَ بَعْدَ الرِّضا.[۱]

صبح و شام ہوتے ہی دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں : خدایا! جو صبح کے وقت مجھے نعمت دی گئی، میرے دین و دنیا تجھ سے سلامتی میں ہے تو یکتا ہے اور تیرا شریک نہیں حمد و شکر صبر تجھ سے مخصوص ہے اس لئے کہ جو کچھ مجھے تو نے عطا کیا تا کہ تجھ سے راضی رہوں حتیٰ راضی ہونے کے بعد بھی حمد وثنا اور شکر کرتا ہوں۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا:

شُکْرُ النِّعْمَةِ اَمانٌ مِنْ تَحْلیلِها وَ کَفیلٌ بِتَأْییدِها.[۲]

اگر تو یہ عمل انجام دے گا تو جو نعمتیں تجھے اس دن و رات میں ملی ہیں تو ان کا شکر ادا کر رہا ہے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: نعمت کا شکر زوال نعمت سے مانع ہے بلکہ تائید کا سبب ہے۔

ایک اور روایت حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

شَرُّ النّاسِ مَنْ لا یَشْکُرُ النِّعْمَةَ وَ لا یَرْعی الْحُرْمَةَ.[۳]

لوگوں میں سے بدترین افراد وہ ہیں جو نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے اور احترام بھی نہیں کرتے۔

سیرت پیشواؤں میں شکرگزاری

قول، فعل اور تقریر معصومؑ کو حدیث کہتے ہیں یعنی اس طرح ان کا قول اور فعل ہمارے لئے حجت ہے اسی طرح عمل بھی حجت ہے جو کام کسی معصومؑ کے سامنے کیا جائے وہ سکوت اختیار کریں یعنی عمل کو دیکھ کر وہ کچھ نہیں کہتے تو اسے تقریر معصومؑ کہا جاتا ہے۔

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 98، حدیث ۲۸.

[۲] شرح فارسی غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 179.

[۳] شرح فارسی غرر الحکم، جلد 4، صفحہ ۱۷۰.

ہم چند روایات ونقل کرتے ہیں۔

ا۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ کے گھر تھے، عائشہ نے کہا:

آپؐ کیوں اس قدر زحمت وتکلیف کررہے ہیں حالانکہ خدا نے گزشتہ وآئندہ کے لئے آپ کوبخش دیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَّا اَکُونَ عَبۡداً شَکُوراً.

کیا میں خدا کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔[1]

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے خدا کا انگیزہ خدا کی نعمتوں کا شکر کرنا ہوتا ہے بہت سی روایات میں ملتا ہے کہ جب کبھی آپؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلَّا اَکُونَ عَبۡداً شَکُوراً.

کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔

۲۔ہشام بن احمر جوکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھےایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

میں امام علیہ السلام کے ساتھ تھا اور ہم مدینہ کے اطراف میں تھے میں نے اچانک دیکھا امام علیہ السلام سواری سے اترے اورسجدہ میں چلے گئے کافی دیر تک سجدے میں رہے پھرسجدے سے سر اٹھایا اور دوبارہ سواری پرسوار ہو گئے۔

میں نے عرض کیا! قربان جاؤں! آپؑ نے کافی طولانی سجدہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

اِنّيِ ذَکَرۡتُ نِعۡمَةً اَنۡعَمَ اللهُ بِها عَلَيَّ فَاَحۡبَبۡتُ اَنۡ اَشۡکُرَ رَبّي.[2]

مجھے خدا کی عطا کردہ نعمت یادآئی تو مجھے اچھا لگا کہ سجدہ شکر بجالاؤں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہمارے پیشوا نعمت ملنے پر ہرنعمت کا جداشکر کرتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب کسی کو نعمت ملے تو پیشانی سجدے کے لئے خاک پر رکھے اور خدا کا شکر بجالائے

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 95.

[2] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 98، حدیث 26.

اور اگر کسی سواری پر سوار ہے تو اُتر جائے اور سجدہ کرے۔[1]

۳۔آپؑ ہی سے منقول ہے کہ آپؑ نے ایک ابوبصیر نامی صحابی سے فرمایا: کبھی تم میں سے کوئی ایک گلاس پانی پیتا ہے اور خدا اسے اس کی خاطر جنت میں داخل کرتا ہے۔

پھر اپنے کلام کی تفصیل میں فرمایا: جب انسان پانی پینے کا ارادہ کرتا ہے اور ہونٹوں کے قریب لے جاتا ہے تو بسم اللہ پڑھتا ہے تھوڑا پانی پینے کے بعد وقفہ کرتا ہے چند گھونٹ پی کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے دوبارہ باقی پانی پیتا ہے لیکن پھر بھی تھوڑا پینے کے بعد اللہ کا شکر بجالاتا ہے حتیٰ تیسری بار بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے،

فَيُوجِبُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بِهَا الْجَنَّةَ.

اللہ تعالیٰ اس شخص پر جنت واجب کر دیتا ہے۔[2]

یاد رہے کہ پانی کے ایک گلاس کو تین مرتبہ پینا چاہیے اور ایک سانس میں نہیں پینا چاہیے لہٰذا انسان ایک مرتبہ بسم اللہ اور تین مرتبہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

شکر کیسے کرنا چاہیے؟

ہم شکر کی تعریف میں بیان کر چکے ہیں کہ

شکر گزاری یعنی نعمتوں کی قدر کرنا چاہے دل سے ہو، زبان سے یا عمل سے ہو اور

کفران یعنی نعمتوں کی قدر نہ کرنا بلکہ انہیں ضائع کرنا اور صاحب نعمت کی متوجہ نہ ہونا۔

بہترین شکر، شکر عملی ہے کیونکہ بہت سے انسان زبان سے شکر کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں جو اسراف کرتے ہیں یا بخیل ہوتے ہیں یا نعمتوں کے ذریعے دوسروں پر فخر کرتے ہیں یا مست ہو جاتے ہیں اور سرکشی کرتے ہیں وہ سب ناشکرے ہیں کفران نعمت کرتے ہیں۔

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 98، حدیث ۲۵.

[2] اصول کافی، جلد 2، صفحہ ۹۶، حدیث ۱۶.

بلکہ اس کے برعکس نعمت کی کفران نہیں کرتے ہیں آشکار و پنہاں خرچ کرتے ہیں جب انہیں نعمت زیادہ ملتی ہے تو تواضع وفروتنی کا اظہار کرتے ہیں مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہیں نعمتوں کو صحیح استعمال کرتے ہیں اور ضائع ہونے سے بچاتے ہیں ایسے لوگ شکرگزار ہیں اور ہمیشہ نعمت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

روایات میں شکر کے تینوں مراحل کی طرف بہت لطیف اشارہ ہوا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ بِنِعْمَةٍ فَعَرَفَها بِقَلْبِهِ فَقَدْ اَدّى شُكْرَها.[۱]

جسے خدا نعمت عطا کرتا ہے اور وہ اس کی معرفت رکھتا ہو تو اس نے شکر بجالایا۔

آپؑ ہی سے ایک اور حدیث میں نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے اپنے صحابی سے فرمایا:

ما اَنْعَمَ اللهُ عَلى عَبْدٍ بِنِعْمَةٍ صَغُرَتْ اَوْ كَبُرَتْ فَقالَ الْحَمْدُ لِلّهِ اِلّا اَدّى شُكْرَها.[۲]

جب خدا کسی کو چھوٹی یا بڑی نعمت عطا کرے اور وہ کہے الحمدللہ، اس نعمت کا وہ شکر بجالایا ہے حمد صرف زبانی نہ ہو بلکہ دل کی گہرائی سے ہو۔

تیسری حدیث بھی آپؑ سے منقول ہے کہ کسی صحابی نے آپؑ سے پوچھا کہ شکر کی معین حد ہے کہ جب انسان شکر کرے تو شاکر ہو۔

آپؑ نے فرمایا: ہاں

اس صحابی نے سوال کیا کہ وہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

يَحْمِدُ اللهَ عَلى كُلِّ نِعْمَةٍ عَلَيْهِ فى اَهْلٍ وَ مالٍ وَاِنْ كانَ فى ما اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ فى مالِهِ حَقٌّ اَدّاهُ.

اللہ جو نعمت عطا کرتا ہے اس کا شکر ادا کیا جائے چاہے وہ اہل خانہ یا مال میں سے ہو اور

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 96، حدیث 15.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 96، حدیث ۱۴.

اگر خدا کی طرف سے عطا ہونے کے بدل حق تھا (غریبوں کی مدد کرنا) تو اسے ادا کرے۔[1]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

شُكْرُ الْعَالِمِ عَلَى عِلْمِهِ، عَمَلَهُ بِهِ وَبَذْلُهُ لِمُسْتَحِقِّهِ.

عالم اپنے علم کا شکر ادا کرے یعنی اس علم پر عمل کرے اور دوسروں کو تعلیم دے۔[2]

اس میں شکر عملی کی طرف اشارہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد انجام دینا چاہیے یقیناً جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا یا دوسروں کو تعلیم نہیں دیتا وہ ناشکرا انسان ہے اور زبان حال میں کہتا ہے کہ میں اس نعمت کے لائق نہیں ہوں۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ عملی شکر افراد کے لحاظ سے مختلف ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

شُكْرُ اِلٰهِكَ بِطُوْلِ الثَّنَاءِ، شُكْرُ مَنْ فَوْقَكَ بِصِدْقِ الْوَلَاءِ، شُكْرُ نَظِيْرِكَ بِحُسْنِ الْاَخَاءِ، شُكْرُ مَنْ دُوْنَكَ بِسَيْبِ الْعَطَاءِ.[3]

تیرے پروردگار کا شکر یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی حمد و ثنا کی جائے اپنے سے اوپر والوں کا شکر یہ ہے کہ اس کے ساتھ صداقت سے رہنا ہم منصب کا شکر یہ ہے کہ اخوت و برادری کا خیال رکھا جائے آپ سے نیچے والوں کا شکر یہ ہے کہ انہیں ضرور عطا کریں۔

شکر عملی کی ایک مثال یہ ہے کہ جب شخص اپنے دشمن پر کامیاب ہو جائے تو اگر خطرہ نہ ہو تو جتنا ممکن ہو سکے اس معاف کر دینا چاہیے اور یہ کامیابی کا شکر ہے ایک مشہور حدیث میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِذَا قَدَرْتَ عَلٰى عَدُوِّكَ فَاجْعَلِ الْعَفْوَ عَنْهُ شُكْرًا لِلْقُدْرَةِ عَلَيْهِ.[4]

جب تم دشمن سے جیت جاؤ تو اسے معاف کر دو کیونکہ یہ جیت کا شکر ہے نعمتوں میں سے بعض کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی شکر کی بہترین مثال ہے۔

مولا امیر علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 96، حدیث ۱۲۔

[2] شرح غرر الحکم فارسی، جلد 4، صفحہ 160، حدیث 5667۔

[3] شرح غرر الحکم فارسی، جلد 4، صفحہ 158، حدیث 5653۔

[4] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حکمت 11۔

أَحسنُ شُكْرِ النِّعَمِ اَلْاَنعامُ بِهَا.

خدا کی عبادت اور اس سے دعا کرنا عملی شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے۔[۱]

بلکہ روایات میں ہے کہ عبادت کے لئے بہترین عمل شکر گزاری ہے حالانکہ جنت کی نعمتوں کے لالچ میں عبادت کا عمل تاجروں جیسی عبادت ہوتی ہے اور دوزخ سے ڈرنے کی وجہ سے عبادت کو بندوں سے ڈر کی عبادت کہا گیا ہے لیکن شکر کا عمل آزاد بندوں کی عبادت تعبیر ہوتی ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کا قول ہے:

اِنَّ قَوماً عَبَدوُهُ شُكْراً فَتِلْكَ عِبادَةُ الْاَحرارِ.[۲]

(یعنی) خبردار اے قوم! خدا کی شکر گزاری کرنا کیونکہ یہی آزاد لوگوں کی عبادت ہوا کرتی ہے۔

شکر گزاری کا عمل

شکر گزاری کی روح کیسے انسان میں محکم ہوتی ہے؟ اس کے مختلف طریقے ہیں سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں کی معرفت حاصل ہو جیسا کہ آپ جانتے ہیں انسان کا پورا وجود نعمتوں سے مالا مال ہے نعمت مادی و معنوی نعمت ظاہری و باطنی نعمت فردی و اجتماعی بیشتر فقہ علوم نے نعمت کی شناخت میں کافی مدد دی ہے جدید علوم سے بہت سی نعمتیں کشف ہو چکی ہیں ہم جانتے ہیں کہ آج ہمارے جسم میں لاکھوں سیل ہیں سب خدا کی عطا کردہ نعمتیں ہیں آج کشف ہو چکا ہے کہ ہمارے خون میں لاکھوں سیلز ہیں جو گلوبن کے نام مشہور ہیں جو انسان کے جسم میں داخل ہونے والے بے شمار جراثیم سے دفاع کرتے ہیں ایک دن میں ہر سانس دو نعمتیں ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے ہر سانس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے جدید علوم نے واضح کر دیا کہ صرف چار عناصر نہیں جو ہماری زندگی کا سبب ہے بلکہ ہزاروں عامل ہیں تا کہ زمین سے گندم اُگے اور انسان کی خوراک بنے۔

شکر گزاری کا دوسرا عامل یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے سے نیچے طبقے کو دیکھے کہ انہیں کتنی کتنی نعمتیں عطا ہوئی

---

[۱] شرح فارسی غرر الحکم، جلد 2، صفحہ 407.

[۲] بحار الانوار، جلد 75، صفحہ 69، حدیث 18.

ہیں۔حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی حارث ہمدانی کولکھا:

وَاَکْثِرْ اَنْ تَنْظُرَ اِلیٰ مَنْ فُضِّلْتَ عَلَیْهِ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ اَبْوابِ الشُّكْرِ.[۱]

اپنے سے نیچے کے طبقے پر نگاہ کرو کہ یہ خود ایک ابواب شکر ہے۔

حالانکہ بعض اپنے سے اونچے اور امیر طبقے کو دیکھتے ہیں جس سے شیطانی وسوسہ پیدا ہوتا ہے اور ناشکری کی روح ایجاد ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عہد نامہ میں مالک اشتر کو یوں خطاب کیا:

وَلا یَکُونَنّ الْمُحسِنُ وَ الْمُسیئُ عِنْدَكَ بِمَنْزِلَةٍ سَواء فَاِنَّ فی ذٰلِكَ تَزْهیداً لِاَهْلِ الْاِحْسانِ فِی الْاِحْسانِ وَتَدْریباً لِاَهْلِ الْاِسَائَةِ عَلَی الْاِسَائَةِ.[۲]

تیرے پاس نیک اور برے افراد برابر نہیں ہونے چاہیں کیونکہ اس سے نیک افراد اپنی نیکیوں میں راغب نہیں ہوں گے اور برے افراد کے گناہوں میں حوصلہ افزائی ہوگی۔

شکرگزاری صرف خالق ومخلوق کے درمیان نہیں بلکہ اگر کوئی انسان دوسرے کی خدمت کرتا ہے اور کوئی نعمت دیتا ہے اگرچہ دینے والا قدردانی کی خواہش نہ بھی رکھتا ہو لیکن پھر بھی نعمت لینے والے کو چاہیے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے۔زبان، قلب اور عملی طور پر اس کا شکریہ ادا کرے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ الْمُنْعِمَ مِنَ الْمَخْلُوقینَ لَمْ یَشْکُرِ اللهَ عَزّوجل.[۳]

جو کسی بندے کا شکر ادا نہ کرے وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

یہ جملہ "من لم یشکر المخلوق لم یشکر الخالق" اگرچہ یہ عبارت روایات میں نہیں آئی لیکن اس کا مفہوم اوپر والی روایت میں بیان ہو چکا ہے جب انسان انسان کا شکر ادا نہیں کرتا تو یہ دلیل ہے کہ اس کے وجود میں ناشکری پائی جاتی ہے ایسا شخص لوگوں کے لئے نعمتوں کا قائل نہیں ہوتا بلکہ کبھی اپنے آپ کو طلبگار سمجھتا ہے ایسا انسان خداوندعالم کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔انسانوں میں خدمت کرنا یعنی نعمتوں کا ردوبدل ہونا کبھی کبھار ہوتا ہے لیکن خداوندعالم

---

[۱] نہج البلاغہ، نامہ 69.

[۲] نہج البلاغہ، نامہ ۵۳.

[۳] عیون اخبار الرضا، جلد 2، صفحہ 24.

کی طرف سے ہر لحظہ نعمت مل رہی ہے سانس لینا وجود اور جسم کا سالم رہنا یعنی ہر گھڑی اللہ کی نعمت کا انسان محتاج ہوتا ہے مخلوق کا شکر درحقیقت خالق کا شکر ہے کیونکہ انسان ایک واسطہ ہے جس کے ذریعے نعمتیں ایک دوسرے کے پاس منتقل ہوتی ہیں لہٰذا جس نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا وہ انسان کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

بہرحال روایات میں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نعمت دے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جتنا شکر زیادہ ہوگا اتنا نعمت میں اضافہ ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اُشْكُرْ مَنْ اَنْعَمَ عَلَيْكَ وَاَنْعِمْ عَلٰى مَنْ شَكَرَكَ.[1]

جس نے تجھے نعمت دی ہو اس کا شکر کرو اور جو تیرا شکر کرتا ہے اسے زیادہ نعمت بخش دے۔

خداوند عالم نے قرآن میں صراحت کے ساتھ اس موضوع کو بیان فرمایا کہ شکر گزاری کرو اور اپنے شکر کے ساتھ قرار دیا خداوند عالم فرماتا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ.[2]

اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ سہ کے پیٹ میں رکھا (اس کے علاوہ) دو برس میں (جا کے) اس کی دودھ بڑھائی کی (اپنے اور) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی کہ میرا بھی شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا (بھی اور آخر سب کو) میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

یقیناً صرف ماں باپ کا حق ہماری گردنوں پر نہیں بلکہ ہر شخص جو معنوی یا مادی نعمت دے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

بعض معزز افراد میں دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات بہت کم خدمت کو بہت بڑی خدمت تصور کرتے ہیں اور اس کے بدلے بڑی نعمت دیتے ہیں ایک مشہور داستان ہے کہ ایک کنیز نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو پھولوں کا گلدستہ دیا تو

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 94.
[2] لقمان، آیہ 14.

آپؑ نے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ جب آپؑ سے پوچھا گیا کہ اتنے چھوٹے سے کام کے بدلے میں اتنا بڑا احسان؟ آپؑ نے فرمایا:

كَذا اَدَّبَنَا اللهُ.

اسی طرح خدا نے ہمیں ادب سکھایا ہے۔[۱]

ہم نے ایک مشہور داستان سن رکھی ہے کہ ایک دفعہ امام حسن وحسین علیہما السلام اور عبداللہ بن جعفر سفر کر رہے تھے اور قافلے سے پیچھے رہ گئے اور بیابان میں انہیں سخت پیاس لگی انہیں دور سے ایک خیمہ نظر آیا وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت تنہائی میں ہے اس عورت نے انہیں پانی پلایا اور پھر اس بوڑھی عورت کی ایک بھیڑ تھی جو اس نے ذبح کر کے انہیں کھانا کھلایا۔ آخر میں یہ تینوں شخصیات رخصت ہونے لگیں تو بوڑھی عورت سے کہا: اگر تو مدینہ آئی تو ہمارے پاس ضرور آنا ہو سکتا ہے ہم بھی تیرے اس خلوص ومحبت کا جبران کر سکیں۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد قحط اور خشک سالی آ گئی جس کی وجہ سے بیابان کے لوگوں نے شہروں کا رخ کیا اور لوگوں سے مدد کی درخواست کی۔ ایک دن امام حسن علیہ السلام نے اس بوڑھی عورت کو مدینہ میں دیکھا وہ گلی میں لوگوں سے مدد کی درخواست کر رہی تھی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اسے بلایا اور پوچھا: کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم تمہارے مہمان تھے اور تم نے ہماری بڑی خدمت کی تھی۔

بوڑھی عورت کو یاد نہیں تھا اس کے بعد امامؑ نے اسے کافی دینار اور بھیڑ بکریاں دیں اور پھر اسے امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا آپؑ نے بھی کافی مدد فرمائی پھر اسے عبداللہ بن جعفر علیہ السلام کے پاس بھیجا انہوں نے بھی دل کھول کر مدد کی۔

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

صارَتْ مِنْ اَغْنَى النّاسِ.

وہ ایک ثروت مندترین انسان بن گئی۔[۲]

اسی طرح ایک اور داستان ہے جو حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن کی داستان ہے۔

جنگ حنین میں بنی سعد قبیلہ کا ایک بہت بڑا گروہ مسلمانوں نے قیدی بنا لیا تھا اور اس میں حلیمہ کی بیٹی شیما بھی تھی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا آپؐ کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ آپؐ اٹھے اور اپنی عبا کو زمین پر پھیلایا اور شیما کو اس پر بٹھایا اور احوال پرسی کی آپؐ نے فرمایا: تو وہی ہے کہ جب میں تیری ماں کا دودھ پیتا تھا اور تو مجھ سے محبت کرتی

---

[۱] بحارالانوار، جلد 44، صفحہ 195۔ اس حدیث کی مانند ایک حدیث امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے۔ بحارالانوار، جلد 43، صفحہ 343.

[۲] نورالابصار محمد شبلنجی مصری (با اقتباس وتلخیص) بحارالانوار، جلد 43، صفحہ 348.

تھی شیما نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قبیلہ کے اسیروں کی رہائی کی درخواست کی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنا حصہ بخش دیتا ہوں۔

جب باقی مسلمانوں کو پتا چلا تو انہوں نے بھی معاف کر دیا لہٰذا تمام گروہ کو آزاد کر دیا گیا۔[۱]

اس عملی شکر گزاری کی مثالیں ہمارے پیشواؤں کی زندگی میں بہت زیادہ ہیں اسی طرح ایک اور داستان بیان ہوئی ہے کہ جن کا خلاصہ یہ ہے تاریخ میں ملتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پینے سے پہلے ثوبیہ نامی دایہ کا دودھ بھی پیا تھا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی اور آپؐ کی مالی حالت اچھی ہوئی تو آپؐ نے ثوبیہ کو بھی فراموش نہ کیا اور ہمیشہ آپؐ اس کی آخری زندگی تک لباس وغیرہ بھیجتے تھے ثوبیہ جنگ خیبر کے بعد دنیا سے رخصت ہوئیں۔[۲]

دلچسپ یہ ہے کہ تاریخ میں ملتا ہے کہ ثوبیہ ابولہب کی کنیز تھی اور جب اسے خبر ملی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اس نے خوشی میں اسے آزاد کر دیا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی دشمنی کے بعد جب ابولہب مرا تو اس کے اپنے بھائی عباس نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا: کیا حال ہے؟

ابولہب نے کہا: آگ میں ہوں لیکن پیر کے دن میرا عذاب کم ہو جاتا ہے میری انگلیوں سے پانی آتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے تھے اور میں نے ان کی ولادت میں ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔

---

[۱] اعلام الوری، صفحہ 126 و 127، سفینۃ البحار، مادہ "حلم"۔

[۲] سفینۃ البحار، جلد 1، ص 522 (واژہ ثوبیہ)۔

مَنْ ماتَ تائباً مِنَ الْغَيْبَةِ فَهُوَ آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَمَنْ ماتَ مُصِرّاً عَلَيها، فَهُوَ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ النّارَ.

جو شخص مرجائے اور اس نے غیبت کی ہو اور توبہ بھی کی تو وہ آخری شخص جنت میں جانے والا ہوگا اور جو شخص مرجائے اور کسی شخص کی غیبت کی ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو تو وہ دوزخ میں سب سے پہلے داخل ہونے والا ہوگا۔

۴۔غیبت

اشارہ

اس کتاب کی پہلی جلد میں اخلاق بطورکلی بیان ہوئے ہیں زبان کی آفات سے مبارزہ کے بارے میں بحث ہوتی ہے پہلا قدم اصلاح اخلاق، تہذیب نفس اور سیروسلوک الی اللہ بیان ہوا ہے اور ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی جزئیات پر بحث کریں گے ان میں سے ایک عیب کا مسئلہ ہے جو بدترین اور خطرناک ترین فساد اخلاقی شمار ہوتا ہے لوگوں کی ہتک، کشف اسرار شائع فحشا وغیرہ کے سبب سے اجتماعی زندگی میں خلل پڑتا ہے اعتماد عمومی سلب ہو جاتا ہے معاشرے میں متعدد فساد پیدا ہو جاتے ہیں لہٰذا اسلام نے اسے سختی سے منع کیا ہے اخلاقی کتابوں میں زبان ایک بدترین آفت ذکر ہوئی ہے۔

اس کی برائی سے بچے بغیر قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا اسلامی معاشرے کی روح اور سعادت سے محروم ہونا پڑتا ہے۔

شخص کی عدم موجودگی میں اس کے مختلف القابات سے پکارنا جو وہ پسند نہ کرتا ہو نقطہ مقابل غیبت ہے کہ جب کوئی آدمی نہ ہو اور اس کی نیکیوں کو یاد کرنا اور اگر کوئی غیبت کرے تو اسے روکے یا اس محفل سے اٹھ کر چلا جائے یہ ایک اچھی فضیلت ہے جن کے معاشرے پر بہت سے آثار و برکات ہیں لہٰذا قرآن مجید میں اس موضوع کی بڑی تاکید کی گئی

ہے۔

①۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ
وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ.[1]

اے ایماندارو! بہت سے گمانِ (بد) سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم تو ضرور اس سے نفرت کرو گے اور خدا سے ڈرو بے شک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

②۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ.[2]

ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی ہے۔

③۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.[3]

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے بے شک ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور خدا (اصل حال کو) خوب جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے ہو۔

④۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا
عَلِيْمًا.[4]

خدا (کسی کے) ہانک پکار کر بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا۔ مگر مظلوم ظالم کی برائیاں بیان کرسکتا ہے۔ اور خدا تو (سب کی) سُنتا (اور ہر ایک کو) جانتا ہے۔

---

[1] حجرات: ۱۲

[2] ھمزۃ: ۱

[3] النور: ۱۹

[4] النساء: ۱۴۸

تفسیر اور خلاصہ

پہلی آیت میں قرآن صراحت کے ساتھ تین چیزوں سے منع کر رہا ہے جو درحقیقت ایک دوسرے کے لئے علت ومعلول ہیں۔

پہلا یہ کہ بدگمانی دوسرا تجسس اور تیسرا غیبت کا انجام۔واضح ہے کہ بدگمانی سے انسان میں تجسس آتا ہے دوسرے کے احوال کے پیچھے اوران کے نقص وعیب ڈھونڈنے میں رہتا ہے۔لیکن قرآن کی اس آیت میں غیبت بدگمانی اور تجسس سے زیادہ اہم اخلاقی موضوع ہے خدا فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ

اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے۔کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم تو ضرور اس سے نفرت کرو گے اور خدا سے ڈرو بے شک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یہ دلیل درحقیقت ایک منطقی دلیل ہے جس میں غیبت کے تمام پہلو بیان ہوئے ہیں۔شخص غائب کو مردہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کے دین رابطہ کو اخوت و برادری کا ایک حصہ قرار دیا ہے اور غیبت کو بمنزلہ بھائی کے گوشت کے کھانے کے مترادف سمجھا گیا ہے جو کام وجدانی لحاظ سے جتنا ضعیف ہو اس سے انسان وحشت کھاتا ہے حتیٰ کہ سخت حالات میں یہ کام کرنے کے لئے تیار نہیں اس میں کئی نکات بیان کیے جاسکتے ہیں۔

غائب انسان مردہ کی مانند ہے کہ اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتا بے شک مردہ بھائی کا گوشت کھانا اس بات کا سبب ہے کہ جسم و جان سالم نہیں رہتی بلکہ مختلف بیماریوں کا سرچشمہ ہے لہٰذا غیبت کرنے والا آدمی اپنے حسد وکینہ کی آگ کو غیبت کے ذریعے وقتی طور پر خاموش کرتا ہے تو یقیناً جلد ہی وہ خود ذلیل وخوار ہوگا۔

غیبت کرنے والا انسان ضعیف و ناتوان ہے بزدل ہوتا ہے جس کی وجہ سے مردے پر حملہ کرتا ہے۔

جس طرح ایک مردہ خور انسان یا حیوان بیماری کے جراثیم پھیلانے کا سبب بنتے ہیں اسی طرح غیبت کرنے والا شخص بھی دوسروں کے گناہ ذکر کر کے مسلمان بھائیوں کے لئے فحشاء کا عامل ہوتا ہے خداوندعالم نے قرآن مجید میں مثال دے کر بہت لطیف نکات کی وجہ اشارہ فرمایا ہے۔خداوندعالم نے جملہ کو سوال سے شروع کیا ہے تا کہ انسان اپنے

دل سے جواب دے: کیا تم میں سے کوئی یہ دوست رکھتا ہے کہ وہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

بعض مقامات پر غیبت کرنا جائز ہے جیسے ظالم شخص اور دو مسلمان بھائیوں میں صلح کے وقت غیبت کرنا جائز تو ہے لیکن ایسے ہی جیسا کوئی انسان اضطرار کے وقت مردہ کھا سکتا ہے تا کہ زندہ رہ سکے مردار کھانے والے افراد سالوں میں نادر ہی پائے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس بری صفت سے تمام انسان پرہیز کرتے ہیں لیکن غیبت ایک ایسا رائج عمل ہے جس میں اکثر لوگ اسیر ہیں بلکہ سیر و تفریح کا ایک وسیلہ سمجھا جاتا ہے لوگ اکٹھے ہوتے تو دوستوں کی غیبت کرنا شروع کر دیتے ہیں گلہ و غیبت کرنا بعض لوگ اسے معمولی سمجھتے ہیں۔

دوسری آیت میں سخت تہدید ہوتی ہے ان افراد کی جو اس بری صفت میں اسیر ہیں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ.

ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی ہے۔

اس آیت میں لمزہ کا کلمہ لمز کے مادے سے ہے لمز بروزن رمز اور همزه همز کے مادے سے لیا گیا ہے همز بروزن لمز ہے یہ دونوں صیغہ مبالغہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ مفسرین کے درمیان ان دو کلمات کے معنی کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی غیبت کرنے والے بعض نے کہا کہ دونوں کے الگ الگ معنی ہیں ہمزہ یعنی غیبت کرنے والا لمزہ یعنی عیب نکالنا۔

بعض نے اس کے برعکس کہا ہے بعض نے ہمزہ کا معنی یعنی اشارہ سے عیب جوئی کرنا اور لمزہ یعنی زبان اور عمل سے عیب جوئی نکالنا لکھا ہے۔

بعض نے پہلے کا معنی آشکار عیب جوئی اور دوسرے کا معنی پنہانی عیب جوئی لکھا ہے۔

بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمزہ وہ شخص ہے جو کسی انسان کی موجودگی میں اس کی عیب جوئی کرے اور لمزہ یعنی جو عدم موجودگی میں عیب نکالے۔[۱]

بعض نے لکھا ہے کہ دونوں بری صفتیں جہل و غضب، تکبر سے مرکب ہیں کیونکہ ایک قسم دوسروں کو تکلیف دینا ہے اور دوسری قسم برتری حاصل کرنا ہے۔[۲]

یہ دونوں صفات منافقین کی ذکر ہوئی ہیں۔ کلمہ ویل جو آیت کے شروع میں آیا ہے قرآن مجید میں ۲۷ مرتبہ

---

[۱] روح البیان، جلد 10، صفحہ 58.

[۲] روح البیان، جلد 10، صفحہ 58.

ذکر ہوا ہے جس کا معنی ہلاکت ہے یہ کلمہ اور "وَيْلٌ" و "وَيْحٌ" سب انسان حسرت کی حالت کو بیان کرتے ہیں البتہ "ویل" برے کاموں اور دیس حقیر کاموں اور "ویح" مقام ترحم میں استعمال ہوتے ہیں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عیب جوئی بدترین اعمال میں ہے۔[1]

تیسری آیت بلا واسطہ اس گناہ کے مرتکب ہونے والوں کی سخت مذمت ہوئی ہے اور اس کے ضمن میں غیبت کا ذکر ہوا ہے کیونکہ گناہ اکثر غیبت یا تہمت کے ذریعے ہوتا ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے بے شک ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور خدا (اصل حال کو) خوب جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے ہو۔

البتہ آیت کا شان نزول ان منافقین کے بارے میں ہے جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ پر تہمت لگائی تھی درحقیقت آیات میں سے پہلی آیت میں مسئلہ حق الناس یعنی غیبت کا ذکر ہوا ہے اس میں بہت آثار وانجام کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

فاحشہ، فحش کے مادے سے ہے ہر وہ کام جو حد اعتدال سے خارج ہو تو ایسا کام فحش کہلاتا ہے لہٰذا یہ تمام برے اعمال کو شامل ہوتا ہے فحش عام طور پر روزمرہ مسائل میں سے جنسی مسائل میں استعمال ہوتا ہے جو ناموس کے بارے میں ہو لیکن ایسا نہیں بلکہ یہ کلمہ عام ہے اور بد اعمال کو شامل ہے سورۂ عنکبوت کی آیت ۴۵ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ.

(اے رسولؐ) جو کتاب تمہارے پاس نازل کی گئی ہے، اس کی تلاوت کرو اور پابندی سے نماز پڑھو بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے باز رکھتی ہے اور خدا کی یاد یقیناً بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو خدا اس سے واقف ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر فخر رازی، جلد 32، صفحہ 91.

یہ مفہوم عام ہے اسی آیت کے ضمن میں ایک حدیث ہے:

مَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا رَأَتْهُ عَيْنَاهُ وَ سَمِعَتْهُ أُذُنَاهُ فَهُوَ مِنَ الَّذِينَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

وہ شخص کہ کسی مومن کے (چھپے ہوئے) عیب کو دیکھے اور اسے دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرے یہ شخص انہی لوگوں میں سے ہے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے بے شک ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

یہ نکتہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ ایسے افراد کو دنیا و آخرت میں عذاب ہوتا ہے سب آخری بات جو مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ قرآن میں یہ نہیں ہے کہ جو لوگ فحش کرتے ہیں انہیں دنیا و آخرت میں عذاب ہوتا ہے بلکہ فرمایا کہ جو لوگ دوست رکھتے ہیں فحش برپا کرنے کو۔

چوتھی اور آخری آیت میں جواز غیبت کا ذکر ہوا ہے ظالم افراد کی غیبت جائز ہے جن کے مقابلے میں لوگوں کا ایک قسم کا احتجاج ہوتا ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا.

خدا (کسی کے) ہانک پکار کر بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا۔ مگر مظلوم ظالم کی برائیاں بیان کرسکتا ہے۔ اور خدا تو (سب کی) سُنتا (اور ہر ایک کو) جانتا ہے۔

جہل من العقول سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کا اظہار کرنا خواہ وہ شکایت کی صورت میں ہو یا غیبت و نفرین اور مذمت کی صورت ہو۔ لہٰذا وہ مظلوم جن پر ستم کیا گیا ہو وہ عالم کے سامنے اپنا دفاع کرسکتا ہے اس استثناء سے فائدہ نہ اٹھایا جائے کہ مظلوم کا بہانہ بنا کر ہر شخص دوسرے کی غیبت کرنا شروع کردے۔

روایات میں غیبت

اخلاقی کتب میں غیبت کی مذمت اور اس کے دردناک انجام کے بارے میں بڑی تاکید کی گئی ہے اور بہت سخت روایات ذکر ہوئی ہیں۔

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن خطبہ دے رہے تھے کہ گھروں سے ان عورتوں کی آواز آئی جن کے گھر نزدیک تھے تو آپؐ نے فرمایا:

یا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسانِهِ وَ لَمْ یُؤْمِنْ بِقَلْبِهِ لاتَغْتابُوا الْمُسْلِمینَ وَ لا تَتَبَّعُوا عوراتِهُمْ فَاِنَّ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَتَ اَخیهِ یَتَتَبَّعُ اللهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰی یَفْضِحَهُ فی جَوْفِ بَیْتِهِ.[۱]

اے وہ گروہ! جو صرف زبانی ایمان لائے ہو اور تمہارے دلوں میں ایمان نہیں ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کرو دوسروں کی عیب جوئی نہ کرو جو کسی مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرے خدا اس کے عیب کشف کردے گا حتیٰ ان کو گھروں میں رسوا کرے گا۔

۲۔ سود کی مذمت کے بارے میں آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا: سود کا ایک درہم چھتیس زنا سے بدتر ہے پھر فرمایا:

اِنَّ اَرْبَا الرِّبا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ.[۲]

بدترین سود یہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی ہو۔

اس قسم کی بہت سی روایات موجود ہیں زنا کار انسان توبہ کرنے سے بخشا جاتا ہے لیکن غیبت حق الناس ہے جب تک لوگ معاف نہ کریں خدا معاف نہیں کرتا۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] جامع السادات، جلد 2، صفحہ 303.

[۲] جامع السادات، جلد 2، صفحہ 303.

اَلْغَيْبَةُ حَرَامٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ اِنَّهَا لَتَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.[۱]

ہر مسلمان پر غیبت حرام ہے اس سے نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

۴۔ایک حدیث قدسی میں ہے کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کیا اور فرمایا:

مَنْ مَاتَ تَائِباً مِنَ الْغَيْبَةِ فَهُوَ آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَ مَنْ مَاتَ مُصِرّاً عَلَيْهَا فَهُوَ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ.[۲]

جوشخص مرجائے اور اس نے غیبت کی ہو اور توبہ بھی کی تو وہ آخری شخص جنت میں جانے والا ہوگا اور جوشخص مرجائے اور کسی شخص کی غیبت کی ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو تو وہ دوزخ میں سب سے پہلے داخل ہونے والا ہوگا۔

۵۔ایک اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ مَشَى فِي غَيْبَةِ اَخِيهِ وَ كَشْفِ عَوْرَتِهِ كَانَ اَوَّلُ خُطْوَةٍ خَطَاهَا وَضَعَهَا فِي جَهَنَّمَ.[۳]

جوشخص کسی مسلمان بھائی کی غیبت کرے اور عیب جوئی کرے اور کسی کے پنہانی عیب بیان کرنے کے لئے قدم اٹھائے تو گویا اس کا پہلا قدم دوزخ میں ہوتا ہے۔

۶۔ایک حدیث میں ہے:

مَا عُمِّرَ مَجْلِسٌ بِالْغَيْبَةِ اِلَّا خُرِّبَ بِالدِّينِ فَنَزِّهُوا اَسْمَاعَكُمْ مِنِ اسْتِمَاعِ الْغَيْبَةِ فَاِنَّ الْقَائِلَ وَ الْمُسْتَمِعَ لَهَا شَرِيكَانِ فِي الْاِثْمِ.[۴]

کوئی غیبت کرنے والی مجلس آباد نہیں ہوتی مگر یہ کہ دین کی نظر میں ویران ہو جائے گی

---

[۱] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 601، حدیث 18.

[۲] جامع السادات، جلد 3، صفحہ 305.

[۳] جامع السادات، جلد 3، صفحہ ۳۰۳.

[۴] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 259.

لہٰذا اپنے آپ کو غیبت سننے سے بچاؤ کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

۷۔ غیبت کے معنوی بربادی کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اِغْتابَ مُسْلِماً اَوْ مُسْلِمَةً لَنْ یَقْبَلَ اللہ صَلاتَهُ وَ لا صِیامَهُ اَرْبَعِینَ لَیْلَةً اِلّا اَنْ یَغْفِرَ لَهُ صاحِبُهُ۔[۱]

جو شخص کسی مسلمان مرد یا عورت کی غیبت کرتا ہے تو خداوند عالم چالیس دن تک اس کی نماز اور روزوں کی عبادت قبول نہیں کرتا ہاں! اگر جس کی غیبت کی ہو وہ خود بخش دے تو خدا قبول کرنے والا ہے۔

۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ رَوی عَلی مُؤْمِن رِوایَةً یُرِیدُ بِها شَیْنَهُ وَ هَدْمَ مُرَوَّتِهِ لِیَسْقُطَ مِنْ اَعْیُنِ النّاسِ، وَ اَخْرَجَهُ اللہ مِنْ وِلایَتِهِ اِلی وِلایَةِ الشَّیْطانِ فَلا یَقْبَلُهُ الشَّیْطانُ۔
[۲]

جو شخص کسی مومن بھائی کی غیبت کرے اور اس کا ہدف عیب جوئی بیان کرنا ہوتا کہ وہ لوگوں کی نظر میں گر جائے خدا اسے اپنی سرپرستی سے نکال کر شیطان کی سرپرستی میں بھیج دیتا ہے اور شیطان بھی اسے قبول نہیں کرتا۔

۹۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: آپؐ نے غیبت سے منع کیا اور فرمایا:

نَهی عَنِ الْغَیْبَةِ وَ قالَ مَنْ اِغْتابَ امْرَءً مُسْلِماً بَطَلَ صَوْمُهُ وَ نَقَضَ وَضُوئُهُ، وَ جاءَ یَوْمَ الْقِیامَةِ یَفُوهُ مِنْ فِیهِ رائِحَةٌ اَنْتَنُ مِنَ الْجِیفَهِ یَتَأَذّٰی بِهِ اَهْلُ الْمَوْقِفِ۔[۳]

جو شخص کسی مومن کی غیبت کرتا ہے اس کا روزہ اور وضو باطل ہوتے ہیں اور روز قیامت

---

[۱] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 258، حدیث 53.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 358، حدیث 1.

[۳] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 599، حدیث 13.

اس کے منہ سے بدبو آئے گی جو مردار سے بدتر ہوگی اور اہل محشر کو تکلیف ہوگی اور وہ ناراض ہوں گے۔

۱۰۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِیّاکَ وَ الْغَیْبَةَ فَاِنَّھا تُمَقِّتُكَ اِلَی اللهِ وَ النّاسِ، وَ تُحْبِطُ اَجْرَكَ. [۱]

غیبت سے پرہیز کرو تو یہ عمل خدا کی بارگاہ اور لوگوں میں مبغوض ہوتا ہے اور صالح اعمال کا اجر و ثواب بھی ضائع ہوجاتا ہے۔

قرآن و حدیث کے علاوہ عقل و اجتماع میں مسلمان کی غیبت حرام ہے کیونکہ عقلاً ایک ظلم ہے بعض مسائل کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔تعریف غیبت

علمائے اخلاق کے درمیان اس کے معنی کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

صحاح اللغۃ لکھتا ہے:

غیبت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے پوشیدہ عیب بیان کرتا پھرے یا ایسی بات کرے جس کو سن کر وہ ناراض ہوجائے۔

مصباح المنیر میں ہے:

کسی کے پوشیدہ عیوب کو فاش کرنا جس سے وہ ناراض ہوجائے۔

شیخ انصاری بعض بزرگ علما سے نقل کرتے ہیں:

روایات اور اجماع کی روشنی میں غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی دوسرے کی اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کرنا جس سے وہ ناراض ہوتا ہو۔ [۲]

اسی مضمون کی روایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

غیبت یہ ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات کرنا جس کو خدا نے پنہاں رکھا ہوا

---

[۱] شرح غرر الحکم، جلد 2، صفحہ 687، حدیث 2632.

[۲] مکاسب محرّمہ شیخ انصاری، صفحہ 41.

تھا اگر شخص کی عدم موجودگی بات کرنا غیبت اور اس کے سامنے کہنا اس کی اہانت ہے عیب بھی پنہانی ہوں اگر وہ عیب جو ہر آدمی جانتا ہے اور سب کے لئے آشکار ہوں وہ غیبت نہیں ہے اگر کسی اور عنوان سے حرام بھی ہو۔ پنہانی عیوب کے ظاہر ہونے سے شخص زیادہ ناراض ہوتا ہے بعض افراد کو جب غیبت سے منع کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ باتیں اس کے سامنے بھی کرتے ہیں تو یہ عذر گناہ سے بھی بدتر ہے کیونکہ کسی کے سامنے کہنا اس کی ہتک و اہانت ہے۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا نام لیا گیا تو حاضرین نے کہا: وہ ایک عاجز آدمی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی ہے۔

عرض کیا گیا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے اس کی صفت کو بیان کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

اِنْ قُلْتُمْ مَالَيْسَ فِيهِ فَقَدْ بَهَتُّمُوهُ.[۲]

ہر وہ بات جو کسی شخص میں نہ ہو، کہنا اس پر تہمت ہے۔

بعض افراد غیبت سے منع کرنے پر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ کیا یہ عیب فلاں میں نہیں پایا جاتا ہم کوئی جھوٹ بول رہے ہیں بعض لوگ غیبت کو جائز سمجھنے کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول سے تمسک کرتے ہیں:

مَنْ عامَلَ النّاسَ فَلَمْ يَظْلِمْهُمْ، وَحَدَّثَهُمْ فَلَمْ يَكْذِبْهُم، وَ وَعَدَهُمْ فَلَمْ يُخْلِفْهُمْ كَانَ مِمَّنْ حُرِّمَ غَيْبَتُهُ وَ كَمُلَتْ مُرُوَّتَهُ، وَ ظَهَرَ عِدالَتُهُ، وَ وَجَبَتْ اِخْوَتُهُ.[۳]

جو شخص لوگوں کے ساتھ روابط میں کسی پر زیادتی نہ کرے، اپنے قول وفعل میں لوگوں سے جھوٹ نہ بولے اور وعدہ خلافی نہ کرے ایسے شخص کی غیبت حرام ہے ایسا آدمی باشخصیت اور

---

[۱] وسائل الشّیعہ، جلد 8، ابواب احکام العشرہ، صفحہ 602.

[۲] محجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 256.

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 239، حدیث 28.

عادل ہوتا ہے اور اسے شخص کے ساتھ برادری واجب ہے۔

اسی حدیث میں اس شخص کی غیبت حرام ہے جو عادل ہو اور فاسق کی غیبت لوگ جائز جانتے ہیں۔

مرحوم علامہ مجلسی بحارالانوار کی ج ۷۲ میں کتاب العشر ہ میں اس نے اس قول کو قبول کیا لیکن ذیل میں اس سے عدول کیا لیکن اگر صرف عادل کی غیبت حرام ہو تو پھر بہت سے افراد دوسروں کو غیر عادل سمجھ کر اس کی غیبت کرنا شروع کر دیتے ہیں بعض روایات میں ملتا ہے کہ چند گروہوں کی غیبت جائز ہے۔ ان میں سے ایک فاسق ہے جس کا فسق مشہور ہو۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَرْبَعَةٌ لَيْسَتْ غِيْبَتُهُمْ غِيْبَةٌ. اَلْفَاسِقُ الْمُعْلِنِ بِفِسْقِهِ...[۲]

چار گروہ ایسے ہیں جن کی غیبت در حقیقت غیبت نہیں ہے ان میں پہلا وہ فاسق ہے جو عام گناہ کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِذا جاهَرَ الْفاسِقُ بِفِسْقِهِ فَلا حُرْمَةَ لَهُ عَلى غَيْبَة.[۳]

جب فاسق فسق میں مشہور ہو اور شر عام گناہ کرے ایسے شخص کا نہ احترام ہے اور نہ غیبت۔

امام علی رضا علیہ السلام کی ایک حدیث میں ہے:

مَنْ اَلْقى جِلْبابَ الْحَياءِ فَلا غَيْبَةَ لَهُ.[۴]

(یعنی) جو شخص چادر حیا رکھتا ہو وہ کبھی غیبت نہیں کرتا۔

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث غیبت کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ اس شخص کی

---

[۱] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 235 تا 237.

[۲] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 235 تا ۲۶۱.

[۳] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 253.

[۴] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ ۲۶۰.

غیبت بھی جائز نہیں جو پوشیدہ گناہ کرے مگر یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر یا لوگوں کو کسی کے شر سے محفوظ رکھنا مقصود ہو۔

اقسام غیبت

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ غیبت صرف زبان سے ہوتی ہے حالانکہ حقیقت میں عیوب کا ظاہر کرنا جو پنہانی ہوں اور اگر وہ شخص سن لے تو ناراض ہو جائے یہ کام ممکن ہے زبان سے ہو یا ممکن ہے قلم سے ہو حتیٰ آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے بھی غیبت ممکن ہے۔

بعض لوگ اس طرح غیبت کرتے ہیں: فلاں بڑا نیک ہے...........پھر چپ ہوتے ہیں تو اشارہ اور کنایہ ہوتا ہے کہ وہ نیک نہیں ہے یا اس میں برائی پائی جاتی ہے۔

غیبت کے عوامل

غیبت کے کئی عوامل ہو سکتے ہیں:

۱۔حسد	۲۔خودخواہی	۳۔غرور
۴خود بینی	۵۔مقام طلبی	۶۔کینہ
۷۔دنیا پرستی	۸۔ریاکاری	۹۔تزکیہ نفس
۱۰۔شہوت	۱۱۔سوئے ظن	۱۲۔انتقام جوئی
۱۳۔تشفی قلب	۱۴۔مذاق اڑانا	

بعض انسان کوشش کرتے ہیں غیبت کے ذریعے دوسرے کی شخصیت پر دھبہ لگایا جائے کبھی انتقام کے ذریعے کبھی مقام و حال کے ذریعے کہ دوسروں کو محروم کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَصْلُ الْغِیْبَةِ تَتَنَوَّعُ بِعَشْرَةِ اَنْواع:
شِفَآءِ غَیْظٍ وَ مُسَاعَدَةِ قَوْمٍ وَ تُهْمَة. وَ تَصْدِیْقِ خَبَرٍ بِلَا كَشْفِهِ. وَ سُوْءِ ظَنٍّ وَ حَسَدٍ وَ سُخْرِیَّةٍ وَ تَعَجُّبٍ وَ تَبَرُّمٍ وَ تَزَیُّنٍ،
فَاِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَةَ فَاذْكُرِ الْخَالِقَ لاَ الْمَخْلُوقَ فَیَصِیْرُ ذَالِكَ مَكَانَ الْغِیْبَةِ عِبْرَةً وَ مَكَانَ الْاِثْمِ ثَوَاباً.

غیبت کا سرچشمہ دس قسم کا ہوتا ہے:

ا۔تسکین قلب کے لئے	۲۔تعصب کی بنا پر
۳۔غصہ کو پینے کے لئے،	۴۔دوسروں پر تہمت لگانا،
۵۔کبھی خبر کی جلدی تصدیق کرنا،	۶۔سوئے ظن،
۷۔حسد	۸۔مذاق بنانا،
۹۔اظہار تعجب،	۱۰۔خود پسندی۔

واضح ہے کہ امامؑ نے صرف نمایاں اور چند ایک وجوہات کو بیان کیا ہے ورنہ غیبت کی وجوہات بہت سی ہوسکتی ہیں۔

غیبت کے آثار

انسانی اور اسلامی معاشرے کو خراب کرنے کے لئے غیبت کے کئی آثار ہیں اس مطلب پر دلالت کرنے والے چند آثار کو ذکر کیا جاتا ہے۔

ا غیبت اسلامی معاشرے کا اہم ترین سرمایہ خراب کر دیتی ہے۔

۲ غیبت تمام افراد کی نسبت سوئے ظن کا سرچشمہ ہے۔

۳ غیبت فحش کا سبب ہے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ فِی مُؤْمِنٍ مَارَأَتْهُ عَیْنَاهُ وَ سَمِعَتْهُ اُذُنَاهُ فَهُوَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالَ اللهُ

عَزَّ وَجَلَّ: اِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ اَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ. [۱]

جو شخص دوسرے مومنوں کی بدی کو آنکھ سے دیکھتے ہیں یا کان سے سنتے ہیں یا زبان سے کہتے ہیں ان کے بارے میں خدا فرماتا ہے جو لوگ دوست رکھتے ہیں مومنوں کی برائیاں عام ہوں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۴ غیبت گناہ گار لوگوں کو ان کے گناہوں میں جری بنا دیتی ہے۔

۵ غیبت کینہ، عداوت و بغض کا سبب ہے۔

۶ غیبت، غیبت کرنے والے کو لوگوں کی نظروں میں گرا دیتی ہے۔

۷ غیبت، غیبت کرنے والوں کے لئے بہانہ و عذر بن جاتی ہے۔

اب ہم بعض سوئے معنوی آثار ذکر کرتے ہیں:

۱ غیبت نیکیوں کو تباہ کر دیتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

۲ غیبت انسان کے دین کو خراب کر دیتی ہے۔

۳ غیبت کرنے والا اگر بخشا بھی جائے تو جنت میں آخری شخص داخل ہونے والا ہوگا اور اگر بخشا نہ گیا تو پہلا فرد دوزخ میں جانے والا ہوگا۔

۴ غیبت رسوائی کا سبب ہوتی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهِ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَ لَا تَتَبَّعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ وَ مَنْ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي جَوْفِ بَيْتِهِ. [۲]

اے وہ گروہ جو صرف زبان سے لائے ہو لیکن تمہارے دلوں میں ایمان نہیں ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کو ظاہر نہ کرو کیونکہ جو شخص مسلمان بھائیوں کے عیوب کشف کرتا ہے، خدا اس کے عیوب کو ظاہر کر دیتا ہے اور جس کے عیب خدا ظاہر کرے تو وہ رسوا ہو

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 357.

[۲] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 252.

گا۔

۵۔غیبت کرنے والے کی نیکیاں جس کی غیبت کی جائے اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور جس کی غیبت کی جائے اس کی برائیاں غیبت کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم فرماتے ہیں:

يُؤتى بِأَحَدٍ يَوْمَ الْقِيامَةِ يُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ يُدْفَعُ اِلَيْهِ كِتابُهُ فَلا يَرى حَسَناتِهِ فَيَقُولُ اِلهي لَيْسَ هذا كِتابي فَاِنّي لا اَرى فيها طاعَتي فَقالَ اِنَّ رَبَّكَ لا يَضِلُّ وَ لا يَنْسى، ذَهَبَ عَمَلُكَ بِاغْتِيابِ النّاسِ ثُمَّ يُؤْتى بِآخَرَ وَ يُدْفَعُ اِلَيْهِ كِتابُهُ فَيَرى فيها طاعاتٍ كَثيرَةً. فَيَقُولُ اِلهي ما هذا كِتابي فَاِنّي ما عَمِلْتُ هذِهِ الطّاعاتِ. فَيَقُولُ: اِنَّ فُلاناً اِغْتابَكَ فَدُفِعَتْ حَسَناتُهُ اِلَيْكَ.[1]

روز قیامت ایسے شخص کو خدا کی بارگاہ میں حاضر کریں گے کہ اس کے ہاتھ میں اعمال نامہ دیں گے جب وہ اپنی نیکیوں کو دیکھے تو کچھ نہیں ہوگا تو خدا سے عرض کرے گا خدایا! یہ نامہ اعمال میرا نہیں ہے کیونکہ اس میں میری عبادت نہیں لکھی ہوئی خدا اس سے کہے گا تو نہ گمراہ ہوا ہے اور بھولا ہے تیری عبادات لوگوں کی غیبت کی وجہ سے ختم ہوگئی ہیں پھر ایک اور شخص کو لائیں گے اور اسے نامۂ اعمال دیں گے اس میں وہ ایسی عبادات کو دیکھے گا جو اس نے انجام نہیں دیں وہ کہے گا یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے خدا فرمائے گا کہ فلاں شخص نے تیری غیبت کی تھی لہٰذا اس کی نیکیاں تیرے نامہ اعمال میں لکھی گئی ہیں۔

اخلاقی کتب میں ملتا ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے کی غیبت کی تو جس کی غیبت ہوئی اس نے ایک طشت کھجور کا غیبت کرنے والے کی خدمت میں بھیجا اور پیغام بھیجا: تم اپنی نیکیاں مجھے ہدیہ کرتے ہو لہٰذا میں نے بھی ہدیہ بھیجا ہے۔

۶۔غیبت کرنے سے انسان کے چالیس دن تک روزے ونماز خدا کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوں گے مگر یہ کہ جس کی غیبت ہوئی ہو وہ معاف کردے۔

رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم نے فرمایا:

مَنْ اِغْتابَ مُسْلِماً اَوْ مُسْلِمَةً لَمْ يَقْبَلِ اللهُ تَعالى صَلاتَهُ وَ لا صِيامَهُ

[1] مستدرک الوسائل، جلد 9، صفحہ 121، حدیث 30.

اَرْبَعِیْنَ یَوْماً وَلَیْلَةً اِلّا اَنْ یَغْفِرَ لَهُ صاحِبُهُ.[1]

جو کوئی کسی مرد یا عورت کی غیبت کرتا ہے خداوندعالم اس کے چالیس دن رات نماز و روزے قبول نہیں کرتا لیکن جس کی غیبت ہوئی ہے اگر وہ معاف کردے تو اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

غیبت کا علاج

بیماری دوقسم کی ہوتی ہے مادی اور معنوی جسم کا مریض مادی بیماری ہے اور روحانی بیماری کو معنوی بیماری کہتے ہیں۔

غیبت ایک خطرناک بیماری ہے بعض ابعاد سے اس بیماری کا علاج مادی بیماری اور بعض ابعاد سے معنوی علاج سے ممکن ہے۔

۱۔مندرجہ ذیل امور کی رعایت سے غیبت کا علاج ممکن ہے بیماری مادی ہو یا روحانی جب تک اس بیماری کی جڑ کا پتہ نہ چلے علاج مشکل ہوتا ہے لہٰذا ان عوامل کو دیکھنا ضروری ہے جو اس بیماری میں مؤثر ہیں۔ حسد، کینہ، خود پسندی، انتقام جوئی اور تکبر بہت اہم عوامل ہیں جن سے انسان غیبت کرتا ہے جب تک ان سے پاک نہ ہو انسان کا روحانی علاج مشکل ہوتا ہے۔

۲۔اس خطرناک بیماری کے علاج کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان غیبت کے آثار و انجام کی طرف توجہ کرے جب انسان غیبت کرتا ہے تو وہ لوگوں کی نظر میں حقیر بن جاتا ہے لوگ اسے خائن اور ناحق شناخت سمجھتے ہیں معاشرے میں اس پر کوئی اعتماد نہیں کرتا اگر توبہ کرتا ہے تو جنت میں جانے والا آخری فرد ہوگا اور اگر توبہ قبول نہ ہوئی تو دوزخ میں پہلا داخل ہونے والا ہوگا جب تک انسان جس کی غیبت کی ہو وہ راضی نہ ہوجائے جب انسان ان عواقب کو دیکھتا ہے تو ضرور پشیمان ہوتا ہے تو ایک دن غیبت چھوڑ دیتا ہے۔

۳۔غیبت کرنے والے کو یہ سوچنا چاہیے کہ انسان کی طاقت محدود ہے اگر وہ اپنی قدرت کو لوگوں میں بدنام

[1] مستدرک الوسائل، جلد 9، صفحہ ۱۲۲، حدیث 34.

کرنے پر لگ جائے اور اپنا مقام بنانے کی خاطر دوسروں کو ذلیل وخوار کرے تو اس کا انجام بھی برا ہے بہتر تو یہی ہے کہ انسان دوسروں کے گھروں کوخراب کرنے کی بجائے اپنے گھر کی تعمیر کرے۔

انسان کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ شاید متوجہ ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَا عُمِّرَ مَجْلِسٌ بِالْغِيبَةِ إِلَّا خَرِبَ مِنَ الدِّينِ۔[۱]

کوئی مجلس غیبت کے ذریعے آباد نہیں ہوئی مگر یہ کہ دین کی نظر میں خراب ہوئی۔

بعض لوگ اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ وہ خطا کار نہیں ہیں ایسے عذر گناہ سے بھی بدتر ہیں اور بہت خطرناک انجام ہوتا ہے۔

اس بحث میں غیبت کے چند موضوعات باقی رہ گئے ہیں جو بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ غیبت سننا

جس طرح غیبت کرنا گناہان کبیرہ ہے اسی طرح غیبت سننا بھی گناہان کبیرہ ہے کیونکہ فساد دونوں طرف ہے یعنی غیبت کرنے والا اور سننے والا اگر کوئی شخص حاضر نہ ہو کہ وہ کسی کی غیبت کے سننے کو نہ جائے تو یہ بھی ایک نہی از منکر ہے اس سے نہ کسی کی غیبت ہوگی نہ آبروریزی اور نہ ہی اہانت، اسی لئے روایات میں غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں کو ایک شمار کیا گیا ہے دونوں گناہ میں برابر شریک ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْتَمِعُ اَحَدُ الْمُغْتَابِيْنَ۔[۲]

غیبت سننے والا بھی غیبت کرنے میں شریک ہے

یعنی غیبت سننے والا بھی ایک غیبت کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

---

[۱] روضۃ الواعظین، صفحہ 542.

[۲] جامع السّعادات، جلد 2، صفحہ 297 بحار الانوار، جلد 72، صفحہ 226.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلسّامِعُ لِلْغَيْبَةِ اَحَدُ الْمُغْتابِينَ.[1]

غیبت سننے والا ایک غیبت کرنے والا ہے۔

ایک شخص امام حسن علیہ السلام کے پاس غیبت کر رہا تھا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

يابُنَىَّ نَزِّهْ سَمْعَكَ عَنْ مِثْلِ هذا فَاِنَّهُ نَظَرَ اِلى اَخْبَثِ ما فى وِعائِهِ فَاَفْرَغَهُ فى وِعائِكَ.[2]

اے بیٹے! غیبت سے اپنے کانوں کو پاک رکھو کیونکہ غیبت کرنے والے میں گندی ترین چیز پائی جاتی ہے اور تجھے بھی ملوث کرنا چاہتا ہے روایات میں آیا ہے کہ غیبت سننے والے کو مومن بھائی کا دفاع کرنا چاہیے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اُغْتِيبَ عِنْدَهُ اَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَاسْتَطاعَ نَصْرَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ خَذَلَهُ اللهُ فِى الدُّنْيا وَ الْآخِرَةِ.[3]

جس شخص کے پاس کسی مومن کی غیبت ہو اور اس کا دفاع کر سکتا ہو لیکن دفاع نہ کرے تو ایسے شخص کو خداوند عالم دنیا و آخرت میں ذلیل وخوار کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

اذا وُقِّعَ فى رَجُلٍ وَ اَنْتَ فى مَلأٍ فَكُنْ لِلرَّجُلِ ناصِراً وَ وَلِلْقَومِ زاجِراً وَ قُمْ عَنْهُمْ.[4]

اگر تم ایسے شخص کے پاس ہو اور کسی مسلمان کی غیبت ہو رہی ہو تو تمہیں اس کا دفاع کرنا چاہیے (اور تم پر لازم ہے کہ) اسے منع کرو ورنہ اس محفل سے اٹھ جاؤ ہو۔

---

[1] جامع السّعادات، جلد 2، صفحہ 297 بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 226.

[2] میزان الحکمہ، جلد 3، صفحہ 2339.

[3] میزان الحکمہ، جلد 3، صفحہ 2339.

[4] کنزالعمال، حدیث 8028.

آپؑ ہی نے فرمایا:

اَلسّا کتُ شریكُ المُغْتاب.[۱]

غیبت کے وقت سننے والا کا چپ رہنا بھی غیبت کرنے میں وہ شریک ہے۔

ایک حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اَلا وَمَنْ تَطَوَّلَ عَلی اَخِیْهِ فی غَیْبَة سَمِعَها فِیهِ فی مَجْلِس فَرَدَّها عَنْهُ رَدَّ اللهُ عَنْهُ اَلْفَ باب مِنَ الشَّرِ فِی الدُّنیا وَ الْآخِرَةِ فَاِنْ هُوَ لَمْ یَرُدَّها وَ هُوَ قادِرٌ عَلی رَدِّها کانَ عَلَیْهِ کَوِزْرِ مَنْ اِغْتابَهُ سَبْعِینَ مَرَّةً.[۲]

جوشخص کسی اپنے مسلمان بھائی پر احسان کرے اور اس کی غیبت میں اس کا دفاع کرے تو خداوندعالم ایسے شخص سے ہزار بدی دنیا وآخرت میں دور کرتا ہے اور اگر دفاع کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود دفاع نہ کرے تو ستر برابر گناہ اور غیبت کرنے والے کے ساتھ شمار ہوگا۔

۲۔غیبت حقوق العباد ہے یا حقوق اللہ؟

جو کچھ غیبت کی تعریف میں بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی آبروریزی اور ہتک ہوتی ہے اور مسلمان بھائی کی آبرو بھی اس کے جان و مال کی طرح محترم ہے قرآن میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کا حق ہے احادیث میں آیا ہے کہ غیبت ایک قسم کا ظلم وستم ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَیُّهَا النّاسُ اِنَّ دِمائَکُمْ وَ اَمْوالَکُمْ وَ اَعْراضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هذا فی شَهْرِکُمْ هذا فی بَلَدِکُمْ هذا اِنَّ اللهَ حَرَّمَ الْغَیْبَةَ کَما

---

[۱] آثار الصادقین، ج16، ص98.

[۲] من لایحضرہ الفقیہ، جلد4، صفحہ 8و9.

حَرَّمَ الْمالَ وَ الدَّمَ.[۱]

اے لوگو! تمہارا خون، مال اور آبرو ایک دوسرے کے لئے محترم ہے جیسا آج ذوالحجہ کا احترام ہے اور اس کے شہر مکہ کی مانند محترم ہے ان کی حرمت حرام ہے غیبت کو اس طرح حرام کیا گیا ہے۔ بے شک جب کسی کا ناحق خون بہایا جائے تو اس کا جبران کرنا چاہیے مومن کی آبرو اس کے خون و مال کے مقابلے میں ذکر ہوئی ہے لہٰذا یہ حق الناس میں سے ہے۔

ایک روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

غیبت زنا جیسے گناہ سے بھی بدتر ہے۔

پھر فرمایا:

زانی بعد از توبہ (یعنی زانی توبہ کرنے کے بعد) قابل بخشش ہے۔

اِنَّ صاحِبَ الْغِيْبَةِ لا يُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُ صاحِبُهُ.[۲]

یقیناً غیبت کرنے والا نہیں بخشا جائے گا جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرامٌ دَمُهُ وَ مالُهُ وَ عِرْضُهُ، وَالْغِيْبَةُ تَناوُلِ الْعِرْضِ.[۳]

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے زیادتی کرنا حرام ہے اس کا خون، مال، آبرو اور غیبت اس کی آبرو ہے۔

روایات میں بیان ہو چکا ہے کہ غیبت کرنے والے کی نیکیاں غیبت ہونے والے شخص کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور اس کے برعکس غیبت ہونے والے شخص کی برائیاں غیبت کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں یہ بھی ایک بہترین دلیل ہے کہ غیبت حقوق العباد میں سے ہے اب سوال یہ آتا ہے کہ غیبت کرنے والا کیسے جبران کرے روایات میں ملتا ہے کہ غیبت کرنے والے کو چاہیے وہ اس شخص سے معافی مانگے اور اگر اس تک نہ پہنچے تو اس کے لئے

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج9، صفحہ 62.

[۲] المحجۃ البیضاء، جلد5، صفحہ 251.

[۳] مجموعہ ورّام، جلد1، صفحہ 123.

اللہ سے طلب مغفرت کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فَإِنْ اُغْتِيبَ فَبَلَغَ الْمُغْتابَ فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَنْ تَسْتَحِلَّ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَبْلُغْهُ وَلَمْ يَلْحَقْهُ عِلْمَ ذٰلِكَ فَاسْتَغْفِرِ اللهَ لَهُ۔[1]

یعنی جس شخص نے غیبت کی اسے (جس کی غیبت کی ہے اس سے) معافی مانگنی چاہیے اور اگر (اس شخص تک) نہ پہنچ سکے تو اس کے لئے اسے استغفار کرنا چاہیے۔

متعدد روایات میں ملتا ہے:

كَفَّارَةُ الْاِغْتِيابِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنْ اِغْتَبْتَهُ۔[2]

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہو اس کے لئے استغفار کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كانَتْ لِاَخِيهِ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ فِى عِرْضٍ اَوْ مالٍ فَلْيَتَحَلَّلْها مِنْهُ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَيْسَ هُناكَ دِينارٌ وَلا دِرْهَمٌ اِنَّما يُؤْخَذُ مِنْ حَسَناتِهِ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَناتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئاتِ صاحِبِهِ فَزِيدَتْ عَلى سَيِّئاتِهِ۔[3]

جو شخص کسی دوسرے کے مال و آبرو میں زیادتی کرتا ہے اسے اس سے معافی مانگنی چاہیے اس سے پہلے وہ وقت آجائے جہاں کوئی درہم و دینار نہیں ہے بلکہ اس کی نیکیاں اس دوسرے مسلمان کے حق میں لکھی جاتی ہیں اور اگر کوئی نیکی نہ ہو۔تو مسلمان بھائی کے گناہ اس زیادتی کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔

ایام ہفتہ کی معروف دعاؤں میں سے پیر کے دن کی دعا امام سجاد علیہ السلام سے اسی موضوع پر دلالت کرتی ہے امامؑ خدا سے درخواست کرتے ہیں:

اگر میں نے کسی پر ظلم وستم کیا ہے،عزت وآبرو ہو یا مال اس کا خاندان ہو یا اولاد یا میں

---

[1] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 242.

[2] میزان الحکمۃ، جلد 3، صفحہ 2339، احادیث 15543 تا 15548.

[3] جامع السّعادات، جلد 2، صفحہ 306.

نے اس کی غیبت کی ہو یا تکبر وتعصب و ریا کاری یا اس کے ساتھ خود پسندی کی ہو اور اب میری اس تک رسائی نہیں تا کہ اس سے معافی مانگو یا اس کا حق واپس کروں تو میں معافی مانگتا ہوں اور خدایا! تو مصلحت جانتا ہے مجھ سے راضی ہو جا بہر حال غیبت کا حق العباد ہونا قوی احتمال ہے اور اگر معافی مانگنی پڑے تو ضرور معافی مانگے۔[۱]

غیبت کے جبران کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان اس شخص کے پاس جائے جس کی اس نے غیبت کی ہو اور اس سے معافی مانگے۔

غیبت سے استثناء

علمائے اخلاق اور فقہا کی نظر میں بعض مقامات پر غیبت جائز ہے حتیٰ بعض اوقات غیبت واجب ہے جس کے اپنے اسباب و علل ہیں دوسرے لفظوں میں اصل اولیٰ یہ ہے کہ غیبت حرام ہے لیکن حکم ثانوی کے لحاظ سے بعض مورد استثناء ہیں یعنی غیبت کرنا جائز ہے۔لہٰذا مندرجہ ذیل مورد استثناء ہیں۔

۱۔اپنے حق کو لینے اور عدالت کے موقع پر غیبت جائز ہے اگر کوئی ظلم کرے اور مظلوم آواز نہ اٹھائے تو کون سنے گا اور کون عدالت کا تقاضا کرے گا خداوند عالم فرماتا ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا.

[۲]

خدا (کسی کے) ہانک پکار کر بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا۔مگر مظلوم ظالم کی برائیاں بیان کرسکتا ہے۔اور خدا تو (سب کی) سنتا (اور ہر ایک کو) جانتا ہے۔

۲۔بدعت گزاری کے وقت بھی غیبت جائز ہے جو افراد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کرتے ہیں اور اس کی نسبت اسلام و مسلمانوں سے دیتے ہیں تو اس وقت روکنا ضروری ہے ایسے لوگوں کی غیبت جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

۳۔نہی عن المنکر یعنی اگر انسان فریاد و پکار نہ کرے تو گناہ گار اپنے گناہوں پر اصرار کریں گے لہٰذا امر

[۱] ملحقات صحیفہ سجادیہ، دعای روز دوشنبہ (با تلخیص).

[۲] النساء:۱۴۸

بالمعروف کی مصلحت غیبت پر غالب ہے لہٰذا ایسے موقع پر نہ صرف غیبت جائز بلکہ واجب ہے۔

۴۔جس مسلمان کی جان و مال اور ناموس خطرے میں ہو اور خود نہیں جانتا ایسے موقع پر اسے بتانا ضروری اور واجب ہے تاکہ وہ خطرے سے محفوظ رہ سکے۔

۵۔مشاورت کے وقت بھی غیبت کرنا جائز ہے مثلاً کوئی شخص کمیٹی تشکیل دیتا ہے یا سفر کرنا چاہتا ہے یا کسی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو ایسے موقع پر سچ سچ کہنا ضروری ہے اگر لڑکے والا شخص پوچھتا ہے کہ وہ لڑکی کیسی ہے؟ تو اس وقت مشورہ دینے والے کو صحیح بتانا ضروری ہے کیونکہ اگر اس نے درست نہ بتایا تو گویا اس نے مشورے میں خیانت کی۔

۶۔شہادت کے وقت بھی غیبت کرنا جائز ہے شہادت کی مصلحت غیبت کی مصلحت پر غالب ہے اگر کوئی زنا کرے یا شراب پی لے تو شہادت کے وقت صحیح صحیح بتانا ضروری ہے تاکہ ان پر حد جاری ہو سکے۔

فسق آشکارانہ

عام طور پر علمائے اخلاق اور فقہا ایسے شخص کی غیبت کو جائز سمجھتے ہیں جو آشکارانہ اور کھلم کھلا گناہ کرتا ہو مثلاً لوگوں کے سامنے شراب پینا، لہٰذا ایسے افراد کی غیبت جائز ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَرْبَعَةٌ لَيْسَتْ غِيبَتُهُمْ غِيبَةً الْفَاسِقُ الْمُعْلِنُ بِفِسْقِهِ.[1]

چار گروہوں کی غیبت جائز ہے اور ان کی غیبت شمار نہیں ہوتی ان میں سے ایک فاسق ہے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَيْسَ لَهُمْ حُرْمَةٌ: صَاحِبُ هَوًى مُبْتَدِعٌ، وَ الْإِمَامُ الْجَائِرُ، وَ الْفَاسِقُ الْمُعْلِنُ بِالْفِسْقِ.[2]

تین افراد کا احترام نہیں: ۱۔بدعت گزار فرد ۲۔ظالم حاکم ۳۔فاسق جو کھلم کھلا گناہ کرتا

---

[1] بحار الانوار (ط-بیروت) / ج 72 / 261 / باب 66 الغيبة.....ص: 220

[2] ہدایۃ الامۃ الی احکام الائمۃ علیہم السلام / ج-5 / 180 / 7-فی احکام الغیبۃ.....ص: 179

ہو۔

ایک حدیث میں امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

مَنۡ أَلۡقَی جِلۡبَابَ الۡحَیَاءِ فَلَا غَیۡبَةَ لَهُ.[۱]

جو شخص حیا کا لباس اتار دے اس کی کوئی غیبت نہیں ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَتَرۡعَوۡنَ عَنۡ ذِکۡرِ الۡفَاجِرِ اَنۡ تَذۡکُرُوۡهُ. فَاذۡکُرُوۡهُ یَعۡرِفُهُ النَّاسُ.[۲]

کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا، فاسق افراد کا ذکر کرنا، ان کا نام لو تا کہ لوگ انہیں پہچان سکیں۔

لیکن ہماری نظر میں یہ افراد غیبت کے موضوع سے خارج ہیں نہ کہ استثناء ہے کیونکہ غیبت میں دو شرائط ہیں:

۱۔مخفی عیب بیان کرنا ۲۔جس سے سن کر وہ ناراض ہو جائے۔

یہ دونوں شرائط ان افراد میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر ناراض ہوتے ہیں تو کھلم کھلا گناہوں کا مرتکب کیوں ہوتے ہیں۔علمائے اصول کی اصطلاح میں وہ افراد تخصیصاً خارج ہیں نہ تخصیصاً اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیبت صرف ان گناہوں کو شامل ہے جو کھلے عام کیے جائیں یا تمام گناہوں میں غیبت جائز ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک شخص ایک جگہ پر فاسق معروف ہے اور دوسری فاسق نہیں یا بعض گروہوں کے نزدیک فاسق ہو اور بعض کے نزدیک فاسق نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے ایسے افراد کی غیبت اس وقت جائز ہے جب کھلے عام گناہ کرتے ہوں لیکن جو گناہ وہ نہیں کرتے یا جس جگہ وہ فاسق معروف نہیں تو وہاں غیبت کرنا جائز نہیں ہے البتہ آج کل میڈیا کا دور ہے اور ظالم بادشاہ پوری دنیا میں مشہور ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسے افراد کی غیبت جائز ہے یا عوام کے وہ افراد جو حیا کی چادر اتار دیتے ہیں اور کھلے عام گناہ کرتے ہیں ان کی غیبت کرنا جائز ہے۔من القی جلباب الحیاء یعنی جو حیا کی چادر اتار دے۔فاذکروہ یعرفه الناس اس کا نام لے کر غیبت کر سکتے ہیں تا کہ لوگ اس کو پہچان لیں۔

پس کھلے عام گناہ کرنا دو قسم کے ہیں:

---

[۱] بحار الانوار، جلد 72، صفحہ ۲۶۰۔

[۲] کنز العمال، جلد 3، صفحہ 595، حدیث 8069.

ا۔ کھلے عام گناہ کرنا اور صرف اسی گناہ میں اس کی غیبت جائز ہے۔

۲۔ جو حیا کی چادر اتار دیتے ہیں بدمعاش بن کر گناہ کرتے ہیں ایسے افراد کا کوئی احترام نہیں ہے اور غیبت بھی جائز ہے تا کہ لوگ اسکے خطرات سے آگاہ ہو جائیں۔

اب مطلب کو دو نکات بیان کرنے کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

ا۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ علوم اسلامی میں سے ایک علم رجال کا علم ہے جس میں راویوں کے صدق وکذب کے بارے میں بحث ہوتی ہے بعض نا آشنا افراد اسی علم کو سیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ احکام کا درست سمجھنا ضروری ہے لہٰذا راویوں کے حالات سے آشنا ہونا ضروری ہے تا کہ روایت کو صحیح طور پر سمجھیں بعض راوی ضعیف ہیں بعض راوی مؤثق ہیں اسی طرح بعض روایات ضعیف ہیں یا موثق ہیں بعض یہ بہانہ بناتے ہیں کہ علم رجال میں غیبت ہوتی ہے لہٰذا سیکھنا ضروری نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے روایت اور راوی کی پہچان کے لئے علم رجال ضروری ہے۔

۲۔ دوسرا نکتہ ہے اجتماعی وسیاسی مسائل میں افراد کی شناخت ضروری ہے اگر بعض نکات پنہانی اور مخفی ہوں جس سے معاشرے کی اصلاح مربوط ہے تو ایسے مسائل کو بیان کرنا ضروری ہے۔ ایسے مسائل میں غیبت کا بہانہ بنا کر باتوں کو راز میں رکھنا اور یہ کہنا کہ غیبت ہو جائے گی یہ غلط ہے ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پڑھ چکے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ فاسق فاجروں کی غیبت نہیں بلکہ ایسے افراد کے عیب ظاہر کرنا ضروری ہے تا کہ لوگ آگاہ ہو جائیں۔

CIA اور اطلاعات کے ادارے بعض کو سمجھنے کے لئے بعض افراد کے عیب ظاہر کرتے ہیں تو یہ غیبت نہیں ہے بلکہ ادارے کا وظیفہ ہے کہ وہ اپنے کام کریں بعض خفیہ ادارے ہیں جو اپنے کام کر رہے ہیں۔

ا۔ غیبت کی حدود

بے شک مومن، بالغ و عاقل افراد کی غیبت حرام ہے لیکن کافر حربی جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہے غیبت کرنا حرام نہیں ہے لیکن مسلمان بھائیوں یا کافر ذمی کی غیبت ناجائز ہے۔

بعض فقہاء جیسے محقق اردبیلی علامہ سبزواری صاحب کفاۃ غیبت کی حرمت کو عام کہا ہے۔ وہ روایات جن میں ...یا الناس کلمات آئے ہیں ان سے استدلال کیا ہے کہ ان کی غیبت کرنا تعجب کا مقام نہیں کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جان و مال ان کی محفوظ ہو اور آبرو ناموس ان کی محفوظ نہ ہو لیکن صاحب جواہر نے مخالفت کی اور کہا کہ بعض روایات کو

بعض دوسری روایات کے ساتھ رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ مخصوص مومنین اور شیعیانِ اہل بیتؑ ہے۔[۱]

اگر ان بزرگوار کی مراد یہ ہو کہ جو ولایت کا مخالف ہو یعنی ناصبی، معاند اور مومنین و مسلمانوں کے دشمن تو بے شک ایسے افراد کا نہ احترام ہے اور نہ ہی غیبت۔

لہٰذا ایسے تمام افراد کی غیبت سے بچنا چاہیے جن کی جان و مال اور آبرو محترم ہو اور وہ سب حق الناس میں سے ہے اگر ان کا گناہ کھلے عام نہ ہو اور گناہ بھی مخفی ہوں وہ مورد جہاں پر غیبت کرنے سے وہ شخص ناراض ہوتا ہو تو ایسے شخص کی غیبت بھی حرام ہے جس طرح شیخ انصاری نے مکاسب محرمہ میں اشارہ کیا ہے:

قرآن کریم فرماتا ہے:

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ[۲]

اگر ان کے ساتھ اکٹھے زندگی کر رہے ہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

بعض ممیز بچے کی قید لگائی ہے یعنی ایسا بچہ اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہو لیکن حق یہ ہے کہ تمیز قید صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر پنہانی عیب غیر ممیز بھی کہتا ہے تو اس شخص کی جو آبرو ریزی ہوتی ہے اسی لئے شہید ثانی کی کتاب کشف الریبہ میں فرمایا کہ بچہ چھوٹا ہو یا بڑا فرق نہیں ہے جہاں سے دیوانہ افراد کا حکم بھی روشن ہو جاتا ہے۔

غیبت عام و خاص

کبھی ایسے شخص کی غیبت ہوتی ہے جو معین ہوتا ہے مثلاً زید نے یہ کام کیا اس کا حکم گزر چکا ہے کہ غیبت حرام ہے اس کے علاوہ وضاحت سے بیان کر چکے ہیں کہ بعض لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن کبھی غیبت عام ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شہر کے لوگ کنجوس ہیں، فلاں شہر کے لوگ بے وقوف ہیں، فلاں دیہات کے افراد چور ہیں یا نشہ کرتے۔

کیا غیبت کے احکام ایسے مواقع پر بھی جاری ہوتے ہیں؟

---

[۱] جواہر الکلام، جلد 22، صفحہ 62.

[۲] البقرہ:۲۲۰

۱۔ اگر کوئی شخص اس طرح غیبت کرتا ہے کہ فلاں شہر کے لوگوں کو میں نے شراب پیتے دیکھا یا فلاں شہر کے کچھ لوگ چور ہیں اور سننے والا نہیں پہچانتا تو ایسے افراد کی غیبت شمار نہیں ہوگی کیونکہ یہ کھلی باتیں نہیں ہیں اور مخاطب بھی ایسے افراد کو نہیں جانتا۔

۲۔ ایک بار اس طرح کہتا ہے میں نے چار آدمیوں کو شراب پیتے دیکھا یہاں پر چار افراد میں منحصر ہے یا ایسی بات کریں جس سے دوسروں پر تہمت لگ جائے ایسے موقع پر غیبت شمار ہوتی ہے کیونکہ مخفی گناہ اور عیوب کو ظاہر کیا گیا ہے اور مومنوں کی بے احترامی اور ہتک ہوتی ہے۔

۳۔ ایک شہر والوں کی غیبت کرنا فلاں شہر کے آدمی چور ہیں اس میں شہر اور آبادی منحصر ہو جاتی ہے لہٰذا اسلام کی نظر میں غیبت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ غیبت سے دفاع

بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ غیبت سے دفاع واجب ہے شیخ انصاری مکاسب محرمہ میں غیبت کی بحث میں فرماتے ہیں کہ دفاع واجب ہے۔ اس مطلب پر بہت سی روایات موجود ہیں وسائل الشیعہ کے مصنف اباب العشر ۃ کے باب ۱۵۶ میں لکھتے ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَا عَلِیُّ مَنِ اغْتِیبَ عِنْدَہُ أَخُوہُ الْمُسْلِمُ فَاسْتَطَاعَ نَصْرَہُ فَلَمْ یَنْصُرْہُ خَذَلَہُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ.[1]

جس کے پاس کسی مومن کی غیبت ہو اور وہ دفاع بھی کر سکتا ہے لیکن دفاع نہیں کرتا خداوند عالم ایسے شخص کو دنیا و آخرت میں ذلیل وخوار کرتا ہے۔

اسی قسم کی روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے ایک روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ / ج 4 / 372 / باب النوادر وھو آخر أبواب الکتاب..... ص: 352

مَنْ رَدَّ عَنْ اَخیہ غَیْبَۃً سَمِعَھَا فی مَجْلِسٍ رَدَّ اللّٰہُ عَنْہُ اَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِی الدُّنْیا وَ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ لَمْ یَرُدَّ عَنْہُ وَ اَعْجَبَہُ کَانَ عَلَیْہِ کَوِزْرِ مَنْ اغْتَابَ.[1]

جوشخص کسی محفل میں اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کا دفاع کرتا ہے خداوندعالم برائیوں کا ایک ہزار دروازہ بند کر دیتا ہے اور دفاع نہ کرے بلکہ اس سے خوشحال ہوتو وہ غیبت کرنے والے کے ساتھ گناہ میں شریک ہے۔

اور آپؐ نے فرمایا:

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخیہ کَانَ لَہُ حِجَاباً مِنَ النَّارِ.[2]

جوشخص غیبت کے دوران اپنے بھائی کا دفاع کرے تو ایسے شخص کے لئے دوزخ کی آگ پر پردہ ہوگا۔

ان روایات سے غیبت کا دفاع واجب ہونا نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ سنت مؤکدہ ہوسکتا ہے بہرحال دفاع واجب ہو یا سنت مؤکدہ مسلمانوں کا ایک اسلامی فریضہ ہے لہٰذا عمل کیا جائے اگر امر بالمعروف کے باب سے ہوتو یقیناً واجب ہے۔

۴۔ مردہ کی غیبت کا حکم کیا ہے؟

بعض لوگ تصور کرتے ہیں کہ غیبت صرف زندہ لوگوں کی ہوتی ہے اس طرح روایات بھی زیادہ زندہ افراد کا ذکر ہوا ہے اور مردوں کا ذکر نہیں ہوا ہے لہٰذا مردے کی غیبت جائز ہے؟ لیکن یہ بڑا اشتباہ ہے ہمارے پاس ایسی روایات بھی موجود ہیں جو دلالت کرتی ہیں زندہ افراد کی مانند مردوں کی غیبت حرام ہے۔

حُرْمَۃُ الْمَیِّتِ کَحُرْمَتِہٖ وَ ھُوَ حَیٌّ.[3]

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 66.

[2] وسائل الشیعۃ/ ج 12/ 293/ 156 باب وجوب رد غیبۃ المؤمن وتحریم سماعھا بدون الرد.....ص: 291

[3] وسائل الشّیعہ، جلد 19، صفحہ 47، باب 24.

مردے کا احترام بھی زندہ افراد کی مانند قابل احترام ہے۔

کیونکہ زندہ افراد ممکن ہے اپنی غیبت ایک دن سن لیں اور اپنا دفاع کریں لیکن مردہ بے چارہ تو اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتا اسی طرح ممکن ہے زندہ آدمی کی غیبت کرنے کے بعد اس سے معافی مانگ کر اسے راضی کرے لیکن مردوں کو کیسے راضی کیا جا سکتا ہے مردے کے غسل وکفن، دفن وغیرہ کے احکام میں اس کا احترام ہے قبر کی بے حرمتی کرنا حرام ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے مسلمان بھائی کے مرنے کے بعد بھی اس کی عزت وآبرو محفوظ ہے۔

۵۔حسن اخلاق اور بداخلاق

حسن خلق کا ایک خاص معنی یہ ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آئے شیریں زبان اور نرم لب ولہجہ میں بات کرے جب بھی کوئی اخلاق سے پیش آئے تو اس کے منہ پر تبسم ہونا چاہیے محبت آمیز کلمات سے گفتگو کرنی چاہیے یہ ایک اخلاقی فضیلت جو معاشرے کی اصلاح میں بڑی مؤثر ہے۔

اس کے برعکس بداخلاقی کرنا اور سخت کلمات سے گفتگو یا بے مہری سے پیش آنے والے شخص سے لوگ نفرت کرتے ہیں بداخلاق شخص سے لوگ دور بھاگتے ہیں بداخلاق شخص کے دوست بہت کم ہوتے ہیں اس مطلب پر قرآن و سنت میں بڑی تاکید کی گئی ہے اہل بیت علیہم السلام کی سیرت واخلاق میں خود اخلاق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے معاشرے میں بہت سے افراد ترقی نہیں کر سکتے ان کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بداخلاق ہوتے ہیں اور بعض بہت جلدی ترقی کر جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بااخلاق ہوتے ہیں جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انبیاءؑ، اہل بیتؑ اور اولیاء کرام کی سیرت میں بااخلاق ہونا نظر آتا ہے۔

اس موضوع پر دلالت والی آیات کی تفسیر میں جاتے ہیں۔

①۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ.[1]

(تو اے رسولؐ یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (سردار) ان کو ملا اور تم اگر بدمزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہوگئے ہوتے پس (اب بھی) تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور (حسبِ سابق دستور ظاہراً) ان سے کام کاج میں مشورہ کرلیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسا رکھو (کیونکہ) جو لوگ خدا پر بھروسا رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔

۲۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ.[2]

اور بے شک تمہارے اخلاق بڑے (اعلیٰ درجہ کے) ہیں

۳۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ.[3]

اور لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنا منہ نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا اور اپنی چال (ڈھال) میں میانہ روی اختیار کرو اور دوسرے سے بولنے میں) اپنی آواز دھیمی رکھو۔ کیونکہ آوازوں میں سے تو سب سے بُری آواز (چیخنے کی وجہ سے) گدھوں کی ہے۔

۴۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ.[4]

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے (جو تمہارے بزرگ تھے) عہد

---

[1] آل عمران:۱۵۹

[2] القلم:۴

[3] لقمان:۱۸،۱۹

[4] بقرہ:83

و پیمان لیا تھا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور لوگوں کے ساتھ اچھی طرح (نرمی) سے باتیں کرنا اور برابر نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا۔ پھر تم میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا (سب کے سب) پھر گئے اور تم لوگ ہو ہی اقرار سے منہ پھیرنے والے۔

۵۔ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝٤٣ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى.[۱]

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ پھر اسے (جاکر) نرمی سے باتیں کرو تا کہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔

۶۔ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ۝٣٤ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ.[۲]

اور بھلائی برائی (کبھی) برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرو گے) تو (تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔ یہ بات بس ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب ور ہیں۔

تفسیر اور خلاصہ

پہلی آیت میں خوش اخلاقی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صفت کے طور پر بیان ہوئی ہے اور ترقی یافتہ معاشرے کا سبب بھی ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

---

[۱] طٰہٰ: 43و44

[۲] فصّلت: 34و35

حَوْلِكَ.[۱]

(تو اے رسولؐ یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (سردار) ان کو ملا اور تم اگر بدمزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش اخلاقی والی صفت ان کے لئے خدا کی ایک رحمت اوراس کی اُمت کے لئے بھی رحمت تھی، بے شک جس شخص میں یہ خوبی پائی جاتی ہے وہ اس کے لئے رحمت و برکت ہے،خوش اخلاقی کے مقابلے میں بداخلاقی ہے، افعال میں غصہ،سخت لب ولہجہ سے پیش آنا اس عمل کا ردعمل ہے جس سے لوگ دور ہوجاتے ہیں اورنفرت بیدار ہوتی ہے، اس میں ''فظ'' اور غلیظ القلب کے کلمات استعمال ہوتے ہیں جن دونوں کا ایک معنی ہے یعنی دوسرا تاکید کے لئے ہے یا ان دوکلمات کے دومختلف معانی بھی ہو سکتے ہیں مرحوم طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں ،بعض لکھتے ہیں کہ یہ دونوں قریب کے معنی رکھتے ہیں،''فظ'' عام طور پر غصے کا اظہار ہے جو سنگ دلی سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا دونوں کا ایک معنی ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ''فظ'' گفتگو میں غصہ اور غلیظ القلب عمل میں بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے کا نام ہے۔

بہر حال خداوندعالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خندہ پیشانی اورحُسن اخلاق سے پیش آنے کے لئے فرمایا، آپؐ ہمیشہ غصہ والے اور بداخلاق افراد کے سامنے نرمی سے پیش آتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُسن اخلاق سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا،بعض افراد میں صرف ظاہری یہ صفت ہوتی ہے،لیکن عملی طور پر ایسے نہیں ہوتے، لہٰذاعملی اخلاق کی بڑی تاکید کی گئی ہے، خداوندعالم فرماتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ.[۲]

پس (اب بھی) تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور (حسبِ

---

[۱] ''فبما رحمة من الله'' میں ''ما'' استفهاميه، نافيه يا زائده ہے۔ احتمالات متعددی کے بھی دیئے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ موصولہ یا زائدہ ہے۔ مرحوم ''طبرسی'' در ''مجمع البیان'' میں کہا ہے کہ اس کے زائدہ ہونے پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ (البتہ یہ حروف زائدہ، تأکید کے لئے ہے نہ کہ بے فائدہ۔

[۲] المحجة البيضاء، جلد5، صفحہ 251.

سابق دستور ظاہراً) ان سے کام کاج میں مشورہ کرلیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسا رکھو (کیونکہ) جو لوگ خدا پر بھروسا رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔

وہ لوگ جو اسلام سے بڑے دور تھے لیکن آپؐ کی خوش اخلاقی سے لوگ اسلام لے آئے۔ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت جنگ کے بارے میں ہے، اس جنگ میں دوست و دشمن دونوں نے آپؐ پر دباؤ ڈالا واضح ہے کہ عفو و درگذر، خوش اخلاقی، مہر و محبت سے سلوک کرنا، جس کی وجہ سے آپ خلق عظیم کے مالک تھے دوسری آیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو خلق عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے، خلق بروزن افق معزز ہے اور خلق بر قفل دونوں کا ایک معنی ہے مفردات راغب سے استفادہ ہوتا ہے، خلف بر خلق کا مشترک معنی ہے، خلف صفات ظاہری کو کہا گیا ہے اور خلف یا خلق اندرونی صفات کو کہتے ہیں۔ بعض نے اس طرح لکھا کہ خلق اور خلق بمعنی دین وطبیعت ہے اور اس سے انسان کا باطن مراد ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ میں افضل ترین صفت خوش اخلاقی تھی۔

بعض مفسرین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم سے مراد یہ لکھا ہے کہ راہ خدا میں صبر کرنا، بخشش، سختی کا برداشت کرنا، راہ خدا میں دعوت دینا، عفو و درگزر اور جہاد راہ خدا میں، ترک حسد وحرص لکھا ہے،[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے خلق عظیم صرف خوش اخلاقی نہیں مذکورہ صفات کے مجموعہ کا نام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تائید میں ایک روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَدَّبَ نَبِيَّهُ فَاَحْسَنَ اَدَبَهُ فَلَمَّا اَكْمَلَ لَهُ الْاَدَبَ قَالَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ.[۲]

خدا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی تربیت فرمائی جب ان کی تربیت کامل ہوگئی تو فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ.

بعض روایات میں خلق عظیم کو اسلام اور قرآنی آدب سے تفسیر کیا گیا ہے، اس لئے اسلام اور قرآن فضائل اخلاقی پر مشتمل ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حُسن خلق کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

---

[۱] مجموعہ ورّام، جلد 1، صفحہ 123.

[۲] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 242.

اِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَدَّبَ نَبِيَّهُ فَاَحسَنَ اَدَبهُ فَلَمّا اَكمَلَ لَهُ الْاَدَبَ قَالَ اِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ

لوگوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا، پاکیزہ کلام کرنا مسلمان بھائیوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔

انك لعلى خلق عظيم میں حرف (علی) کا استعمال ہوا ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ (علی) معنی تسلط ہے لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حُسن اخلاق پر پورا تسلط تھا۔

تیسری آیت میں لقمان کا ذکر ہوا ہے کہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے اور چار چیزوں کی بڑی تاکید کی گئی ہے، پہلا یہ کہ فرمایا:

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ.

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

پھر فرمایا:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ.

اور اپنی چال (ڈھال) میں میانہ روی اختیار کرو اور دوسرے سے بولنے میں) اپنی آواز دھیمی رکھو۔ کیونکہ آوازوں میں سے تو سب سے بُری آواز (چیخنے کی وجہ سے) گدھوں کی ہے۔

تیسرے اور چوتھے جملے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ.

یہ حکم دوسروں سے ملاقات کے بارے میں ہے، حُسن اخلاق یعنی نرمی سے بات کرو، خندہ پیشانی سے پیش آنا اور تواضع کا اظہار کرنا یہ، لقمان کتنے باعظمت ہیں کہ خداوند عالم نے اپنے کلمات میں آپ کا ذکر فرمایا، لقمان کے بارے میں دوسرا نظریہ بھی ہے، بعض کے نزدیک نبی اور بعض کے نزدیک حکیم شخص تھے۔ "تصعر" "صعر" مادہ سے لیا گیا ہے جو درحقیقت ایک بیماری کا نام ہے جو اونٹ کو لگتی ہے جس سے اس کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے، اس کا روگردانی پر اطلاق

کیا گیا،ممکن ہے یہ بات اس کی طرف اشارہ ہو کہ بدخلقی ایک قسم کی بیماری ہے، جو حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ مومنوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام افراد کے لئے ہے۔خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

اس صفت رزیلہ سے ہر حال میں بچنا چاہئے کیونکہ یہ انسان کو بہت تیزی کے ساتھ تکبر کے راستے پر لے چلتی ہے اور یہ ایسی صفت رذیلہ ہے جس کی وجہ سے لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں سے منہ نہ موڑنا، اگر کوئی شخص تجھ سے بات کرتا ہے تو، توہین کے طور پر چہروں کو دوسری طرف نہ موڑ لینا۔[۱]

جملہ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ذکر ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے درمیان عہد و پیمان جو توحید، احسان، نماز اور زکوۃ کے بارے میں یہ لوگوں کی طرف نسبت ہے، یعنی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی اور اساس ترین دستور خداوند عالم ہے۔در حقیقت انسان کا مال محدود ہے اور سب کی مدد نہیں کر سکتا، لہٰذا حُسن اخلاق سے پیش آنے کا حکم دیا، یہ فنا نہ ہونے والے سرمایہ ہے۔

چوتھی آیت میں خداوند عالم نے بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے، جن سے عہد و پیمان لیا گیا، اس کے بعد خالص توحید، والدین کے ساتھ احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، یتیموں اور مساکین کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

اِنَّكُمْ لَا تَسَعُونَ النَّاسَ بِاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَسَعُهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ؛[۲]

تم لوگوں کو اپنے مال سے سب کو راضی نہیں کر سکتے ہو، لیکن خوش اخلاقی اور حُسن خلق تم سب کے لئے ہے،

اس آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ اَحْسَنَ مَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يُقَالَ لَكُمْ.[۳]

لوگوں سے حُسن اخلاق سے پیش آنا کہ وہ تمہیں اسی سے دوست رکھتے ہیں۔

---

[۱] نور الثقلین، جلد 4، صفحہ 207.

[۲] کنز العمال، جلد 3، صفحہ 6، حدیث 5158.

[۳] تحف العقول/ النص/ 300/ وروی عنہ ※ فی قصار ہذہ المعانی.....ص: 292

یہ درست ہے کہ اس آیت میں مخاطب بنی اسرائیل ہے لیکن قرآن کا ہدف ایک کلی مثال بیان کرتا ہے۔

پانچویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی حتیٰ دشمنوں کو شامل ہے یعنی دشمن سے خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیے، خاص طور پر جہاں دعوت حق دی جائے، اسی لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مامور کیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دیں تو یہ خطاب فرمایا:

اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى ﴿۴۴﴾
قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى . [1]

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ بہت سرکش ہوگیا ہے۔ پھر اسے (جا کر) نرمی سے باتیں کرو تاکہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پالنے والے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی (نہ) کر بیٹھے یا اور زیادہ سرکشی کر بیٹھے۔

اس تعبیر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حق کی دعوت کے لئے امر بالمعروف میں نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ضروری ہے، خوش اخلاقی کا سنگین ترین افراد پر بہت اثر ہوتا ہے۔ان دو کلمات میں تذکرہ و بخشش میں کیا فرق ہے؟ تو یہ کہہ سکتے ہیں اس سے منظور یہ ہے کہ اگر تم نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ اور اپنے مطلب کو صراحت سے بیان کرو کیونکہ دلیل منطقی کو قبول کیا جاتا ہے۔

فخر رازی کہتا ہے، ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس کیوں بھیجا، حالانکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ فرعون اسلام نہیں لائے گا، پھر کہتا ہے، اس قسم کی آیات کے سامنے ہم تسلیم خم ہیں اور اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں۔

لیکن اس سوال کا جواب روشن ہے اور فخر رازی کی طرح کہنا کہ ہم پر مخفی ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں خدا اپنی محبت تمام کرنا چاہتا تھا، حتیٰ ان لوگوں کے بارے میں کہ جو ایمان لانے والے نہیں ان پر خدا حجت تمام فرماتا ہے تاکہ عذاب کے وقت کوئی عُذر نہ کریں اور یہ کہیں کہ اگر رسولؐ ہمارے پاس آئے تو ہم ایمان لاتے، اس سورہ نساء، آیت ۱۶۵، میں خدا فرماتا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۶۵﴾

---

[1] سورۂ طٰہٰ: ۴۳ تا ۴۵

اور (ہم نے نیکوں کو بہشت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب سے)
ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے
اور خدا تو بڑا زبردست حکیم ہے۔

اور یہ کہنا کہ شاید وہ متذکر ہوں یا خدا سے خوف کھائیں اس کا یہ معنی ہے کہ تبلیغ خوش اخلاقی کے ساتھ ہونی چاہیے تا کہ اس کا ہدف پورا ہو سکے، اگرچہ بعض افراد کے ساتھ حُسن اخلاق کا کوئی ثمرہ نہیں ملتا، واضح ہے آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام مخاطب ہیں، لیکن آیت کا معنی تمام مبلغین کو شامل ہے، تمام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والوں کو شامل ہے، نرمی وادب سے ہدایت ممکن ہے لیکن سختی سے برعکس ہوتا نظر آتا ہے۔

چھٹی اور آخری آیت میں دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی وخوش اخلاقی سے پیش آنے کے لئے دستور دیا گیا ہے، اس کا بڑا اثر ہوتا ہے، خداوندعالم فرماتا ہے:

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾

(سخت کلامی کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرو گے) تو (تم
دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔

جالب یہ ہے کہ بعد والی آیت ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾

یہ بات بس ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی لوگوں کو
حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

البتہ اس مرحلے پر پہنچنے پر ہر آدمی کے بس کی بات نہیں کہ بدی کا جواب نیکی سے دیا جائے بلکہ اس کام کے لئے تہذیب نفس اور خودسازی کی ضرورت ہوتی ہے، یہ صرف وہ افراد کر سکتے ہیں جو اپنے دل سے انتقام جوئی کی رگ کو کاٹ دیتے ہیں۔ مذکورہ آیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن، نرمی، خوش بیانی اور خوش اخلاقی کا اعلان کر رہا ہے، پیشوائے اسلام خصوصاً حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا کامل نمونہ ہیں۔ بلکہ آپؐ کا ایک معجزہ اخلاق ہے۔

روایات میں خوش اخلاقی کی اہمیت

خوش اخلاقی اور لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے بارے میں کافی روایات ہیں اور روایات بھی متواتر ہیں، جتنی روایات اس موضوع کے بارے میں ہیں اتنی کسی دوسرے کے لئے نہیں ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت اہم اخلاقی مسئلہ ہے، اب ہم اس موضوع پر دلالت کرنے والی روایات کو ذکر کرتے ہیں؛

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْاِسْلَامُ حُسْنُ الْخُلُقِ.[۱]

اسلام خوش اخلاقی کا نام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ حُسن اخلاق ہے۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

عُنْوَانُ صَحِيفَةِ الْمُؤْمِنِ حُسْنُ خُلُقِهِ.[۲]

سرنامہ اعمال خوش اخلاقی باایمان ہے۔

(۳) ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَكْثَرُ مَا تَلِجُ بِهِ اُمَّتِى الْجَنَّةَ التَّقْوىٰ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ.[۳]

سب سے زیادہ وہ عمل جس سے میری اُمت جنت میں جائے گی وہ خوش اخلاقی اور تقویٰ ہے،

اس روایت میں خوش اخلاقی تقویٰ کے برابر فضیلت میں ذکر ہوئی ہے۔

(۴) ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[۱] کنز العمّال، جلد 3، صفحہ 17، حدیث 5225.

[۲] صحیفۃ ال اِمام الرضا علیہ السلام/ 67 / متن الصحیفۃ

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 100، حدیث 6.

اَکۡمَلُکُمۡ اِیۡمَاناً اَحۡسَنُکُمۡ خُلۡقاً.[۱]

جس کا ایمان جتنا کامل ہوگا اس کا حُسن اخلاق اتنا زیادہ ہوتا ہے۔

آثار و معنوی و مادی

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلۡخُلۡقُ الۡحَسَنُ یُذِیبُ السَّیِّئَۃَ.[۲]

خوش اخلاقی گناہوں کو دھو دیتی ہے یعنی آثار مٹ جاتے ہیں۔

(۲) ایک اور حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ صَاحِبَ الۡخُلۡقِ الۡحَسَنِ لَہُ مِثۡلُ اَجۡرِ الصَّائِمِ الۡقَائِمِ.[۳]

خوش اخلاقی کا ثواب اتنا ہے جیسے کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرتا ہو۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی لَیُعۡطِی الۡعَبۡدَ مِنَ الثَّوَابِ عَلٰی حُسۡنِ الۡخُلۡقِ کَمَا یُعۡطِی الۡمُجَاهِدَ فِی سَبِیۡلِ اللہِ.[۴]

اللہ تعالیٰ، خوش اخلاق شخص کو وہی ثواب عطا کرتا ہے جو راہ خدا میں جہاد کرنے والے شخص کو ملتا ہے۔

(۴) رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حُسۡنُ الۡخُلۡقِ یُثۡبِتُ الۡمَوَدَّۃَ.[۵]

---

[۱] بحارالانوار، جلد 68، صفحہ 387، حدیث 34.

[۲] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 321.

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 100، حدیث 5.

[۴] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 101.

[۵] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 148، حدیث 71.

خوش اخلاقی سے دوستی مضبوط ہوتی ہے۔

(۵) حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا عَیْشَ اَهْنَأُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ.[۱]

کوئی زندگی خوش اخلاقی سے بڑھ کر نہیں ہے۔

(۶) ایک اور روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْبِرُّ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ یَعْمُرَانِ الدِّیَارَ وَ یَزِیدَانِ فِی الْاَعْمَارِ.[۲]

نیکی اور خوش اخلاقی سے گھر آباد ہوتے ہیں اور عمر طولانی ہوتی ہے۔

(۷) حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

حُسْنُ الْاَخْلَاقِ یُدِرُّ الْاَرْزَاقَ وَ یُؤْنِسُ الرِّفَاقَ.[۳]

خوش اخلاقی سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے اور دوستوں کی دوستی زیادہ ہوتی ہے۔

(۸) آپؑ ہی سے ایک روایت ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں:

فِی سِعَةِ الْاَخْلَاقِ کُنُوزُ الْاَرْزَاقِ.[۴]

وسعت خوش اخلاقی میں روزی کے گنج پنہانی ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش اخلاقی کی بڑی اہمیت ہے انسان کی مادی اور معنوی مسائل میں اس کی بڑی تاکید کی گئی ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی بنیادی ترین اُمور میں سے ہے، مندرجہ ذیل اُمور پر توجہ کریں:

(۱) تعریف خوش اخلاقی

خوش اخلاقی ایسا کلمہ ہے جس کو ہر انسان جانتا ہے لہٰذا اگر غور کریں ان معانی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے

---

[۱] غرر الحکم، جلد 6، صفحہ 399.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 100، حدیث 8.

[۳] شرح غرر فارسی، جلد 3، صفحہ 393.

[۴] بحار الانوار، جلد 75، صفحہ 53، حدیث 86.

ہیں،نرمی سے بات کرنا،خندہ پیشانی،خوش اخلاقی کااظہار،ادب کی رعایت،تبسم ، بردباری ان صفات کے مجموعہ کوخوش اخلاقی کہتے ہیں۔

امام جعفرصادق علیہ السلام سے جب خوش اخلاقی کی تعریف کے بارے میں پوچھا گیا،تو آپ نے فرمایا:

تَلِينُ جانِبَكَ وَتُطيِّبُ كَلامَكَ وَتَلْقى اخاكَ بِبِشْرٍ حَسَنٍ.[1]

لوگوں کے ساتھ نرمی اور پاکیزہ بات کرنا اور اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا۔

ایک اور حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش اخلاقی کی تعریف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

انَّما تَفْسيرُ حُسْنِ الْخُلْقِ ما اصابَ الدُّنْيا يَرْضى، وَ انْ لَمْ يُصِبْهُ لَمْ يَسْخَطْ.[2]

حُسن اخلاق کی تعریف یہ ہے کہ جو کچھ دنیا سے ملے اس پر راضی رہے اورخوشحال رہے اور اگر دنیا سے کچھ نہ ملےتو ناراض نہ ہو۔

(۲) آثار وانجام حسن اخلاق

مذکورہ روایات میں ذکر کیے مادی اورمعنوی آثار کی تجزیہ وتحلیل کرنا ضروری ہے۔

خوش اخلاقی کے اجتماعی اور دنیاوی آثار یہ ہیں کہ یہ محبت کا باعث ہے،اس کوتمام لوگ جانتے ہیں کہ کسی سے محبت بھرے الفاظ کہنا اور ادب سے پیش آنے سے انسان اس کا دل جیت لیتا ہے،دوسرے یہ کہ حُسن اخلاق سے شہر آباد ہوتے ہیں اورعمر طولانی ہوتی ہیں،کیونکہ آبادی جھگڑوں اور کشمکش سے ویران ہوتی ہے۔خندوہ پیشانی سے الفت و محبت پیدا ہوتی ہے،جس سے وحدت و اتحاد اور خیر و برکت کا باعث ہے۔اس سے روح کوآرام ملتا ہے جس سے عمر زیادہ ہوتی ہےآج کل ثابت ہو چکا ہے کہ موت کے عوامل میں سے ایک عامل نفسیاتی مرض ہے،محبت سےنفسیاتی طور پر انسان شاد رہتاہے۔خوش اخلاقی سے رزق وروزی میں اضافہ ہوتا ہے،آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہوا جہاز میں ایئر ہوسٹس

---

[1] بحارالانوار،جلد68،صفحہ389،حدیث 42.

[2] کنزالعمال،جلد3،صفحہ17،حدیث 5229.

سوار ہوتی ہیں، لیکن اسلام آج کل کی طرح ریا کاری کا حسن اخلاق کو قبول نہیں کرتا، اگر، مصنوعی بھی ہوتو اثر ضرور ہوتا ہے۔

خوش اخلاقی کا معنوی ثواب خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کی مانند ہے، کیونکہ مجاہد عظمت و سربلندی اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں اس کے علاوہ خوش اخلاق شخص کو اتنا ثواب ملتا ہے، جتنا ایک ایسے شخص کو ثواب ملتا ہے۔ جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کرتا ہے، کیونکہ یہ ایک خودسازی کا طریقہ ہے جو شخص خدا کے لئے نیکی کرتا ہے اس کی روح و جان کو تقویت ملتی ہے خلاصہ یہ ہوا کہ خوش اخلاق انسان اللہ کی بارگاہ میں بھی محبوب ہے اور لوگوں کی نظروں میں بھی، ایسے افراد اپنی زندگی میں کامیاب رہتے ہیں۔

حسن خلق کا سرچشمہ

بعض افراد طبیعی طور پر خوش اخلاق ہوتے ہیں، ایک خدا کا عطیہ ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا، بعض افراد بااخلاق نہیں ہیں، لیکن وہ مشق اور بار بار عمل کر کے اپنے آپ کو با اخلاق بنا سکتے ہیں بد اخلاق شکست کھانے والے انسان ہوتے ہیں، بااخلاق ہونے کے لئے بہترین راہ یہ ہے کہ وہ مذکورہ آثار کی طرف توجہ کرے۔ علمائے اخلاق لکھتے ہیں کہ

> اگر بخیل آدمی پہلے کچھ خرچ کرے تو اس کے لئے بڑا مشکل مرحلہ ہوگا لیکن آہستہ آہستہ اگر وہ مشق کرتا ہے اور کچھ نہ کچھ لوگوں کو عطا کرے تو ایک دن آئے گا کہ جب تک وہ کچھ خرچ نہ کرے اسے چین نہیں آتا، اسی ڈرپوک انسان کو میدان جنگ میں جانا چاہیے تاکہ ان کا ڈر ختم ہو اور شجاع و دلیر بنے۔

اسی طرح غصہ اور شہوت ترک کر کے حد اعتدال اختیار کرنا چاہیے حسد، تکبر، خود پسندی اور بخل اپنے اندر سے نکال دے تاکہ انسان اخلاق سے آراستہ ہو سکے۔

غزالی لکھتا ہے:

> چہرہ اس وقت زیبا ہوتا ہے جب اس کے تمام اعضاء خوبصورت ہوں، مثال کے طور پر صرف آنکھ خوبصورت ہو لیکن ناک اور لب یا پیشانی خوبصورت نہ ہو تو وہ خوبصورتی نہیں ہوتی، لہذا حسن اُس وقت کمال کو پہنچتا ہے جب تمام اعضاء خوبصورت ہوں، حسن خلق میں اگر یہ چار عناصر

شناخت، غضب، شہوت، اور عدالت، حد اعتدال تک نہ ہوں تو یہ زیبائی حاصل نہیں ہوسکتی، بے شک حسن میں موروثی عامل بھی موثر ہے یعنی جس کے والدین خوبصورت ہوں اس کی اولاد بھی خوبصورت ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

حُسنُ الْاَخْلاقِ بُرھانُ کَرَمِ الْاَعْراقِ.[1]

حسن اخلاق بزرگواری کی دلیل اور وراثتی جڑیں ہیں۔

ایک جگہ پر آپؑ نے فرمایا:

اطْهَرُ النَّاسِ اعْراقاً احْسَنُهُمْ اخْلاقاً.[2]

وہ لوگ پاکیزہ ہیں جو با اخلاق ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ یہ ایک نعمت الٰہی ہے اگر لطفِ خدا ہو اور اس کی رحمت شامل حال ہو تو یہ نعمت مل سکتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْاَخْلاقُ مَنایِحُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاذا احَبَّ عَبْداً سَنَحَهُ خُلْقاً حَسَناً وَ اذا ابْغَضَ عَبْداً مَنَحَهُ خُلْقاً سَيّئاً.[3]

اخلاق ایک لطف الٰہی ہے اللہ جس پر لطف کرنا چاہتا ہے اسے خوش اخلاق بناتا ہے اور جب کسی بندے پر غضب کرتا ہے تو اسے بد اخلاق بناتا ہے۔

---

[1] غرر الحکم، حدیث شمارہ 4855.

[2] غرر الحکم، حدیث شمارہ ۳۰۳۲.

[3] بحار الانوار، جلد 68، صفحہ 394، حدیث 64.

سیرتِ معصومین علیہ السلام

اس فضیلت کو پانے کے لئے ہمیں اپنے معصومینؑ کی سیرت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

(۱) امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

میں نے اپنے بابا علی علیہ السلام سے سنا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ہمیشہ تبسم ہوتا تھا، لوگوں پر آسانی کرتے تھے، نرمی سے بات کرتے وہ غصے والے اور سنگ دل نہ تھے وہ فریاد نہیں کرتے تھے، کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے، چاپلوس نہ تھے، کسی سے ناراض نہ ہوتے تھے، امیدواروں کو نا امید نہیں کرتے تھے، تین چیزیں ہمیشہ آپؑ میں نہ تھیں ، مذمت، تجسس اور عیب جوئی، نیچے نگاہ کر کے چلتے تھے کسی کی پہلے بات سنتے اور پھر خود فرماتے، آپؐ اتنے بارعب تھے کہ کسی کو جرأت نہ تھی کہ کوئی ان کے سامنے جھگڑا کرے۔[۱]

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ

حضرت علی علیہ السلام کوفہ جا رہے تھے، اس سفر میں ایک یہودی شخص بھی آپؑ کے ساتھ تھا، جب ایسی جگہ پہنچے کہ جہاں سے ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہتے تھے، تو حضرت علی علیہ السلام چند قدم یہودی کے ساتھ چلے اور پھر واپس آ کر اپنے سفر میں کوفہ کی راہ لی، جب مولا علی علیہ السلام اس کے ساتھ چلے وہ یہودی کہنے لگا کہ آپؑ نے تو کوفہ جانا تھا، آپؑ ہمارے ساتھ آ رہے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا، میں جانتا ہوں لیکن ہمسفر کے آداب ہوتے ہیں تو میرے ساتھ سفر کر رہا تھا لہٰذا میں تجھے رخصت کرنے کے لئے چند قدم آیا ہوں، اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی تربیت دی ہے ، یہودی نے بڑے تعجب سے کہا کہ ، یہ تمہارے پیغمبرؐ کا اخلاق اور اس کی سیرت ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں، جب یہودی مرد نے یہ سنا تو فوراً اسلام لے آیا۔[۲]

---

[۱] جلاء الافہام ابن قیم جوزی، صفحہ 92، مطابق نقل کتاب پرورش روح، جلد 1، صفحہ 79.

[۲] سفینۃ البحار، چاپ جدید، جلد 2، مادہ خلق، صفحہ 692.

امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت ہے کہ

ایک عورت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں آئی اور کہتی ہے، میری ماں بوڑھی ہے ، نماز کے مسائل میں اسے مشکل پیش آتی ہے، میں آئی ہوں تا کہ مسائل پوچھوں آپؑ نے اس عورت کے سوال کا جواب دیا، اس عورت نے پھر سوال کیا، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا، اس عورت نے تیسری بار سوال کیا اور آپؑ نے جواب دیا، دس مسائل اس عورت نے پوچھے، آپؑ نے تمام مسائل کے جوابات دیئے، اس کے بعد کہنے لگی، اب میں تمہیں زیادہ زحمت نہیں دیتی، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی!

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: جو کچھ سوال کرنا ہے کرو اور پھر فرمایا، اگر کسی سے کہا جائے کہ ایک لاکھ دینار لے لو اور اس سنگین وزن کو اوپر لے جاؤ تو کیا یہ اس کے لئے سنگین محسوس ہو گا۔

اس عورت نے کہا: نہیں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: تیرے ہر سوال کے بدلے زمین و آسمان کے اندازوں کے برابر جنتی زمین جس میں لعل و جواہرات ہوں اس کا اجر ملے گا، پھر اس کا بوجھ یا زحمت کیا ہے۔ آپؑ نے سوال کرنے کی شرمندگی کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا، یہ ہمارے لئے درس عبرت ہے۔[1]

(۴) ایک معروف حدیث امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ہے کہ

ایک دن شامی شخص نے امامؑ کو دیکھا کہ آپؑ سواری پر سوار ہیں اور بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، امامؑ نے اسے کچھ نہ کہا، جب اس شامی نے بُرا بھلا کہہ دیا اور چپ ہوا تو امامؑ نے سلام کیا اور مسکرا کر فرمایا: اے شخص کیا تو پردیسی ہے، اور تجھ پر حقائق مخفی ہیں اس کے باوجود بھی مجھے عفوو درگزر کے لئے کہے تو میں بخش دوں گا، اگر تجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں اور تجھے سواری کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں اور تجھے کھانا کھلاتا ہوں، اگر تیرے پاس لباس نہیں تو میں لباس دوں گا اگر تجھے کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو وہ دوں گا، اگر تجھے پناہ چاہیے تو پناہ دوں

[1] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 3.

گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپؑ اس شامی شخص کی ہر حاجت پوری کرنے کے لئے تیار تھے، آپؑ نے فرمایا، اگر تو دعوت قبول کرتا ہے تو چل، تجھے گھر لے جاتا ہوں۔

جب اس شخص نے یہ محبت بھرے الفاظ سنے تو رونے لگا اور فوراً بدل گیا اور کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں، کہ آپ زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں خدا جانتا ہے کہ کس خاندان میں نبوت یا امامت کو قرار دے تمہاری گفتگو سننے سے پہلے تمہارا اور تمہارے باپ کا دشمن تھا لیکن تم دونوں میرے نزدیک محبوب ترین ہو، پھر وہ شخص تھا لیکن امام حسن علیہ السلام کے گھر آیا، جتنے دن رہنا تھا وہاں قیام کیا اور آپؑ کا ہی مہمان رہا۔[1]

(۵) تحف العقول میں ملتا ہے کہ

ایک بوڑھا عیسائی آدمی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے کسی چیز کی ضرورت تھی امامؑ نے فرمایا؛ اپنی آبرو کو محفوظ رکھو اور جس چیز کی تجھے حاجت ہے وہ کاغذ پر لکھ دو میں تیری حاجت پوری کرتا ہوں۔

اس شخص نے کاغذ پر یہ لکھا: اے ابا عبداللہؑ، میں فلاں شخص پانچ ہزار درہم کا مقروض ہوں اور اب وہ مانگتا ہے، مجھے اس سے مہلت لے دو تا کہ کمائی کر کے اسے دوں۔

جب امام نے اس کا لکھا ہوا پڑھا تو اندر تشریف لے گئے اور اشرفیوں کی تھیلی لے آئے جس میں ہزار درہم تھے، آپؑ نے فرمایا: پانچ ہزار درہم کا قرض ادا کرو اور پانچ ہزار درہم دوسری مشکلات کے لئے ہیں، جب بھی تجھے حاجت ہو تو تین قسم کے افراد سے مانگ،

۱ دین دار شخص سے

۲ صاحب شخصیت سے

۳ یا کسی آقا زادہ سے

دین دار شخص دین کی وجہ سے تیری آبرو کو محفوظ رکھے گا

باشخصیت انسان اپنی شخصیت کا حیا کرتے ہوئے تیری حاجت پوری کرے گا

---

[1] بحار الانوار، جلد 43، صفحہ 344.

اور آقا زادہ جانتا ہے کہ تو نے بے موقع سوال نہیں کیا لہٰذا وہ بھی تیری مدد کرے گا۔ [۱]

(۶) چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

ایک شخص دشمن اہل بیتؑ میرے پاس آیا مجھے بُرا بھلا کہنے لگا لیکن میں نے جواب میں کچھ نہ کہا بلکہ اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. [۲]

اور غصّہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگزر کرتے ہیں۔ اور نیکی کرنے والوں سے خدا اُلفت رکھتا ہے

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے امامؑ نے اس کی بداخلاقی کو نظر انداز کر دیا، پھر جب وہ اپنے گھر چلا گیا تو امامؑ بھی اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے دروازے پر آواز دی کہ علی ابن الحسینؑ تم سے ملنے آیا ہے اب جو اس نے سنا کہ امامؑ اس سے ملنے آئے ہیں تو اس نے خیال کیا کہ شاید آپؑ اس سے بدلہ لینے آئے ہے لیکن جب وہ امامؑ کے سامنے آیا تو امامؑ نے فرمایا: اے برادر تم ہمارے پاس آئے تھے اور کچھ کہا تھا یہاں تک کہ بہت سی بری باتوں کی نسبت ہماری طرف دی تھی اگر تم نے سچ کہا تھا تو خداوند قدوس (بہتر جانتا ہے) مجھے معاف کرے اور اگر تم نے جھوٹ کہا تھا تو خداوند قدوس تمہیں معاف کرے۔

جب اس شخص نے امام کی یہ بزرگواری و خوش اخلاقی دیکھی تو بہت شرمندہ ہوا اور اس نے امامؑ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ یہ آپ کہہ رہے ہیں جب کہ میں نے آپ کو کس قدر ناسزا کہا تھا۔ [۳]

(۷) امام محمد باقر علیہ السلام کے حالات میں ملتا ہے:

شامی آدمی مدینہ میں رہتا تھا، ایک امام کی محفل میں آیا اور کہنے لگا، یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری محبت میں آیا ہوں بلکہ میرے نزدیک تجھ سے بڑھ کر مبغوض ترین نہیں ہے تمہارے ساتھ

---

[۱] تحف العقول، صفحہ 178.

[۲] آل عمران: ۱۳۴

[۳] منتہی الآمال، جلد 2، صفحہ 4.

دشمنی اللہ کی اطاعت ہے، رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے لیکن تیرے کلام میں فصاحت و بلاغت ہے لہٰذا میں خوش ہوا ہوں جس کی وجہ سے تیری محفل میں آیا ہوں،

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

لَنۡ تَخۡفٰی عَلَی اللہِ خافِیَۃٌ.

خدا پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے

کافی عرصہ گزرنے کے بعد امامؑ کو پتہ چلا کہ وہ شامی شخص بیمار ہو گیا ہے اور اپنی وصیت لکھ چکا تھا، اور اپنے وارثوں کو لکھا کہ میری نماز جنازہ امام محمد باقر علیہ السلام پڑھیں، جب وہ مرا اور امامؑ کو بلایا گیا، امامؑ آئے اور بلند آواز سے مرے ہوئے شخص کو آواز دی، مرے ہوئے شخص نے لبیک یابن رسول اللہؐ کہا، آپؑ نے اسے بٹھایا اور ہلکی غذا دی، پھر فرمایا: اس کے سینے اور شکم کو ٹھنڈا کرو۔

کچھ دیر بعد وہ شخص ہوش میں آ گیا، امامؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؑ حجت خدا ہیں اور جو آپؑ سے تمسک نہیں کرتا وہ گمراہ ہے،

آپؑ نے پوچھا: کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا مجھے کوئی شک نہیں کہ میری روح قبض ہو چکی تھی، موت کو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا، اچانک میں نے آواز سنی کہ اس کی روح کو واپس پلٹایا جائے۔[1]

(۸) امام جعفر صادق علیہ السلام کے حالاتِ زندگی میں ملتا ہے کہ مفضل کہتا ہے کہ

ایک دن نماز عصر کے بعد روضہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھا ہوا تھا، اچانک میں نے ابن ابی العوجاء کو دیکھا جو ایک ملحد فرد تھا۔ وہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کر رہا تھا، اس کے ایک ساتھی نے پوچھا اور ایک فلسفی مرد تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، لوگوں کے لئے معجزے لے آیا، جب لوگ اس کا دین قبول کرنے لگے تو اس نے اپنا نام خدا کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا پانچ وقت کی نماز کی اذان میں اللہ کے نام کے بعد اس کا نام آتا ہے ابن ابی العوجاء نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بات نہ کرو کیونکہ ان کے بارے میں میری عقل بھی حیران ہو جاتی ہے۔

مفضل کہتا ہے کہ مجھے بہت غصہ آیا، میں نے اسے کہا: اے دشمن خدا! تو نے الحاد کی راہ

---

[1] منتہی الآمال، جلد 2، صفحہ 63 (با تلخیص).

اختیار کر لی ہے تو خدا کا انکار کرتا ہے حالانکہ خدا کی خدائی تیرے وجود میں نظر آتی ہے ایسی باتیں مت کہو، علم کلام سے بات کرو، اگر قائل کرنے والی دلیل ہے تو وہ بتاؤ، تا کہ ہم بھی قبول کریں، اگر تو عالم نہیں تو ہم تیرے ساتھ گفتگو نہیں کرتے، وہ ایک عاقل انسان ہیں اور تلخ کلام نہیں کرتے وہ بااستقلال باتیں کرتے ہیں، ہمیں عاجز کر دیتے ہیں، اگر تو ان کے اصحاب میں سے ہے تو ایسی کلام سے گفتگو کیوں کرتے ہو۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ضدی اور دشمن کے لئے بھی نرمی سے گفتگو کرتے ہیں۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کاظم علیہ السلام کے حالات زندگی میں ملتا ہے کہ

خلیفہ دوم کے زمانے کا ایک آدمی مدینہ میں تھا جو امام کو بہت تکلیفیں دیتا تھا، حضرت علی علیہ السلام کو بُرا بھلا کہتا تھا، آپؑ کے بعض صحابی کہتے تھے کہ ہمیں اجازت دیں، ہم اسے قتل کر دیں، اس کے سر کا دفاع کریں، امام نے سختی سے منع کیا، اور پوچھا: ہمارے دشمن کا کیا مقام ہے،

لوگوں نے عرض کیا: یہ مدینے کے گاؤں میں زراعت کرتا ہے۔

امامؑ سواری پر سوار ہو گئے اور اس کے کھیت کی طرف آئے اور دیکھا کہ وہ مرد چلّا رہا ہے کہ تم میری زراعت کو پامال کر رہے ہو،

امام نے توجہ نہ کی اور اس کے پاس آئے اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اور پوچھا: تو نے اس زمین پر کتنا خرچ کیا۔

اس نے کہا: سو دینار،

امامؑ نے پوچھا: تجھے اس سے کتنا فائدہ ہونے کی امید ہے۔

اس نے عرض کیا: مجھے علم غیب نہیں آتا،

آپؑ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تجھے کتنا ملے گا؟

اس نے عرض کیا: دوسو دینار۔

امامؑ نے فرمایا، یہ تین سو درہم لے لے اور زراعت بھی رکھ،

---

[1] بحارالانوار، جلد 3، صفحہ 57 و 58 (باتلخیص ونقل بہ معنی).

وہ مرد اُٹھا آپؑ کے سر مبارک کا بوسہ لیا،

امامؑ واپس مسجد نبوی میں آ گئے، اچانک آپؑ نے اس آدمی کو مسجد میں دیکھا کہ ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے جب اس پر امام کی نگا پڑی تو وہ کہنے لگا، خدا بہتر جانتا ہے کہ کس خاندان میں نبوت یا امامت قرار دے۔

اس کے ساتھیوں نے کہا: پہلے سخت لب و لہجہ رکھتا تھا لیکن آج بڑی نرمی سے پیش آ رہے ہو، اس کا راز کیا ہے؟

اب امامؑ نے اپنے صحابہ سے پوچھا کہ تم تو اسے قتل کرنا چاہتے تھے اب کیا کہتے ہو؟[1]

(۱۰) امام علی رضاؑ کے حالات میں ملتا ہے کہ آپؑ کا صحابی اس کو نقل کرتا ہے:

میں امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپؑ کی مجلس میں لوگوں کا بڑا اجتماع بھی تھا، لوگ حرام و حلال کے بارے میں پوچھ رہے تھے، اچانک ایک بلند قد و قامت والا مرد حاضر ہوا، سلام کیا اور کہنے لگا: میں تمہارے دوستوں میں سے ہوں، تمہارے آباء واجداد کا بھی دوست ہوں، میں حج سے واپس آ رہا ہوں، توشہ راہ کم ہو گیا ہے مجھے اتنا دو کہ میں اپنی منزل ومقصود تک پہنچ جاؤں، جب میں اپنے شہر پہنچ گیا تو تمہارا دیا مال واپس کروں گا، کیونکہ میں صدقہ کا مستحق نہیں ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو بیٹھو، پھر آپؑ نے لوگوں سے گفتگو جاری رکھی، جب لوگ چلے گئے۔ بعد میں وہ شخص آپؑ کے ساتھ آپ کے گھر آیا تو آپ ایک کمرے کے اندر تشریف لے گئے، کمرے سے واپس باہر آنے کی بجائے اندر ہی سے آواز دی کہ وہ خراسانی مرد کہاں ہے؟

اس شخص نے کہا حاضر ہوں۔

آپؑ نے اندر سے ہاتھ باہر نکالا جس پر پیسوں کی ایک تھیلی رکھی ہوئی تھی فرمایا: یہ دوسو درہم لے لو اور یہ تمہارے راستے کا خرچہ ہے اور مجھے واپس نہ کرنا، جاؤ اب بہتر ہے تم مجھے نہ دیکھو اور میں تمہیں نہ دیکھوں۔

---

[1] اعیان الشیعہ، جلد 2، صفحہ 7.

جب وہ مرد چلا گیا تو ایک حاضر شخص نے پوچھا: میں قربان جاؤں آپؑ نے اس سے محبت کا اظہار کیا، لیکن پھر پیسے دیتے وقت اس کے سامنے کیوں نہیں آئے۔

آپؑ نے فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آئیں گے۔[۱]

(۱۱) امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ داستان ملتی ہے کہ

آپؑ کے ایک صحابی کہتے ہیں، میں امامؑ کی خدمت میں حاضر تھا، مولا کی کنیزوں میں سے ایک کنیز کی بھیڑ گم ہوگئی تھی، لوگوں نے ایک ہمسایہ پکڑ لیا اور زمین پر گھسیٹنا شروع کر دیا اور امامؑ کی خدمت میں لے آئے اور کہا اس نے ہماری بھیڑ چوری کی ہے اس کا لباس انھوں نے پھاڑ دیا تھا حالانکہ وہ خدا کی قسمیں دیتا رہا کہ اس نے چوری نہیں کی۔

امامؑ نے فرمایا: وائے ہو تم پر، اس مرد پر تم نے ظلم کیا ہے بھیڑ خود ہی اس کے گھر چلی گئی تھی۔

پھر امامؑ نے فرمایا: تم لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑے ہیں لہٰذا اس کا خسارہ پورا کرو اور اسے راضی بھی کرو۔[۲]

(۱۲) امام علی نقی علیہ السلام کے حالات حیات میں اس طرح ملتا ہے کہ

آپؑ کے ایک ابو ہاشم جعفری نامی صحابی نے نقل کیا کہ ایک وقت اس پر سخت تھا لہٰذا وہ امام کی خدمت میں گیا تا کہ امام کو اس کی شکایت کرے، اس سے پہلے کہ بات کرے۔

امامؑ نے پوچھا: اے ابو ہاشم اللہ کی کسی ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہتے ہو؟

ابو ہاشم کہتا ہے، میں ناراض ہوگیا اور چپ رہا، مجھے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ امامؑ کو کیا جواب دوں۔

امامؑ نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا اور فرمایا: خدا نے تجھے ایمان دیا، جس کی وجہ سے تیرے بدن پر دوزخ کی آگ حرام ہے، خدا نے تجھے تندرستی وسلامتی عطا فرمائی ہے۔

اے ابو ہاشم! میں نے اس لئے پہلے کلام کرنا شروع کیا کہ شاید تو شکایت کرے، میں

---

[۱] فروع کافی، جلد 4، صفحہ 23، حدیث 3، با کمی تلخیص.

[۲] بحارالانوار، جلد 50، صفحہ 47.

نے حکم دیا کہ تجھے ایک سو دینار دیئے جائیں، انھیں لے لو، آپؑ کی اس مہربانی سے وہ خوشحال ہو گیا ، حالانکہ ابھی اس نے امامؑ سے شکایت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔[۱]

(۱۳) مرحوم کلینی اصول کافی کی جلد ۱، میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام زندان میں تھے اور ان پر ایک سخت دشمن اہلبیتؑ داروغہ تھا، اسے حکم دیا گیا کہ وہ امامؑ پر بڑی سختی کرے، لیکن ایک دن میں وہ شخص بدل گیا اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے قدموں میں جا گرا آپؑ کے پاؤں پر ماتھا رکھ کا اوپر نہ دیکھا، جب باہر آیا تو امامؑ کا دوست گیا تھا اور آپؑ کی ہمیشہ تعریف کرتا تھا۔[۲]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی عبادت اور خوش اخلاقی کا اتنا اثر ہوا کہ سخت دشمن دوست میں بن گیا۔

(۱۴) اس طرح امام مہدی علیہ السلام کی زندگی کے واقعات میں سے ملتا ہے کہ آپؑ نے لوگوں کو اخلاق اور عبادت سے تربیت کیا ہے، یہ سیرت پیشوائے اہل بیتؑ تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے مہربان، با اخلاق اور سخی تھے۔[۳]

بداخلاقی کے آثار

حسن اخلاق کے مقابلے میں بداخلاقی ہے جسے بدزبانی بھی کہا جا سکتا ہے، بداخلاق افراد معاشرے کے لئے ایک بڑی مصیبت شمار ہوتے ہیں، بداخلاقی سے نفرت پھیلتی ہے لوگ دور ہو جاتے ہیں، لوگ ایسے افراد کے پاس بہت کم جاتے ہیں، صرف مجبوری کی حالت اور ضرورت کے وقت لوگ جاتے ہیں، مجبوری کے علاوہ لوگ انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے، اور اسے لعنتی کہتے ہیں اگر بداخلاقی کا مرض عالم میں ہو تو یہ ایک بڑا خطرہ ہے، کیونکہ لوگوں کے لئے عالم نمونہ عمل ہوتا ہے اور وہ اس مرض میں مبتلا ہو جائے تو لوگ اس سے دور بھاگیں گے، اور دین سے دوری اختیار کریں گے، اسی وجہ سے روایت میں بداخلاقی کی بڑی مذمت ہوئی ہے، اب ہم چند روایات کا ذکر کرتے ہیں، توجہ فرمائیں:

---

[۱] بحارالانوار، جلد 50، صفحہ ۱۲۹.

[۲] اصول کافی، جلد 1، صفحہ 508، حدیث 8.

[۳] جنۃ الماءوی کہ بہ ضمیمہ جلد 53، بحارالانوار چاپ شدہ، صفحہ 240.

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَسُوءَ الْخُلُقِ فَاِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ فِی النَّارِ لَا مُحَالَةَ۔ [۱]

بداخلاق شخص سے پرہیز کریں کیونکہ اس عمل کا انجام آگ ہے۔

(۲) آپؐ سے ہی منقول ہے کہ بداخلاقی ایک ایسا گناہ ہے جس کی توبہ نہیں ہے اور فرمایا:

ابی اللهُ لِصاحِبِ الخُلُقِ السَّیِّیِ بِالتَّوْبَةِ۔ [۲]

اچھے اخلاق کے مالک کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے اور کیوں؟ آپؐ نے فرمایا:

لِاَنَّهُ اذا تابَ مِنْ ذَنْبٍ وَقَعَ فی اعْظَمَ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِی تابَ مِنْهُ۔ [۳]

کیونکہ جب وہ گناہ سے توبہ کرتا ہے تو ایک گناہ میں مبتلاء ہو جاتا ہے، جو اس گناہ سے بھی بڑا ہوتا ہے۔

شاید اس نکتہ کی طرف اشارہ ہو جب بداخلاق شخص توبہ کرتا ہے تو اس کے وجود میں آثار باقی رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور اکثر بداخلاق افراد توبہ کرنے پر موفق ہوتے ہیں۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام نے بداخلاقی کو بدترین مصیبت شمار کیا ہے اور فرمایا:

اَشَدُّ الْمَصائِبِ سُوءِ الْخُلُقِ۔

سب سے بڑی مصیبت بداخلاقی ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہے کہ معاشرے میں لوگوں کی نظروں میں انسان گر جاتا ہے اور لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں۔

(۴) آپؑ ہی نے فرمایا:

لا وَحْشَةَ اوْحَشُ مِنْ سُوءِ الْخُلُقِ۔ [۴]

---

[۱] بحارالانوار، جلد 68، صفحہ 383.

[۲] بحارالانوار، جلد 70، صفحہ 299.

[۳] عیون اخبار الرضا، جلد 2، صفحہ 37، بہ نقل از پرورش روح، جلد 1، صفحہ 83.

[۴] شرح غرر، جلد 6، صفحہ 400.

بداخلاقی سے بڑھ کر کوئی وحشت نہیں ہے۔

(۵) ایک حدیث میں منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا:

لا عَيْشَ لِسَيِّئِ الْخُلُقِ.[۱]

بداخلاق شخص کی زندگی نہیں ہوتی۔

کیونکہ خود بھی زحمت میں ہوتا ہے اور دوسروں کو عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔

(۶) آپؑ ہی نے فرمایا:

لا سُؤدَدَ لِسَيِّئِ الْخُلُقِ.[۲]

معاشرے میں بداخلاق انسان کو کوئی خاص مقام نہیں ملتا،

کیونکہ مقام حاصل کرنے کی پہلی شرط دوست اور خوش اخلاقی ہے۔

(۷) حضرت علی علیہ السلام ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

الْمُؤْمِنُ لَيِّنُ الْاريكة، سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ، الْكافِرُ شَرَسُ الْخَلِيْقَةِ سَيِّئُ الطَّرِيْقَةِ.[۳]

مومن نرم اور با اخلاق ہوتا ہے اور کافر بدچلن اور بداخلاق ہوتا ہے۔

پس خوش اخلاقی ایمان کی نشانی اور بداخلاقی کفر کی نشانی ہے۔

بداخلاقی کا علاج

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ بداخلاقی بدترین صفت ہے اور اس کے خطرناک آثار ہوتے ہیں، لہٰذا جو افراد اس بُری صفت میں مبتلاء ہیں انھیں جلد از جلد علاج کا سوچنا چاہیے، علمائے اخلاق کے درس اخلاق پر انھیں توجہ دینی چاہیے۔

---

[۱] شرح غرر، جلد 6، صفحہ ۳۵۹.

[۲] شرح غرر، جلد 6، صفحہ ۳۵۹.

[۳] شرح غرر جلد 1، صفحہ 364، حدیث 1381.

یہ نکتہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ انسان اس بُری صفت کوختم کرنے کے لئے مشق اور ریاضت سے کام لیں، آہستہ آہستہ با اخلاق ہونے کی کوشش کریں اور با اخلاق افراد کے ساتھ میل جول رکھیں بعض لوگ اعصاب کے مریض ہوتے ہیں یا شوگر کے مریض ہوتے ہیں جن کو زیادہ غصہ آتا ہے لہٰذا ایسے افراد کو بھی جسمانی علاج کرنے کی بہت ضرورت ہے، بعض اوقات بُری محفل اور بد اخلاق لوگوں کے ساتھ رہنے سے انسان بد اخلاق بن جاتا ہے لہٰذا ایسے افراد سے تعلق قطع کرنا چاہیے۔

مذاق اُڑانا

اسلام میں ہر چیز کی حد بندی ہوتی ہے، مذاق کی بھی ایک حد ہے، اگر حد اعتدال میں ہو تو نہ صرف گناہ نہیں بلکہ حسن اخلاق میں سے ہے اور اگر حس سے بڑھے اور گناہ سے آلودہ ہو تو یہ ایک بُری صفت بن جاتا ہے، اور برے آثار ہوتے ہیں۔لوگوں کی اہانت کرنا مذاق نہیں بلکہ گناہ ہے اہل بیتؑ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاق حد اعتدال میں جائز ہے، اب ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جن میں مذاق کو اچھا فرمایا گیا اور پھر ان روایات کو ذکر کریں گے جن میں مذاق کی بڑی مذمت ہوئی ہے۔

(۱) حضرت علی علیہ السلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ(صلى الله عليه وآله) لَيَسُرُّ الرَّجُلَ مِنْ اَصْحابِهِ اِذا رَآهُ مَغْمُوماً بِالْمُداعَبَةِ.[1]

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی صحابی کو غمگین دیکھتے تو اس سے مذاق کرتے تا کہ وہ خوشحال ہو جائے، ہاں ایسے مذاق کا مطلوب ہدف ہے۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

كَيْفَ مُداعَبَةُ بَعْضِكُمْ بَعْضاً.

تم کس طرح ایک دوسرے سے مذاق کرتے ہو؟

---

[1] مستدرک الوسائل، جلد 8، صفحہ 408.

اس نے جواب دیا، ہم بہت کم مذاق کرتے ہیں،

امامؑ نے فرمایا:

فَلا تَفْعَلُوا فَإِنَّ الْمُداعَبَةَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَ إِنَّكَ لَتُدْخِلُ بِها السُّرُورَ عَلى أَخِيكَ وَ لَقَدْ كانَ رَسُولُ اللهِ(صلى الله عليه وآله) يُداعِبُ الرَّجُلَ يُرِيدُ أَنْ يَسُرَّهُ.[1]

مذاق کو ترک نہ کرو کیونکہ، مذاق خوش اخلاقی ہے، اس سے مومن بھائی کا دل خوش ہوتا ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مذاق کرتے تھے تا کہ لوگ خوشحال ہوں۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک اور روایت نقل ہوئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ما مِنْ مُؤْمِنٍ إِلّا وَ فِيهِ دُعابَةٌ،

قُلْتُ، وَ مَا الدُّعابَةُ

قالَ، الْمَزاحُ.[2]

کوئی مومن ایسا نہیں جس میں دعابہ نہ ہو،

راوی کہتا ہے؛ میں نے سوال کیا کہ دعابہ کیا ہے،

آپؑ نے فرمایا: دعابہ سے مراد مذاق ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو خشک نہیں ہونا چاہیے، حد کے اندر رہتے ہوئے لوگوں سے مذاق کرنا خوش اخلاقی ہے۔

(۴) سیرت معصومین علیہم السلام میں ملتا ہے کہ وہ دوسروں کو شوق دلاتے کہ مذاق کیا کریں تا کہ لوگوں کی خوشحالی کا باعث ہو۔ مرحوم کلینیؒ کافی میں لکھتے ہیں کہ

ایک دیہاتی آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپؐ کو ہدیہ دیتا تھا، ایک دن ہدیہ لے آیا اور پھر عرض کیا یہ رقم میری طرف سے ہدیہ قبول فرمائیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے، لہٰذا جب کبھی آپؐ غمگین ہوتے تو فرماتے، وہ دیہاتی آدمی کہاں ہے، اے کاش

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 663، حدیث 3.

[2] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 663، حدیث ۲.

وہ آتا![1]

(۵) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول روایات ہیں جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذاق ہیں،

ایک اُم ایمن نامی عورت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی میرے شوہر نے آپ کی دعوت کی ہے،

آپؐ نے پوچھا، تیرا شوہر کون ہے؟ وہ مرد جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟

عورت نے عرض کیا، خدا کی قسم اُس کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے،

عورت نے کہا، لا واللہ، خدا کی قسم نہیں،

آپؐ نے فرمایا، ہر آدمی کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔[2]

اس کے مقابلے میں بہت سی روایات ہیں جو مذاق سے منع کرتی ہیں۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَ الْمِزَاحَ فَإِنَّهُ يَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ وَمَهَابَةِ الرِّجَالِ.[3]

مذاق کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے انسان کی آبرو ریزی ہوتی ہے۔

(۲) ایک اور حدیث میں آپؑ فرماتے ہیں:

إِذَا أَحْبَبْتَ رَجُلًا فَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تُمَارِهِ.[4]

جب تم کسی کو دوست رکھتے ہو تو اس کے ساتھ مذاق نہ کرو اور اس کے ساتھ بحث نہ کرو۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَ الْمِزَاحَ فَإِنَّهُ يَجُرُّ السَّخِيمَةَ وَ يُورِثُ الضَّغِينَةَ وَ هُوَ السَّبُّ الْأَصْغَرُ.[5]

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 663، حدیث ۱۔

[2] تنبیہ الخواطر، جلد 1، صفحہ 112.

[3] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 665، حدیث 16.

[4] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 664، حدیث 9.

[5] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 664، حدیث 12.

مذاق کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ کینہ اور دشمنی کا سبب ہے اور گالیاں شمار ہوتی ہیں۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُمَازِحْ فَيُجْتَرَءُ عَلَيْكَ.[1]

تم مذاق نہ کرو لوگ تجھ پر جری نہیں ہوں گے۔

پس ان روایات سے معلوم ہوا کہ مذاق نہیں کرنا چاہیے اس سے انسان کی آبرو ختم ہو جاتی ہے، لوگ حقیر نظر آتے ہیں، دشمنی کا سبب ہوتا ہے، پہلی روایات میں مذاق کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن ان احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، یہ قابل توجہ ہے۔

مذاق ایک پیچیدہ عمل ہے، اس کی ایک حداعتدال ہے اگر حد سے بڑھ کر مذاق کریں تو اس کے بُرے آثار ہوتے ہیں لیکن اگر مذاق حداعتدال میں ہو اور لوگوں کو خوشحال کرنے کے لئے ہو تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ حسن اخلاق میں سے ہے، ایسا مذاق مطلوب ہے اور اللہ بھی راضی ہوتا ہے، اگر مذاق انتقام جوئی کے قصد سے ہو یا کسی کی اہانت کی وجہ سے ہو تو ایسا مذاق ممنوع ہے، اس سے کینہ وعداوت پیدا ہوتی ہے، بعض لوگوں کے اہداف شیطانی ہوتے ہیں اور وہ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے مذاق کا سہارا لیتے ہیں، ایسا مذاق اللہ کو پسند نہیں اور گالیوں سے بھی بدتر ہے۔

بعض عارف لوگ مذاق نہیں کرتے اور اس طرح کچھ خشک متقی افراد بھی مذاق نہیں کرتے کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ کسی کی اہانت نہ ہو جائے بعض بزرگ افراد کا قول ہے:

اَلْمِزَاحُ فِي الْكَلَامِ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ.

باتوں میں مذاق، کھانے میں نمک کی مانند ہے،

زیادہ مذاق کرنے سے بھی انسان لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ كَثُرَ هَزْلُهُ بَطَلَ جِدُّهُ.[2]

جو شخص زیادہ مذاق کرتا ہے وہ خاندانی طور پر ہوتا ہے۔

بعض دفعہ مذاق کا خاص ہدف ہوتا ہے اگر اخلاقی وتربیتی نکات پر منحصر ہو تو وہ خوش اخلاقی شمار ہوتا ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد 2، ہمان، صفحہ 665، حدیث 18.

[2] غرر الحکم، شمارہ 8356، جلد 5، صفحہ 279.

۶۔امانت وخیانت

فضائل اخلاق میں سے ایک امانت ہےقرآن وسنت میں اس کی بڑی تاکید کی گئی ہے،اس کے برعکس خیانت گناہاں کبیرہ میں سے ہے اوراس کی سخت مذمت کی گئی ہے، انسانی معاشرے کا اصلی سرمایہ امانت ہے اس سے تعلقات ایک دوسرے سے قائم ہوتے ہیں ۔ حالانکہ خیانت جوتعلقات ختم کر کے رکھ دینے والی جلتی ہوئی آگ ہے،خیانت سے معاشرے میں ہرج ومرج ،غربت اور بدبختی ہوتی ہے، امانت ایک ایسی صفت ہےجس سے اللہ اورمخلوق کے درمیان رابطہ ہے اسی انسانوں کا ایک دوسرے سے ایک قسم کا رابطہ ہوتا ہے،آسمانی کتب اور دین الٰہی خدا کی طرف سے لوگوں کے لئے امانت ہیں۔جسم میں ہاتھ، پاؤں،آنکھ،ناک،کان،دفاع سب خدا کی طرف سے عطا کردہ نعمتیں ہیں۔

مال و دولت اور مقام سب اللہ کی امانت ہیں، والدین کی اولاد، اوراستاد کے شاگرسب اللہ کی نعمتیں شمار ہوتی ہیں، پانی، زمین، ہوا اور جو کچھ زندگی کےضروری اشیاء ہیں سب اللہ کی نعمتیں ہیں اب ہم ان آیات قرآنی کا ذکر کرتے ہیں جن میں امانت کا ذکر ہوا ہے،قرآن مجید میں امانت واحداورجمع دونوں صورت میں باربار ذکر ہوئی ہے۔

انبیاءؑ میں چھے انبیاءؑ کے لئے کہ من جملہ "اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ"میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے لئے سورہ شعراء، آیت ۱۰۷ میں اور سورہ ھود، آیت ۱۲۵، جناب صالح علیہ السلام کے لئے سورہ شعراء آیت ۱۴۳، حضرت لوط علیہ السلام کے لئے سورۂ شعراء آیت ۱۶۲، حضرت شعیب علیہ السلام کے لئے سورۂ شعراء آیت ۱۷۸ اورحضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سورۂ دخان، آیت ۱۸ میں ذکرآیا ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی

ہوسکتا ہے کہ، خدا نے رسالت کے ساتھ امانت کو ذکر کیا ہے، رسالت کے ساتھ اگر امانت نہ ہوتی تو لوگ اعتماد کیسے کرتے؟

اب ان آیات پر توجہ فرمائیں۔ ان میں مکمل امانت الٰہی کا ذکر ہوا ہے۔

① ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ [1]

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔

② ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ [2]

(اے ایماندارو) خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں امانت رکھوانے والوں کے حوالے کردو۔ اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ خدا تم کو اس کی کیا ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ خدا (سب کی) سُنتا (اور سب کچھ) دیکھتا ہے۔

③ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [3]

اے ایماندارو نہ تو خدا اور رسولؐ کی (امانت میں) خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو۔

④ ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔ [4]

---

[1] مؤمنون::8، معارج::32

[2] نساء::58

[3] انفال:27

[4] بقرہ:283

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ ملے (اور قرض دینا ہو) تو رہن یا قبضہ رکھ لو اور اگر تم میں سے ایک کا ایک کو اعتبار ہو تو (یوں ہی قرض دے سکتا ہے) مگر پھر جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہے (قرض لینے والا) اس کو چاہیے کہ قرض دینے والے کی امانت (قرض) پورا پورا ادا کر دے۔ اور اپنے پالنے والے خدا سے ڈرے (مسلمانو) تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گنہگار ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو خدا اس کو (خوب) جانتا ہے۔

۵۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔[1]

بے شک ہم نے (روز ازل) اپنی امانت (اطاعت عبادت) کو سارے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کے (بار) اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اسے (بے تامل) اٹھالیا بے شک انسان (اپنے حق میں) بڑا ظالم (اور) نادان ہے۔

تفسیر اور خلاصہ:

پہلی آیت میں حقیقی مومنین کی صفات بیان ہوئی ہیں، اور انھیں فلاح پانے کی بشارت دی گئی ہے کہ اس کے بعد نماز کی اہمیت بیہودگی سے پرہیز، زکات کی ادائیگی اور ہر قسم کے جنسی تعلقات سے پرہیز کا ذکر ہوا ہے، پانچویں اور چھٹی آیات میں حفظ امانت اور عہد و پیمان کی پابندی کا مسئلہ بیان ہوا ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔

اس قسم کی تعبیر سورۂ معارج آیت ۳۲، میں نیک لوگوں کی صفات کے ضمن میں ذکر آیا ہے، قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں امانت جمع لفظ آیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امانت کی اقسام ہیں۔

تمام مفسرین نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں امانت سے مراد صرف مادی نعمتیں نہیں بلکہ

---

[1] احزاب: 72

معنوی نعمتوں کو بھی شامل ہے، جیسے قرآن، عبارت، دستور الٰہی اور وظائف شرعیہ اللہ نے انسان کو مختلف نعمتیں عطا کی ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی مومن وہ انسان ہے جو ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے، (واوء عاطفہ) درمیان عہد اور امانت کے درمیان آئی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے دونوں کی ایک اصل ہے کیوں عہد خلافی ایک قسم کی خیانت ہے اور عہد و پیمان پر عمل کرنا اور ایک قسم کی امانت ہے کلمہ ''راعون'' استعمال ہوا ہے جو رعایت سے نکلا ہے۔ امانت ایک دفع فردی ہوتی ہے یعنی ایک شخص کے پاس امانت ہوتی ہے جسے کوئی شخص اپنی چیز کو دوسرے کے پاس امانت رکھتا ہے اور ایک دفعہ امانت اجتماعی ہوتی ہے، قرآن کی حفاظت و دستور الٰہی ایسی امانتیں ہیں جو معاشرے کو سپرد کی گئی ہیں اور معاشرہ کوئی ایک فرد نہیں بلکہ لوگوں کے مجموعے کا نام ہے۔

دوسری آیت میں دو دستور بیان ہوئے ہیں، پہلا دستور امانت اور دوسرا دستور عدالت کے بارے میں ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا.

(اے ایماندارو) خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں امانت رکھوانے والوں کے حوالے کردو۔ اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ خدا تم کو اس کی کیا ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ خدا (سب کی) سُنتا (اور سب کچھ) دیکھتا ہے۔

عادلانہ حکومت اور لوگوں کے درمیان درست فیصلے کی بڑی اہمیت ہے، حالانکہ اس سے پہلے امانت کے دستور کا ذکر آیا ہے عادلانہ حکومت بھی ایک قسم کی امانت ہے،

تفسیر کبیر میں فخری رازی امانت کی تین اقسام لکھتا ہے:

۱۔ امانت الٰہی،

۲۔ لوگوں کی امانتیں

۳۔ اپنی ذاتی امانتیں،

پھر ہر ایک کی وضاحت کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ایک امانت خدا ہے، اس کی مختلف مصادیق بیان کرتا ہے، از جملہ، امانت زبان، امانت آنکھ اور کان کا کرتا ہے، زبان سے گالیاں نہ دی جائیں، آنکھ سے نامحرم پر نظر نہ پڑنے اور کان سے کسی کی غیبت نہ سنے۔

لوگوں کی امانتوں میں وہ مراد ہیں جو ایک دوسرے کے پاس رکھتے ہیں، کم فروشی، ترک غیبت، حکومتی مسائل میں رعایت کرنا، لوگوں کو باطل پر نہ بھڑکانا۔[1]

اس آیت کے شانِ نزول سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے،

شانِ نزول میں یہ ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں فاتح کے طور پر داخل ہوئے تو کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو بلایا اس سے کعبہ کی چابی لی اور کعبہ کو اندار سے بتوں سے پاک کیا گیا، اس کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس نے چابیاں لینے کا تقاضا کیا لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہ کیا، اور دوبارہ عثمان بن طلحہ کو دے دیں اس آیت کی تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں امانت رکھوانے والوں کے حوالے کردو۔

حالانکہ عثمان بن طلحہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

تیسری آیت میں واضح طور پر تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) خدا سے خیانت (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیانت (۳) لوگوں کی ایک دوسرے کی امانتیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اے ایماندارو! نہ تو خدا اور رسولؐ کی (امانت میں) خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو۔

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ اس امانت سے مراد اللہ اور اس کے رسولؐ ہیں کہ ان سے خیانت کی گئی ہے، بعض ضعیف الایمان افراد اپنے ذاتی مفاد کے خاطر مشرکین کے لئے پراپیگنڈے کرتے تھے لیکن خدا نے اپنے پیغمبر کو

---

[1] تفسیر فخر رازی، جلد 10، صفحہ 139. (ذیل آیہ مورد بحث

اس سے آگاہ کر دیا جن میں ایک نمونہ ابولبابہ کی داستان ہے کہ اس مسلمانوں کی فوجی راز بنی قریظہ جیسے سخت دشمن کو جا کر بتادیئے یا مسلمانوں نے رسول خداﷺ کی ابوسفیان کی طرف حرکت کو فاش کر دیا۔

بعض لوگ اللہ کے وظائف میں خیانت کرتے ہیں، سنت میں خیانت، رسول خداﷺ سے خیانت ہے اور اموال میں خیانت لوگوں کی خیانت ہے ایک احتمال یہ بھی ہے کہ امانت سے مراد ہر معنوی اور مادی دونوں مراد ہیں۔

رسول خداﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا:

يَا اَبَاذَرٍّ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ وَاِفْشَاءُ سِرِّ اَخِيكَ خِيَانَةٌ. [1]

اے ابوذرؓ، خصوصی گفتگو ایک امانت ہوتی ہے، اور کسی بھائی کا راز بتانا خیانت شمار ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۲۸ سورہ انفال، میں اس آیت کے بعد بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مال اور اولاد بھی خطرے میں ہو تو بھی خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

خداوند عالم فرماتا ہے کہ:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور یقین جانو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہاری آزمائش کی چیزیں ہیں (کہ جو ان کی محبت میں بھی خدا کو نہ بھولے وہ دیندار ہے) اور یقیناً خدا کے ہاں بڑی مزدوری ہے۔

تیسری آیت مخصوص امانت مالی کے بارے میں ہے، خداوند عالم فرماتا ہے،:

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ.

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ ملے (اور قرض دینا ہو) تو رہن یا قبضہ رکھ لو اور اگر تم میں سے ایک کا ایک کو اعتبار ہو تو (یوں ہی قرض دے سکتا ہے) مگر پھر جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہے (قرض لینے والا) اس کو چاہیے کہ قرض دینے والے کی امانت (قرض) پورا پورا ادا کر دے۔ اور اپنے پالنے والے خدا سے ڈرے (مسلمانو) تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا تو بے شک

---

[1] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 89.

اس کا دل گنہگار ہے۔اورتم لوگ جو کچھ کرتے ہوخدااس کو(خوب) جانتا ہے۔

پانچویں اور آخری آیت میں امانت الٰہی کا ذکر ہوا ہے آسمان و زمین اور پہاڑ کی جس کی حفاظت سے عاجز تھے،خداوندعالم فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا.

بے شک ہم نے (روز ازل) اپنی امانت (اطاعت عبادت) کوسارے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا توانہوں نے اس کے (بار) اٹھانے سے انکارکیااوراس سے ڈرگئے اور آدمی نے اسے (بے تامل) اٹھالیا بے شک انسان (اپنے حق میں) بڑا ظالم (اور) نادان ہے۔

یہ کون سی امانت ہے جس سے زمین اور پہاڑ بھی اُٹھانے سے ناتواں تھے اور خاکی انسان جس کا جسم بھی چھوٹا سا ہے نے اس امانت کو لے لیا۔

مفسرین نے کافی احتمالات تحریر کیے ہیں،لیکن صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس سنگین امانت سے مراد تکلیف اور وظیفہ الٰہی ہے اور یہ وظیفہ عقل،آزادی،اورارادے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔واقعاً تعہد اور وظیفہ الٰہی مخلوق کے لئے ایک سنگین بار ہے،انسان کے علاوہ کسی نے قبول نہیں کیا،خداوندعالم نے ثواب وعذاب کے لئے عقل کو معیار قرار دیا،انسان کے اندر یہ تین صفات یعنی وظیفہ الٰہی،عقل وآزادی باعظمت ہیں،لیکن اس جہل وظالم انسان نے اس مقام کی قدر نہ کی اور خواہشات نفس کا اسیر بن گیا جس سے سعادت جیسی نعمت سے محروم ہوگیا،جہل یا ظالم ہونا اس امانت کو قبول کرنے کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس کا قبول کرنا عقل اور افتخار کا باعث ہے کیوں کہ اس کے علاوہ خلیفہ اللہ کا مقام حاصل نہیں ہوتا لہٰذا جہل اور ظالم ہونا اس لئے تھا کہ اس نے امانت کی حفاظت میں کوتاہی کی ہے،اگر اس امانت کی حفاظت کرتا تو سعادت حاصل کرتا اور خیانت کرنے سے پست ترین اور ذلت کا شکار ہوجاتا ہے،دوسرے لفظوں میں آسمان وزمین اور پہاڑ اتنی وسعت کے باوجود اس امانت کو نہ اُٹھا سکے لیکن انسان میں یہ استعداد ہے کہ وہ اس امانت کو قبول کرتا اور انسان کے لئے یہ ایک بڑا افتخار تھا لیکن اس امانت کا سنگین بار اُٹھانے کے بعد اس نے اس کا حق قبول نہ کیا اور اس کی حفاظت نہ کرسکا،لہٰذا جاہل اور ظالم بن گیا اور اپنے افتخار سے غافل رہا۔

ہاں امانت کی حفاظت پر عقل وعدالت کی دلیل ہے اور خیانت کی دلیل ظلم و جہالت ہے، جو کچھ بیان ہو چکا

ہے اس سے مراد عام انسان، کافر، بے ایمان یا مومن ضعیف الایمان ہیں وگرنہ اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک افراد نے اس امانت کا حق ادا کر دیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امانت کی حفاظت بڑی اہم چیز ہے، امانت ایک مشترک اصول ادیان میں ہے۔

روایات اسلامی میں امانت وخیانت

اب ان احادیث پر توجہ فرمائیں:

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے خطاب فرمایا:

یا اَبَالْحَسَنِ اَدِّ الاَمانَۃَ اِلَی الْبَرِّ وَ الْفاجِرِ فِی ما قَلَّ وَجَلَّ حَتّی فِی الْخَیْطِ وَ الْمَخِیطِ.[۱]

اے ابوالحسن، امانت چاہے نیک انسان کی ہو یا بدکار کی، کم ہو یا زیادہ اسے ادا کرو، اگر چہ سوئی اور دھاگہ ہی کیوں نہ ہو،

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کلام آپ نے مجھے اپنی وفات سے چند گھنٹے پہلے بیان فرمایا اور تین بار تکرار کیا۔

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا اِیمانَ لِمَنْ لا اَمانَۃَ لَہُ.[۲]

جو شخص امانت کی رعایت نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں ہے۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیّاً اِلّا بِصِدْقِ الْحَدِیثِ وَ اَداءِ الاَمانَۃِ اِلَی الْبَرِّ وَ الْفاجِرِ.[۳]

---

[۱] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 273.

[۲] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 273.

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 104.

اللہ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ سب کو یہ تعلیم دی کہ امانت ادا کرو چاہے نیک فرد کی ہو یا بد کی۔

(۴) آپؑ ہی نے لوگوں کے ایمان کے امتحان کے بارے میں فرمایا:

لَا تَنْظُرُوا اِلَى طُوْلِ رُكُوعِ الرَّجُلِ وَ سُجُودِهِ فَاِنَّ ذٰلِكَ شَيْئٌ اِعْتَادَهُ فَلَوْ تَرَكَهُ اِسْتَوْحَشَ لِذٰلِكَ وَلٰكِنْ اُنْظُرُوا اِلَى صِدْقِ حَدِيثِهِ وَ اَدَاءِ اَمَانَتِهِ.[1]

لوگوں کے طولانی رکوع و سجود کو نہ دیکھو، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اس کی عادت ہو کہ جب اسے ترک کرتا ہو تو تکلیف محسوس ہوتی ہو، بلکہ اس کی صداقت اور امانت کی ادائیگی دیکھو۔

(۵) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لَاتَنْظُرُوا اِلَى كَثْرَةِ صَلَاتِهِمْ وَ صَوْمِهِمْ وَ كَثْرَةِ الْحَجِّ وَ الْمَعْرُوفِ وَ طَنْطَنَتِهِمْ بِاللَّيْلِ وَلٰكِنْ اُنْظُرُوا اِلَى صِدْقِ الْحَدِيثِ وَ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ.[2]

کسی کی نماز روزہ کی کثرت یا حج اور دوسرے نیک کاموں کی طرف نہ دیکھو بلکہ اس کی صداقت اور امانت کو دیکھو۔

اس میں یہ مراد نہیں کہ نماز، روزہ، حج یا دوسرے نیک کاموں کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ صرف نماز یا روزہ وغیرہ دین دار ہونے کی نشانی نہیں بلکہ دو رکن اساسی پر بھی توجہ دی جائے یعنی صداقت وامانت پر۔

(۶) امام سجاد علیہ السلام اپنے شیعوں سے فرماتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِاَدَاءِ الْاَمَانَةِ فَوَالَّذِى بَعَثَ مُحَمَّداً (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بِالْحَقِّ نَبِيّاً لَوْ اَنَّ قَاتِلَ اَبِى الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ (علیهما السلام) اَئْتَمَنَنِى عَلَى السَّيْفِ الَّذِى قَتَلَهُ بِهِ لَاَدَّيْتُهُ اِلَيْهِ.[3]

تمہیں امانت ادا کرنی چاہیے اس خدا کی قسم جس نے برحق نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اگر میرے باپ حسین علیہ السلام کا قاتل بھی میرے پاس شمشیر امانت رکھتا تو میں اس امانت میں

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 105، حدیث 13.

[2] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 114، حدیث 5.

[3] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 114، حدیث 3.

خیانت نہ کرتا۔

(۷)امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ ضارِبَ عَلِیٍّ بِالسَّیفِ وَ قاتِلَه لَوِ ائْتَمَنَنِی وَ اسْتَنْصَحَنِی وَ اسْتَشارَنِی، ثُمَّ قَبِلتُ ذٰلِكَ مِنْهُ، لَاَدَّیتُ اِلَیهِ الْاَمانَةَ.[۱]

جس شخص نے جس تلوار سے علی علیہ السلام کو شہید کیا اگر وہ میرے پاس امانت رکھتا یا مجھ سے نصیحت کا تقاضا کرتا تو میں اس سے قبول کرتا۔

(۸)امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک صحابی عبداللہ بن ابی یعفور سے فرمایا:

اُنْظُرْ ما بَلَغَ بِهِ عَلِیٌّ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ(صلی الله علیه وآله) فَالْزَمْهُ.

دیکھو علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کتنا مقام حاصل کرلیا، پھر فرمایا:

فَاِنَّ عَلِیّاً(علیه السلام) اِنَّما بَلَغَ ما بَلَغَ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ بِصِدْقِ الْحَدِیثِ وَ اَداءِ الْاَمانَةِ.[۲]

امام علی علیہ السلام کو یہ مقام اس لئے حاصل ہوا کہ وہ راست گو یعنی سچے اور امانت دار تھے۔

(۹)حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْاَمانَةُ تَجُرُّ الرِّزْقَ وَ الْخِیانَةُ تَجُرُّ الْفَقْرَ.[۳]

امانت داری سے رزق و روزی میں اضافہ ہوتا ہے اور خیانت سے غربت آتی ہے۔

(۱۰)آپؑ ہی نے فرمایا:

رَأْسُ الْاِسْلامِ اَلْاَمانَةُ.[۴]

اسلام کی اساس امانت ہے۔

(۱۱)لقمان حکیم سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

---

[۱] مجموعہ ورّام، جلد 1، صفحہ 20.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 104، حدیث 5.

[۳] بحار، جلد 78، صفحہ 60.

[۴] شرح غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 47.

يَابُنَيَّ اَدِّ الْاَمانَةَ تَسْلُمُ لَكَ دُنْياكَ وَ آخِرَتُكَ وَ كُنْ اَمِيناً تَكُنْ غَنِيّاً.[۱]

اے بیٹے، امانت کو ادا کرو تا کہ تیری دنیا و آخرت سالم رہے اور امانت دار ہو تا کہ تم غنی ہو جاؤ۔

(۱۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتَزالُ اُمَّتِي بِخَيْرٍ ما تَحابُّوا وَ تَهادُّوا وَ اَدَّوُا الْاَمانَةَ وَاجْتَنِبُوا الْحَرامَ وَ وَقَّرُوا الضَّيْفَ وَ اَقامُوا الصَّلاةَ وَ آتُوا الزَّكاةَ فَاِذا لَمْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ اِبْتَلَوا بِالْقَحطِ وَ السِّنِيْنِ.[۲]

میری اُمت ہمیشہ خیر و سعادت کی راہ پر ہے، جب تک ایک دوسرے سے محبت کرے، ایک دوسرے پر اعتماد کرے، امانت کو ادا کرے اور حرام سے پرہیز کرے، مہمان کی عزت کرے ، نماز قائم کرے اور زکات کی ادائیگی کرے، اگر ایسا نہ کیا تو قحط اور خشک سالی میں اسیر ہوں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ

جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت علی علیہ السلام کی حالت کچھ اور محسوس ہو رہی تھی جب آپؑ سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا، نماز کا وقت ہے اور یہ وہی امانت الٰہی ہے جس کو خداوند عالم نے آسمان و زمین اور پہاڑ سے قبول کرنے کو فرمایا تو انھوں نے انکار کر دیا اور ڈر گئے۔[۳]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جب خداوند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی ارواح کو خلق کیا تو فرمایا، ان کی ولایت میری مخلوق کے پاس امانت ہے۔[۴]

ایک اور حدیث میں ملتا ہے کہ

---

[۱] معانی الاخبار، صفحہ 253 بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 117.

[۲] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 115.

[۳] نور الثقلین، جلد 4، صفحہ 313.

[۴] بحارالانوار، جلد 26، صفحہ 320.

خلافتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی امانت ہے [1]

یا یہ کہ نماز وروزہ زکوٰۃ اور حج امانت ہیں۔ [2]

یا ہماری بیویاں، تمہارے پاس امانت ہیں۔ [3]

نہج البلاغہ میں مولا امیر علیہ السلام نے فرمایا:

گورنری تیرے لئے نان وآب کا وسیلہ نہیں بلکہ تیری گردن پر ایک امانت ہے یہ خط مولا علی علیہ السلام نے اشعث بن قیس کو لکھا تھا۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

محفل خصوصی امانت ہے، [5]

بعض روایات میں ملتا ہے کہ غسل جنابت بھی ایک امانت الٰہی ہے۔ [6]

آثارِ امانت وخیانت

اہم ترین مسئلہ امانت اعتماد ہے، اجتماعی زندگی میں لوگوں کو اساسی طور پر ایک دوسرے کی مشکلات کو دور کرنا اور اعتماد نفس ہے، اگر اعتماد متقابل نہ ہو معاشرے بُرے آثار جنم لے سکتے ہیں اور ایک سالم اسلامی معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا، اس اعتماد کی اساس دو چیزیں ہیں (۱) امانت (۲) صداقت پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امانت کی رعایت کرنے سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے اور خیانت سے غربت پیدا ہوتی ہے۔

مرحوم کلینیؒ کافی میں لکھتے ہیں:

---

[1] بحار الانوار، جلد 99، صفحہ 175.

[2] بحار الانوار، جلد 99، صفحہ ۲۷۴

[3] بحار الانوار، جلد 21، صفحہ 381.

[4] نہج البلاغہ، نامہ 5.

[5] المحجۃ البیضاء، جلد 3، صفحہ 327.

[6] بحار الانوار، جلد 10، صفحہ 181.

ایک شخص عبدالرحمن بن سیّابہ نقل کرتا ہے کہ جب اس کے باپ نے وفات پائی، اس کا ایک دوست گھر آیا اور مجھے تسلی دی کی پھر کہنے لگا کیا تیرے باپ نے تیرے لئے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟

میں نے کہا: نہیں،

اس شخص کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں ہزار درہم تھے مجھے دیئے اور کہا اس مال کی حفاظت کرو اور اس کے منافع سے فائدہ اُٹھاؤ، میں بہت خوش حال تھا اور یہ خبر اپنے اہل وعیال کو سنائی میں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر کچھ چیزیں خریدیں اور بازار میں تجارت شروع کردی، خداوندعالم نے میرے مال میں برکت دی اور بڑا منافع ہوا، حج کا زمانہ آیا تو ماں سے کہا: مجھے حج پر جانا ہے،

میری ماں نے کہا: ہزار درہم اس آدمی کو واپس کردو،

میں اس کے پاس گیا اس کی امانت اسے واپس کردی، جب میں حج کے اعمال بجالایا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپؑ کے پاس کافی لوگ جمع تھے جب مجلس ختم ہوگئی تو امامؑ نے مجھے اشارہ فرمایا، میں امامؑ کے نزدیک گیا تو آپؑ نے فرمایا، کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟

اس نے عرض کیا، عبدالرحمن بن سیّابہ ہوں،

آپؑ نے پوچھا: تیرا باپ کہاں ہے؟

میں نے عرض کیا: وہ وفات پاچکے ہیں،

حضرتؑ کو دکھ ہوا اور میرے باپ کے لئے طلب مغفرت کی،

پھر فرمایا، کیا تمہارا باپ تمہارے لئے کچھ ترکہ چھوڑ کر گیا ہے؟

میں نے کہا: نہیں،

امامؑ نے فرمایا: پھر حج پر کس طرح اکیلے آئے ہو؟

میں نے سارا ماجرا سنایا، ابھی میں بات کر رہا تھا کہ امامؑ نے پوچھا: ہزار درہم تم نے کہاں خرچ کیے؟

میں نے عرض کیا: وہ جس کے تھے اسے واپس کر کے آیا ہوں،

آپؑ نے فرمایا: شاباش ہوتم پر، کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں کوئی نصیحت کروں؟

میں نے عرض کیا: تم پر قربان ہوں، ہاں ضرور نصیحت فرمائیں،

آپؑ نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ تَشْرُكُ النَّاسَ فِي أَمْوَالِهِمْ هَكَذَا، وَجَمَعَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ.

صداقت اور امانت کا خیال رکھنا اگر لوگوں کے ساتھ مال میں شریک ہوتو اس طرح (انگلیوں کا اشارہ فرمایا) آپؑ نے اپنی انگلیاں جمع کیں، یعنی ان انگلیوں کی مانند عبدالرحمن بن سیّابہ کہتا ہے کہ میں نے یہ نورانی کلام سنا اور واپس آ گیا، اگلے سال مجھ پر تین لاکھ درہم زکوٰۃ واجب ہوگئی۔ [1]

ہماری زندگی میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں،

نجف اشرف میں ایک تاجر رہتا تھا، ہم سب اس کو جانتے تھے، وہ امین تھا لوگ اس کے پاس امانتیں رکھتے تھے، وہ خود عراقی تھا لہٰذا جو طالب علم گھر خریدتا تھا اس کے نام خریدتا تھا اس کی وفات کے وقت پانچ سو گھر اس کے نام تھے، کسی طالب علم کو کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

امانت کی رعایت کرنے سے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے انسان فکری طور پر پُرسکون رہتا ہے اور نفسانی طور پر بااعتماد ہوتا ہے، کیونکہ خیانت سے سب لوگ ڈرتے ہیں، ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ خیانت نہ ہو۔

امانت داری گھر کے خرچ کو کم کرتی ہے، وقت، عمر اور مال میں بچت ہوتی ہے، کیونکہ اگر معاشرے میں خیانت رائج ہو جائے تو پولیس اور حکومت کو پوچھ گچھ کرنی پڑتی ہے، اس کام میں جتنے لوگ کام کرتے ہیں انھیں تنخواہ دینا پڑتی ہے خیانت سے ملکی اقتصاد میں بحران آتا ہے، امانت داری سے دوستی و محبت پیدا ہوتی ہے اور خیانت سے کبھی لاکھوں روپے ضائع ہوتے ہیں، خدا ہم سب کو امین بنائے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا تَحَابُّوا وَتَهَادُوا وَأَدَّوُا الْأَمَانَةَ وَاجْتَنَبُوا الْحَرَامَ...

---

[1] فروع کافی، جلد 5، صفحہ 134۔ (با کمی تلخیص)۔

فَاِذَا لَمْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ اُبْتِلُوا بِالْقَحْطِ وَ السِّنِين.[1]

میری اُمت ہمیشہ خیر و برکت کی طرف حرکت میں ہے لیکن جب وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مدد کرتے ہیں، امانت کی رعایت کرنا، حرام سے پرہیز کرنا، اگر ان کاموں کو ترک کرتے ہیں تو قحط وخشک سالی میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔

پانچویں آیت میں امانت کا مفہوم وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، علم اور پیشرفتہ ٹیکنالوجی بھی امانت ہے دانشمند افراد امین ہوتے ہیں وہ اپنی صداقت سے مطالعہ کرتے ہیں، تجربات کے بعد علم کی دوسروں کو تعلیم دیتا ہے اگر علم میں امانت نہ ہوتی تو افراد گمراہ ہو جاتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ ذِي صِنَاعَةٍ مُضْطَرٌّ اِلٰى ثَلَاثِ خِلَالٍ يَجْتَلِبُ بِهَا الْمَكْتَسِبَ وَ هُوَ اَنْ يَكُونَ حَاذِقاً بِعَمَلِهِ مُؤَدِّياً لِلْاَمَانَةِ فِيهِ مُسْتَمِيلاً لِمَنْ اِسْتَعْمَلَهُ.[2]

ہر کارخانے کے مالک پر ضروری ہے کہ اس میں تین صفات پائی جائیں، ان کے ذریعے اپنے کاروبار کو رونق دے:

(۱) کام میں ماہر ہو

(۲) امانت ادا کرتا ہو

(۳) ماتحت افراد کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْاَمَانَةُ تُؤَدِّي اِلَى الصِّدْقِ.[3]

امانت انسان کو صداقت کی دعوت دیتی ہے

دوسری حدیث میں آپؑ فرماتے ہیں:

---

[1] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 115.

[2] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 236.

[3] شرح فارسی غرر، جلد 2، صفحہ 7.

اِذا قَوِيَتِ الْاَمانَةُ كَثُرَ الصِّدْقُ.[1]

جب امانت محکم ہو تو صداقت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

امانت و خیانت کا نتیجہ

جو لوگ خیانت کرتے ہیں وہ درحقیقت امانت پر خیانت کو ترجیح دیتے ہیں، خیانت کرنے سے فوری منافع و مال مل جاتا ہے، جو لوگ حرص و طمع کی آرزو رکھتے ہیں وہ خیانت کے انجام کے بارے میں بہت سوچتے ہیں کیونکہ جلدی سے ملنے والے مال سے ان کی آنکھوں اور کانوں اور عقل پر پردہ پڑھ جاتا ہے، یہ کام اکثر ضعیف الایمان کا ہوتا ہے امانت دار کو دنیا و آخرت میں ثواب دینے کا وعدہ کیا گیا ہے، لہٰذا خیانت کا سرچشمہ مندرجہ ذیل اُمور ہیں:

(۱) ضعیف الایمان و عدم یقین حاکمیت خدا

(۲) غلبہ ہوا و ہوس اور دنیا پرستی

(۳) غلبہ حرص و طمع

(۴) زندگی میں خیانت کے انجام پر توجہ نہ دینا

(۵) کوشش کو ترک کر دینا

اس کے برعکس امانت کے نتائج حیرت انگیز ہیں

(۱) امانت ایمان اور یقین سے پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ خدا پر توکل کرنا۔

(۲) امانت سے انسان کو اوہام اور آلودہ ہوا و ہوس پرستی سے رہائی ملتی ہے۔

(۳) امانت داری انسان کو بڑا بناتی ہے۔

عہد نامہ مالک اشتر میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

...........ثُمَّ اخْتَرْ لِلْحُكْمِ بَيْنَ النَّاسِ أَفْضَلَ رَعِيَّتِكَ فِي نَفْسِكَ مِمَّنْ لَا تَضِيقُ بِهِ الْأُمُورُ وَ لَا تُمَحِّكُهُ الْخُصُومُ وَ لَا يَتَمَادَى فِي الزَّلَّةِ وَ لَا يَحْصَرُ مِنَ الْفَيْءِ إِلَى

---

[1] شرح فارسی غرر، جلد 3، صفحہ 134.

الْحَقِّ إِذَا عَرَفَهُ وَ لَا تُشْرِفُ نَفْسُهُ عَلَى طَمَعٍ وَ لَا يَكْتَفِي بِأَدْنَى فَهْمٍ دُونَ أَقْصَاهُ وَ أَوْقَفَهُمْ فِي الشُّبُهَاتِ وَ آخَذَهُمْ بِالْحُجَجِ وَ أَقَلَّهُمْ تَبَرُّماً بِمُرَاجَعَةِ الْخَصْمِ وَ أَصْبَرَهُمْ عَلَى تَكَشُّفِ الْأُمُورِ وَ أَصْرَمَهُمْ عِنْدَ اتِّضَاحِ الْحُكْمِ مِمَّنْ لَا يَزْدَهِيهِ إِطْرَاءٌ وَ لَا يَسْتَمِيلُهُ إِغْرَاءٌ وَ أُولَئِكَ قَلِيلٌ ثُمَّ أَكْثِرْ تَعَاهُدَ قَضَائِهِ وَ افْسَحْ لَهُ فِي الْبَذْلِ مَا يُزِيحُ عِلَّتَهُ وَ تَقِلُّ مَعَهُ حَاجَتُهُ إِلَى النَّاسِ وَ أَعْطِهِ مِنَ الْمَنْزِلَةِ لَدَيْكَ مَا لَا يَطْمَعُ فِيهِ غَيْرُهُ مِنْ خَاصَّتِكَ لِيَأْمَنَ بِذَلِكَ اغْتِيَالَ الرِّجَالِ لَهُ عِنْدَكَ فَانْظُرْ فِي ذَلِكَ نَظَراً بَلِيغاً فَإِنَّ هَذَا الدِّينَ قَدْ كَانَ أَسِيراً فِي أَيْدِي الْأَشْرَارِ يُعْمَلُ فِيهِ بِالْهَوَى وَ تُطْلَبُ بِهِ الدُّنْيَا۔[1]

.................پھر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ان افراد کا انتخاب کرنا جو رعایا میں تمہارے نزدیک سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ اس اعتبار سے کہ نہ معاملات میں تنگی کا شکار ہوتے ہوں اور نہ جھگڑا کرنے والوں پر غصّہ کرتے ہوں۔ نہ غلطی پر اڑ جاتے ہوں اور حق کے واضح ہوجانے کے بعد اس کی طرف پلٹ کر آنے میں تکلّف کرتے ہوں اور نہ ان کا نفس لالچ کی طرف جھکتا ہو اور نہ معاملات کی تحقیق میں ادنیٰ فہم پر اکتفا کرکے مکمل تحقیق نہ کرتے ہوں۔ شہادت میں توقف کرنے والے ہوں اور دلیلوں کو سب سے زیادہ اختیار کرنے والے ہوں۔ فریقین کی بحثوں سے اُکتانہ جاتے ہوں اور معاملات کی چھان بین میں پوری قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوں اور حکم کے واضح ہوجانے کے بعد نہایت وضاحت سے فیصلہ کردیتے ہوں۔ نہ کسی کی تعریف سے مغرور ہوتے ہوں اور نہ کسی کے اُبھارنے پر اونچے ہوجاتے ہوں۔ ایسے افراد یقیناً کم ہیں۔ لیکن ہیں۔ پھر اس کے بعد تم خود بھی ان کے فیصلوں کی نگرانی کرتے رہنا اور ان کے عطایا میں اتنی وسعت پیدا کردینا کہ ان کی ضرورت ختم ہو جائے اور پھر لوگوں کے محتاج نہ رہ جائیں انھیں اپنے پاس ایسا مرتبہ اور مقام عطا کرنا جس کی تمہارے خواص بھی طمع نہ کرتے ہوں کہ اس طرح وہ لوگوں کے ضرر پہونچانے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ مگر اس معاملہ پر بھی گہری نگاہ رکھنا کہ یہ دین بہت دنوں اشرار کے ہاتھوں میں قیدی رہ چکا ہے جہاں خواہشات کی بنیاد پر کام ہوتا تھا اور

[1] نہج البلاغہ، نامہ 53.

مقصد صرف دنیا طلبی تھا۔

اس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں،

مَنْ اُؤْتُمِنَ عَلی اَمانَة فَاَدّاها فَقَدْ حَلَّ اَلْفَ عُقْدَة مِنْ عُنُقِهِ مِنْ عُقَلِ النّارِ. فَبادِرُوا بِاَداءِ الْاَمانَةِ، فَاِنَّ مَنْ اُؤْتُمِنَ عَلی اَمانَة وَكَّلَ بِهِ اِبْلِيسُ مِأَةَ شَيْطان مِنْ مَرَدَةِ اَعْوانِهِ لِيُضِلُّوهُ وَيُوَسْوِسُوا اِلَيْهِ حَتّى يُهْلِكُوهُ اِلّا مَنْ عَصَمَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ.[1]

جس شخص کو امانت دی جائے اور اسے ادا کرے تو ہزار گرہ دوزخ کی آگ کھل جاتی ہے۔

اپنی امانتوں کی ادائیگی میں جلدی کرو، کیونکہ جسے امانت ملتی ہے ابلیس اس پر ایک ہزار کا اپنا لشکر مامور کردیتا ہے تاکہ اسے گمراہ کرے اور اس کے دل میں خیانت کا وسوسہ ڈالے مگر یہ کہ خدا جس کی حفاظت کرے۔

دفاع اور علاج

باایمان افراد میں خیانت ممکن نہیں کیونکہ ایمان مانع ہوتا ہے یہ کام ان افراد کا ہے جن کا ایمان ضعیف ہو، ایسے لوگوں کا خرچہ خیانت سے چلتا ہے، ان کا خدا پر توکل نہیں ہوتا، یہ لوگ منحرف ہوتے ہیں، ذلت کا لباس پہنتے ہیں، کسی بڑے عہدے پر ایماندار شخص کو فائز کیا جاتا ہے کہ عام آدمی خیانت نہ کرے، انسان کو خیانت کے انجام پر توجہ دینی چاہیے، رسوائی اور محرومیت کو مدنظر رکھے، غربت میں مبتلا ہونے کو نگاہ میں رکھے اور عبرت حاصل کرے یہ ایسے اُمور ہیں جو دفاع اور فلاح کا باعث ہوتے ہیں۔

جب انسان کو لقمان حکیم کی وہ نصیحت یاد آئے جو اس نے اپنے بیٹے کو کی تھی، کہ جس میں وہ فرماتے ہیں:

---

[1] بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 114.

يابُنَيَّ اِدِّ الْاَمانَةَ تَسْلُمْ لَكَ دُنْياكَ وَ آخِرَتُكَ وَ كُنْ اَمِيناً تَكُنْ غَنِيّاً.[۱]

اپنے پورے وجود سے ذوق دلارہا ہے کہ امانت داری کا خیال رکھیں اور خیانت سے بچنا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

رَأْسُ الْكُفْرِ اَلْخِيانَةُ.[۲]

کفر کا سرچشمہ خیانت ہے

ایک اور جگہ پر آپؑ نے فرمایا:

رَأْسُ النِّفاقِ اَلْخِيانَةَ.[۳]

نفاق کا سرچشمہ خیانت ہے

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

جانِبِ الْخِيانَةَ فَاِنَّها مُجانِبَةُ الْاِسْلامِ.[۴]

خیانت سے کنارہ کشی کرو کیونکہ یہ اسلام سے دوری کا سبب ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعٌ لا تَدْخُلُ بَيْتاً واحِدَةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا خَرِبَ وَ لَمْ يَعْمُرْ بِالْبَرَكَةِ اَلْخِيانَةُ وَ السِّرِقَةُ وَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَ الزِّنا.[۵]

چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر گھر میں داخل ہو جائیں تو گھر کو ویران کر دیتی ہیں اور ہرگز برکت الٰہی سے آباد نہیں ہوتیں:

(۱) چوری

---

[۱] میزان الحکمہ، جلد 1، صفحہ 215.

[۲] میزان الحکمہ، جلد 1، صفحہ 215.

[۳] غرر الحکم و درر الکلم / 376 / 6.....ص: 376

[۴] بحار الانوار، جلد 76، صفحہ 125.

[۵] بحار الانوار، جلد 106، ص 179.

(۲) شراب خوری

(۳) خیانت

(۴) زنا۔

اگر ان میں سے ایک چیز سے گھر ویران ہو جاتا ہے تو جس گھر میں یہ سب داخل ہوجائیں اس گھر کا کیا حال ہوگا۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جس طرح خیانت والوں کو خیانت نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح امانت داروں کو بھی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے کہ اپنی امانت کس کے حوالے کر رہا ہے، اگر امانت رکھنے والا جانتا ہے کہ جس کے پاس وہ امانت رکھ رہا ہے وہ خائن ہے اور پھر وہ امانت کھا جاتا ہے تو امانت رکھوانے والے کو اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ ائْتَمَنَ غَيْرَ اَمِينٍ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللهِ ضِمَانٌ لِاَنَّهُ قَدْ نَهَاهُ اَنْ يَأْتَمِنَهُ.[1]

جو شخص اپنی امانت کسی خائن کے پاس رکھتا ہے خدا اس کی حفاظت کا ضامن نہیں ہے اور اس نے ایسے آدمی کے پاس امانت رکھنے سے منع کیا ہے۔

لہٰذا تمام افراد کو ہوشیار رہنا چاہیے، کہ کوئی عہدہ یا مقام کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ ہو جو خائن کو ووٹ دیتے وقت کسی امین شخص کو وزیر یا ایم پی اے، اور ایم این اے، بنائیں۔

بیت المال میں امانت وخیانت

امانت ایک مطلوب عمل ہے یعنی سب لوگ پسند کرتے ہیں اسلام نے بڑی تاکید کی ہے کہ لوگوں کے مال میں خیانت نہ ہو خاص کر ایسے ہر حال میں امین ہونا چاہیے، جس میں لوگوں کا حق ہو کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے، اگر بیت المال میں خیانت کی جائے تو معاشرے کا نظام خراب ہو کر رہ جاتا ہے، ایسا معاشرہ سعادت مند نہیں بن سکتا، اس موضوع پر ہم ایک داستان تحریر کرتے ہیں توجہ فرمائیں:

---

[1] فروع کافی، جلد 5، صفحہ 299.

ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس عقیل آئے اور کہا کہ بیت المال سے مجھے زیادہ دیا جائے، کیونکہ میں تیرا رشتہ دار ہوں، لہٰذا رشتہ داری کی بنا پر بیت المال کی تقسیم میں تبدیلی لائی جائے، حضرت علی علیہ السلام نے گرم لوہے کی سلاخ لی اور عقیل کے ہاتھ پر رکھ دی، عقیل کا ہاتھ جلنے لگا، جناب عقیل نے فوراً ہاتھ ہٹا لیا، اور فریاد کرنے لگے، مولا علی علیہ السلام بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

یا عقیل اَتَئِنُّ مِنْ حَدِیْدَۃ اَحْماھا اِنْسانُھا لِلَعِبِہِ وَ تَجُرُّنِی اِلی نار سَجَرَھا جبّارُھا لِغَضَبِہِ.

اے عقیل! تم اس لوہے کی گرم سلاخ سے فریاد کر رہے ہو، لیکن مجھے اس آگ میں ڈال رہے ہو، جو آگ خدا کی طرف سے سخت ہے۔

اَتَئِنُّ مِنَ الْاَذٰی وَ لا اَئِنُّ مِن لَظٰی.

تم اس تھوڑی سی آگ سے جلنے پر گریہ کر رہے ہو، اور پھر میں جلا دینے والی، دکھ دینے والی آگ پر گریہ کیوں نہ کروں۔[۱]

جب عثمان نے کنبہ پروری کا ثبوت دیا، حکومت کا بیت المال اپنے رشتہ داری کی بنا پر تقسیم کیا، عہد و مقام اپنے رشتہ دار کو دیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اللهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَاءُ وَ مُلِكَ بِهِ الْإِمَاءُ لَرَدَدْتُهُ فَإِنَّ فِي الْعَدْلِ سَعَةً وَ مَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَيْهِ أَضْيَقُ.[۲]

خدا کی قسم! اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آتا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جا چکا ہوتا تو اسے بھی واپس پلٹا لیتا۔ چونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو اُسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔

جب بعض لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ تجویز دی کہ بالحاظ شخصیات افراد کو بیت المال سے زیادہ ملنا چاہیے تو آپؑ ناراض ہوئے اور فرمایا:

أَ تَأْمُرُونِّي أَنْ أَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فِيمَنْ وُلِّيتُ عَلَيْهِ وَ اللهِ لَا أَطُورُ بِهِ مَا

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ 224.

[۲] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵.

سَمَرَ سَمِيرٌ وَ مَا أَمَّ نَجْمٌ فِي السَّمَاءِ نَجْماً- وَ لَوْ كَانَ الْمَالُ لِي لَسَوَّيْتُ بَيْنَهُمْ فَكَيْفَ وَ إِنَّمَا الْمَالُ مَالُ اللهِ- ثُمَّ قَالَ عليه السلام أَلَا وَ إِنَّ إِعْطَاءَ الْمَالِ فِي غَيْرِ حَقِّهِ تَبْذِيرٌ وَ إِسْرَافٌ وَ هُوَ يَرْفَعُ صَاحِبَهُ فِي الدُّنْيَا وَ يَضَعُهُ فِي الْآخِرَةِ وَ يُكْرِمُهُ فِي النَّاسِ وَ يُهِينُهُ عِنْدَ اللهِ وَ لَمْ يَضَعِ امْرُؤٌ مَالَهُ فِي غَيْرِ حَقِّهِ وَ لَا عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ إِلَّا حَرَمَهُ اللهُ شُكْرَهُمْ وَ كَانَ لِغَيْرِهِ وُدُّهُمْ فَإِنْ زَلَّتْ بِهِ النَّعْلُ يَوْماً فَاحْتَاجَ إِلَى مَعُونَتِهِمْ فَشَرُّ خَلِيلٍ وَ أَلْأَمُ خَدِينٍ.[1]

کیا تم مجھے اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے ہو کہ میں جس رعایا کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں ان پر ظلم کر کے چند افراد کی مدد حاصل کروں؟

خدا کی قسم! جب تک یہ دنیا چلتی رہے گی اور ایک ستارہ دوسرے ستارہ کی طرف جھکتا رہے گا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ مال اگر میرا ذاتی مال ہوتا جب بھی میں برابر سے تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ مال مال خدا ہے اور یاد رکھو کہ مال کا ناحق عطا کر دینا۔بھی اسراف اور فضول خرچی میں شمار ہوتا ہے اور یہ کام انسان کو دنیا میں بلند بھی کر دیتا ہے تو آخرت میں ذلیل ورسوا کر دیتا ہے ۔لوگوں میں محترم بھی بنا دیتا ہے تو خدا کی نگاہ میں پست تر بنا دیتا ہے اور جب بھی کوئی شخص مال کو ناحق یا نا اہل پر صرف کرتا ہے تو پروردگار اس کو شکریہ سے بھی محروم کر دیتا ہے اوراس کی محبت کا رخ بھی دوسروں کی طرف مڑ جاتا ہے ۔ پھر اگر کسی دن پیر پھسل گئے اور ان کی امداد کا بھی محتاج ہو گیا تو وہ بدترین دوست اور ذلیل ترین ساتھی ہی ثابت ہوتے ہیں ۔

اس طرح آپؑ اپنے دوستوں کو تہدید کرتے تھے ،جن لوگوں نے بیت المال سے مال کھایا انھیں اس طرح لکھا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْوَفَاءَ تَوْأَمُ الصِّدْقِ وَ لَا أَعْلَمُ جُنَّةً أَوْقَى مِنْهُ وَ مَا يَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ كَيْفَ الْمَرْجِعُ وَ لَقَدْ أَصْبَحْنَا فِي زَمَانٍ قَدِ اتَّخَذَ أَكْثَرُ أَهْلِهِ الْغَدْرَ كَيْساً وَ نَسَبَهُمْ أَهْلُ الْجَهْلِ فِيهِ إِلَى حُسْنِ الْحِيلَةِ مَا لَهُمْ قَاتَلَهُمُ اللهُ قَدْ يَرَى الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِيلَةِ وَ دُونَهَا مَانِعٌ مِنْ أَمْرِ اللهِ وَ نَهْيِهِ فَيَدَعُهَا رَأْيَ عَيْنٍ بَعْدَ الْقُدْرَةِ

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۶۔

عَلَيْهَا وَ يَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَا مَنْ لَا حَرِيجَةَ لَهُ فِي الدِّينِ.[1]

اے لوگو! یاد رکھو وفا ہمیشہ صداقت کے ساتھ رہتی ہے اور میں اس سے بہتر محافظ کوئی سپر نہیں جانتا ہوں اور جسے بازگشت کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے وہ غداری نہیں کرتا ہے۔ہم ایک ایسے دور میں واقع ہوئے ہیں جس کی اکثریت نے غداری اور مکاری کا نام ہوشیاری رکھ لیا ہے۔اور اہل جہالت نے اس کا نام حسن تدبیر رکھ لیا ہے۔آخر انہیں کیا ہوگیا ہے۔خدا انہیں غارت کرے۔وہ انسان جو حالات کے الٹ پھیر کو دیکھ چکا ہے وہ بھی حیلہ کے رخ کو جانتا ہے لیکن امرو نہی الٰہی اس کا راستہ روک لیتے ہیں اور وہ امکان رکھنے کے باوجود اس راستہ کو ترک کردیتا ہے اور وہ شخص اس موقع سے فائدہ اٹھالیتا ہے جس کے لئے دین سد راہ نہیں ہوتا ہے۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب فتح مکہ ہوا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو معاف کردیا تھا، حالانکہ لوگوں کا ناحق قتل و غارت اور ناحق مسلمانوں کا خون بہایا گیا تھا، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب افراد کی عام معافی کا حکم دیا، اس عمل سے لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور وہ اسلام لے آئے، اس کا نام بھی معافی والا سال رکھا گیا تھا، اس عام معافی سے چند افراد کو مستثنیٰ کیا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں وہ ملیں انھیں قتل کردو، ان میں سے ایک خطل تھا اس کا گناہ یہ تھا کہ جب وہ اسلام لایا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے زکوٰۃ جمع کرنے کا حکم دیا اور ایک اور شخص کو بھی اس کے ساتھ بھیجا، خطل نے ایک کافی مقدار میں زکوٰۃ جمع کر لی اور اپنے ساتھی کو قتل کردیا، خطل باقی مال بھی لے کر واپس مکہ چلا گیا، جب قریش مکہ نے پوچھا کہ کیوں واپس آگئے ہو تو خطل نے کہا تمہارے دین سے بہتر کوئی دین نہیں ہے، اس کے پاس گانا گانے والی کنیزیں تھیں، وہ محفل برپا کرتا تھا جس میں بت پرست شرکت کرتے تھے محفلوں میں گانا گایا جاتا اور شراب پی جاتی تھی۔ اس فاسق و فاجر شخص نے بیت المال میں خیانت کی اور مرتد ہوگیا اور واپس بت پرستی کی طرف پلٹ آیا اور اسلام کی اہانت کرنے لگا تھا، لہٰذا ایسے شخص کے قتل کا آپؐ نے دستور دیا۔اس شخص نے کعبہ کی پناہ لی تھی، لیکن اسے باہر نکال کر قتل کردیا گیا۔[2]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بیت المال میں خیانت کرتا ہے اس کی سزا سخت ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ خیبر سے واپسی پر وادی القریٰ کی سرزمین پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ 41.

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد 18، صفحہ 14، 15.

سمیت ٹھہرے، آپؐ کے ساتھ ایک غلام بھی تھا، حسبِ معمول اس غلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسائل سواری سے اُتارنے شروع کر دیئے۔ اچانک ایک دشمن نے تیر مارا جس سے وہ مرگیا، اصحاب نے اظہار افسوس کیا، اور کہا اللہ اسے جنت نصیب فرمائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اب وہ غلام دوزخ کی آگ میں ہے، آگ کا لباس اس کو پہنایا گیا ہے، کیونکہ اس نے خیبر کے مال غنیمت میں خیانت کی تھی،

اصحاب نے تعجب کیا، ایک شخص آگے بڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے لگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے بھی دو جوتے مال غنیمت سے لئے تھے آپؐ نے فرمایا: تیرے لئے بھی دوزخ کی آگ ہے۔[1]

[1] سیرہ ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 353.

۷۔صدق وسچائی

انسانوں میں سے ہر بالحاظ شخصیت افراد کی بہترین خوبی صدق وسچائی ہے حقیقی مسلمان میں امانت اورسچائی دونوں صفات پائی جاتی ہیں ان دو صفات کی جڑ مشترک ہے کیونکہ سچائی گفتگو میں امانت کے علاوہ نہیں اور امانت صداقت میں عمل کے سوا کچھ نہیں اسی وجہ سے سیرت پیشواؤں میں یہ دو اکٹھے کلمات ملتے ہیں، یعنی صدق الحدیث اور اداء امانت، سچے افراد اپنی زندگی میں اصول کے پابند ہوتے ہیں، حالانکہ جھوٹے افراد ابن وقت اور منافق ہوتے ہیں، ان دو کلمات سے انسان کا امتحان لیا جاسکتا ہے جب کسی کا امتحان لینا چاہتے ہو کہ وہ کتنا صادق و امانت دار ہے یا نہیں اس میں اب ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں سچائی کے بارے میں ذکر ہونے والی روایات بے نظیر ہیں خداوندعالم فرماتا ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. [1]

خدا فرمائے گا کہ یہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کی سچائی (آج) کام آئے گی ان کے لئے (ہرے بھرے بہشت کے) وہ باغات ہیں جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں

[1] مائدہ:119

(اور) وہ اس میں ابدالآباد تک رہیں گے۔ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے خوش۔ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

۲۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.[1]

اے ایماندارو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

۳۔ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۲۴﴾.[2]

(یہ امتحان اس لیے تھا) تا کہ خدا سچّے (ایمانداروں) کو ان کی سچّائی کی جزائے خیر دے اور اگر چاہے تو منافقین کو سزا دے یا (اگر وہ لوگ توبہ کریں تو خدا) ان کی توبہ قبول فرمائے اس میں شک نہیں کہ خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۴۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا.[3]

(دل لگا کے سُنو) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں بے شک ان سب لوگوں کے واسطے خدا نے مغفرت اور بڑا (بڑا) ثواب مہیّا کر رکھا ہے۔

---

[1] توبہ:119

[2] احزاب:24

[3] احزاب:35

۵۔ طَاعَةٌ وَّقَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ۟ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ. [۱]

(ان کے لیے اچھا کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات ہے۔ پھر جب لڑائی ٹھن جائے تو اگر یہ لوگ خدا سے سچے رہیں تو ان کے حق میں بہت بہتر ہے۔

۶۔ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ. [۲]

اور ہم نے تو ان لوگوں کا بھی امتحان لیا جو ان سے پہلے گزر گئے۔غرض خدا ان لوگوں کو جو سچّے (دل سے ایمان لائے) ہیں یقیناً علیحدہ دیکھے گا اور جھوٹوں کو بھی (علیحدہ) ضرور دیکھے گا۔

تفسیر و جمع بندی

قرآن مجید میں راست گوئی وسچائی کو بہت ہی زیادہ نمایاں کیا گیا ہے اور اسے بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔
پہلی آیت میں ارشاد رب العزت ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ.

خدا فرمائے گا کہ یہ دن ہے کہ سچّے بندوں کو ان کی سچائی (آج) کام آئے گی۔
یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ دنیا کی سچائی آخرت کے کام آنے والی ہے اور دنیا کے جھوٹے لوگوں کی بخشش کی امید نہیں۔
پھر ارشاد ہوتا ہے:

لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ.

ان کے لیے (ہرے بھرے بہشت کے) وہ باغات ہیں جن کے (درختوں کے) نیچے

---

[۱] محمد:21
[۲] عنکبوت:3

نہریں جاری ہیں (اور) وہ اس میں ابدالآباد تک رہیں گے۔ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے خوش

۔ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

ایسی صفت کے لوگ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے مالامال ہوں گے اور انہیں اللہ کی رضایت حاصل ہوگی، صادقین کا مقام بہت بلند ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے اعمال صدق کے اندر انجام پائے ہیں، قرآن میں چار مقام پر یہ تعبیر آئی ہے، رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

(۱) مہاجرین، انصار و تابعین

(۲) حزب اللہ

(۳) خیرالبریۃ۔

(۴) صادقین

دوسری آیت میں خداوند عالم نے تمام مومنین کو مخاطت قرار دیا ہے اور فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.

اے ایماندارو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

یہ حکم تمام مومنین کو ہر زمان اور مکان پر شامل ہے صادقین کے ساتھ رہنا بھی ایسا وظیفہ ہے جو ہر مکان و زمان کو شامل ہے، صادقین سے مراد کون لوگ ہیں اس کے لئے مختلف تفسیریں ملتی ہیں، بعض کے نزدیک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب مراد ہیں، بعض کے نزدیک صادق اور صحیح عقائد رکھنے والے انسانوں کو شامل ہے۔

سورۂ حجرات کی آیت ۱۵، میں خدا ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵

(سچّے) مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے اس میں کسی طرح کا شک شُبہ نہ کیا اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

اس آیت میں صادقین کی صفات اعلیٰ ذکر ہوئی ہیں، ان کے دل ہر قسم کے شک و تردید سے خالی ہوتے ہیں اور راہ خدا میں جان و مال کا جہاد کرتے ہیں۔

سورہ حشر کی آیت ۸، میں مہاجرین کا ذکر ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر اور اموال کو چھوڑ کر رضائے خدا کے لئے ہجرت کر گئے اور ہمیشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔

سورہ بقرہ کی آیت ۱۱۷، میں ان کی اور صفات کو ذکر کیا گیا ہے، جیسے اللہ پر ایمان لانا، اسی طرح بہترین مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا، اللہ کے لئے نماز قائم کرنا زکواۃ ادا کرنا، عہد کی وفا مشکلات میں صبر جیسی صفات ذکر ہوئی ہیں، ان اوصاف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے کلام میں صادق نہیں بلکہ ایمان، عمل، ایثار اور اطاعت خدا میں بھی صادق ہیں ان صفات کا کامل نمونہ اہل بیتؑ ہیں، اہل سنت کی تفاسیر میں موجود ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام اور ان اصحاب کے بارے میں ہے۔

علامہ ثعلبی اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا، (مع الصادقین) یعنی (مع علی ابن ابی طالب و اصحابہ)[۱]

اسی طرح علامہ گنجی کفایہ الطالب میں سبطین حوزی تذکرہ میں سب نے یہی معنی نقل کیا ہے، بعض اصحاب کی جگہ اہل بیتؑ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (قال بن عباس علی سید الصادقین) یعنی ابن عباسؓ نے کہا، علی علیہ السلام سید وسرور صادقین ہیں۔[۲]

جابر بن عبداللہ انصاریؓ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، اس ''آل محمد'' سے مراد اہل بیتؑ مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے آیت کو عام سمجھا اور کہا کہ یہ تمام مسلمانوں کو شامل ہے اور ہر زمانے میں اور ہر مکان میں۔[۳]

تیسری آیت میں صادقین کی جزا و ثواب ذکر ہوا ہے اور صادقین کو منافقین کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے، جو شہادت کا شربت پی چکے اور دوسرا گروہ اس شربت کا جام پینے کے انتظار میں تھے، اس کے بارے میں فرمایا ہے:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؀۲۴.

(یہ امتحان اس لیے تھا) تا کہ خدا سچّے (ایمانداروں) کو ان کی سچّائی کی جزائے خیر دے

---

[۱] احقاق الحق، جلد 3، صفحہ 297.

[۲] احقاق الحق، جلد 3، صفحہ 297.

[۳] تفسیر نور الثقلین، جلد 2، صفحہ 280.

اور اگر چاہے تو منافقین کی سزا کرے یا (اگر وہ لوگ توبہ کریں تو خدا) ان کی توبہ قبول فرمائے اس میں شک نہیں کہ خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

لہٰذا مادی و معنوی عظیم ثواب صادقین کے انتظار میں ہے، صادقین گفتگو میں، کردار میں اور عقائد میں۔

چوتھی آیت میں اس گروہوں کو مغفرت اور ثواب عظیم کی بشارت دی گئی ہے کہ ان میں سے چوتھا گروہ صادقین کا ہے، اسلام، ایمان، اطاعت خدا کے بعد صدق وسچائی کا ذکر آیا ہے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے اس اخلاقی فضیلت میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں، معروف حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَايَسْتَقِيمُ اِيمانُ عَبدٍ حَتّٰى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ وَ لا يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ حَتّٰى يَسْتَقِيمَ لِسانُهُ۔[1]

ہر شخص کا اس وقت تک ایمان درست نہیں ہوتا جب تک اس کا دل صحیح نہ ہو اور اس کا دل اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو۔

پانچویں آیت میں نا مطلوب حالت منافقین کی بیان ہوئی ہے کہ وہ عمل میں دوغلا پن رکھتا ہے، جہاد سے ڈرتے ہیں، حالانکہ جہاد عزت وآبرو کا باعث ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ.

(ان کے لیے اچھا کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات ہے۔ پھر جب لڑائی ٹھن جائے تو اگر یہ لوگ خدا سے سچّے رہیں تو ان کے حق میں بہت بہتر ہے۔

اس مطلب سے معلوم ہوا کہ جھوٹا ہونا منافق کی ایک علامت ہے اور میدان جہاد میں جانے سے پہلے صرف وعدے کرتا پھرتا ہے لیکن عمل کے وقت اس کی عدم صداقت اور جھوٹ ظاہر ہوجاتا ہے، درحقیقت جھوٹا نفاق کا ایک دروازہ ہے۔

چھٹی آیت میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ خدا کے امتحان قطعی ہوتے ہیں اور سب کو شامل ہیں، خداوند عالم فرماتا ہے:

---

[1] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 193.

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ.

اور ہم نے تو ان لوگوں کا بھی امتحان لیا جوان سے پہلے گزر گئے۔غرض خدا ان لوگوں کو جو سچے (دل سے ایمان لائے) ہیں یقیناً علیحدہ دیکھے گا اور جھوٹوں کو بھی (علیحدہ) ضرور دیکھے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت امتحان کا سامنا ہوا جن میں سے ایک امتحان ہجرت تھا، ہجرت یعنی اپنے گھر خالی چھوڑ کر چلے جانا، اپنے وطن کی محبت سے چشم پوشی کرنا، ایسی جگہ پر آباد ہونا، کہ سارا کام صفر سے دوبارہ شروع کرنا، اگر جس کی اولاد ہجرت میں اس کا ساتھ نہ دے تو یہ اور مشکل ہوتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے کہ یہ امتحان ہجرت یا جہاد صرف تمہیں پیش نہیں آئے بلکہ تم سے پہلے اقوام کو بھی امتحان کا سامنا کرنا پڑا تھا، یہاں پر درحقیقت صدق وایمان کی نشانی اور کذب نفاق وکفر کی نشانی بیان ہوئی ہے۔

البتہ یہاں پر صدق وکذب عملی مراد ہے نہ صرف زبانی، صدق بیان حقیقت ہے اور کذب اس کے برعکس ہے، خداوند عالم نے صفت اصلی، رہبر صداقت بیان فرمائی اور پھر سب کو دعوت دی کہ سب صادق ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے انبیاءؑ کی باقی صفات صدق کے محور پر ہیں۔

صدق روایات کی روشنی میں

اس موضوع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باقی ائمہ علیہم السلام سے بے شمار روایات بیان ہوئی ہیں ہم ان میں سے بعض ذکر کرتے ہیں:

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَنْظُرُوا اِلٰی كَثْرَةِ صَلَاتِهِمْ وَ صِيَامِهِمْ وَ كَثْرَةِ الْحَجِّ وَ الزَّكَاةِ وَ كَثْرَةِ الْمَعْرُوفِ وَطَنْطَنَتِهِمْ بِاللَّيْلِ, اُنْظُرُوا اِلٰى صِدْقِ الْحَدِيثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ.[1]

لوگوں کی کثرت نماز وروزہ وحج وزکوۃ، نیکیوں کی کثرت اور راتوں کے جاگنے کی طرف

[1] بحار الانوار، جلد 68، صفحہ 9، حدیث 13.

نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ وہ اپنی گفتار میں کتنے سچے ہیں اور امانتیں ادا کرنے کے کیسے پابند ہیں۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيّاً إِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَ أَدَاءِ الْأَمَانَةِ إِلَى الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ. [1]

خداوند عالم نے کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر صدق الحدیث اور اداء امانت کے ساتھ۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ صَدَقَ لِسَانُهُ زَكَى عَمَلُهُ. [2]

جس کی زبان پر صدق ہے اس کے اعمال پاکیزہ ہیں، کیونکہ صدق وسچائی اعمال صالح کا ریشہ ہے۔

(۴) آپؑ ہی نے ایک اپنے صحابی عبداللہ بن ابن یعفور سے فرمایا:

أُنْظُرْ مَا بَلَغَ بِهِ عَلِيٌّ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ (صلى الله عليه وآله) فَالْزَمْهُ.

فَإِنَّ عَلِيّاً (عَلَيْهِ السَّلَامُ) إِنَّمَا بَلَغَ مَا بَلَغَ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَ أَدَاءِ الْأَمَانَةِ. [3]

دیکھو علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کتنا مقام حاصل کرلیا،

پھر فرمایا:: امام علی علیہ السلام کو یہ مقام اس لئے حاصل ہوا کہ وہ راست گو یعنی سچے اور امانت دار تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت نے بھی ان دوصفات کے ذریعے مقام حاصل کیا۔

(۵) کسی نے حضرت علی علیہ السلام سے مقام وشخصیت انسان کے بارے میں سوال کیا؟

أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ؟

کون زیادہ باعظمت ہے؟

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 104، حدیث 1۔

[2] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 104، حدیث ۳۔

[3] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 104، حدیث 5۔

آپؑ نے فرمایا:

مَنۡ صَدَقَ فِي الۡمَوَاطِنِ.

جو شخص ہر وقت سچ بولتا ہو۔[۱]

اس بات کی حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے اگر ہم تھوڑا سا بھی قرآن میں غور وفکر کریں: قرآن میں خداوندعالم فرماتا ہے:

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَاللهِ اَتۡقٰيكُمۡ.[۲]

اللہ کے نزدیک باکرامت صاحبان تقویٰ ہیں۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ سچائی وہی تقویٰ ہے۔

(٦) حضرت علی علیہ السلام صدق سے نجات کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَلۡزَمُوا الصِّدۡقَ فَإِنَّهُ مَنۡجَاة.[۳]

صدق کا دامن نہ چھوڑنا کیونکہ یہ انسان کی نجات کا سبب ہے۔

صدق کے بارے میں امام جعفرصادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلصِّدۡقُ نُورٌ غَيۡرَ مُتَشَعۡشِعٍ اِلَّا فِي عالَمِهِ كَالشَّمۡسِ يَسۡتَضِيءُ بِهَا كُلُّ شَيءٍ يَغۡشاهُ مِنۡ غَيۡرِ نُقۡصانٍ يَقَعُ عَلى مَعۡناها.[۴]

صدق ایک ایسا نور ہے کہ اپنے اطراف کو روشن کرتا ہے۔جس طرح سے سورج کی روشنی ہوتی ہے اورتمام چیزوں پر چمکتی ہے اورکسی کونقصان نہیں ہوتا۔

آپؑ ہی سے ایک روایت منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

---

[۱] بحارالانوار، جلد 67، صفحہ 9، حدیث 12.

[۲] سورہ حجرات، آیت ۱۳

[۳] تحف العقول/ النص/ 104/ آدابه عليه السلام لأصحابه و هي أربعمائة باب للدين و الدنيا ص:100

[۴] بحارالانوار (ط - بيروت)/ ج 68/ 10/ باب 60 الصدق و المواضع التي يجوز تركه فيها و لزوم أداء الأمانة ص:1

اَلصِّدْقُ سَيْفُ اللهِ فِي اَرْضِهِ وَ سَمائِهِ اَيْنَما هَوى بِهِ يُقَدُّهُ.[1]

سچائی زمین و آسمان پر اللہ کی تلوار ہے جو بھی اسے استعمال کرے کامیاب ہوگا۔

(۷) حضرت علی علیہ السلام صدق کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَلصِّدْقُ رَأْسُ الدِّيْنِ.[2]

سچائی دین کی اساس ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

اَلصِّدْقُ صَلَاحُ كُلِّ شَيْءٍ.[3]

صدق ہر چیز کی اصلاح کر سبب ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

اَلصِّدْقُ أَقْوَى دَعَائِمِ الْإِيمَان.[4]

صدق ایمان کا قوی ترین ستون ہے۔

دوسرے لفظوں میں فرمایا:

اَلصِّدْقُ جَمَالُ الْإِنْسَانِ وَ دَعَامَةُ الْإِيمَان.[5]

صدق انسان کا حسن اور ایمان کا قوی ترین ستون ہے۔

آپ ہی سے مروی ہے:

اَلصِّدْقُ اَشْرَفُ خَلائِقِ الْمُوْقِنِ.[6]

صدق شریف تیرین افراد کا اخلاق ہے۔

---

[1] مصباح الشریعۃ/ 35 / الباب الخامس عشر فی الصدق

[2] عیون الحکم والمواعظ (للیثی) / 25 / الفصل الأول مما أوله الألف و اللام ..... ص: 17

[3] عیون الحکم والمواعظ (للیثی) / 44 / الفصل الأول مما أوله الألف و اللام ..... ص: 17

[4] تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم / 218 / الصدق والدین ..... ص: 218

[5] غرر الحکم ودرر الکلم / 121 / 2142 ..... ص: 121

[6] عیون الحکم والمواعظ (للیثی) / 46 / الفصل الأول مما أوله الألف و اللام ..... ص: 17

(۸) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت ودوزخ کی کلید کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِنَّ رَجُلا جاءَ إِلَى النَّبِي فَقالَ يا رَسُولَ اللهِ ما عَمَلُ الْجَنَّةِ؟

قالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصِّدْقُ إذا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ، وَإِذا بَرَّ آمَنَ، وَإِذا آمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

قالَ: يا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَما عَمَلُ النّارِ؟

قالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْكِذْبُ، إِذا كَذِبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَ إِذا فَجَرَ كَفَرَ، وَ إِذا كَفَرَ دَخَلَ النّارَ.[۱]

کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، وہ عمل بتائیں جس سے انسان کو جنت ملتی ہے،
آپؐ نے فرمایا: سچائی، کیونکہ جب انسان سچ بولتا ہے تو وہ نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو ایمان لاتا ہے اور جب ایمان لاتا ہے تو جنت میں جاتا ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا عمل دوزخ میں لے جاتا ہے،
آپؐ نے فرمایا: جھوٹ بولنا جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو بدی کرتا ہے اور جب بدی کرتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے، اور جب کافر ہوتا ہے تو دوزخ میں جاتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ سچائی وصداقت نیکی کا سرچشمہ ہے اور نیکی کا سرچشمہ ایمان ہے، بدکردار لوگ اپنے گناہ کے عُذر پیش کرنے کی خاطر جھوٹ بولتا ہے اور آہستہ آہستہ ایسے شخص کا ایمان ضعیف ہو جاتا ہے اور کافر ہو جاتا ہے جس طرح خداوندعالم فرماتا ہے:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ.[۲]

پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی ان کا انجام بُرا ہی ہوا۔ کیونکہ ان لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کے ساتھ مسخرا پن کیا۔

(۹) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] میزان الحکمۃ، جلد 3، صفحہ 2674.

[۲] الروم:10

إذا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْداً أَلْهَمَهُ الصِّدْقَ.[1]

جب خدا کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے دل میں صداقت وسچائی ڈال دیتا ہے۔

(۱۰) ایک اور حدیث میں مولا امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَرْبَعٌ مَنْ أُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ أُعْطِيَ خَيْرُ الدُّنْيا وَ الْآخِرَةِ. صِدْقُ حَدِيثٍ وَ أَدَاءُ أَمانَةٍ وَ عِفَّةِ بَطْنٍ وَ حُسْنِ خُلُقٍ.[2]

چار چیزیں ایسی کہ جس کو مل جائیں اس کو دنیا وآخرت کی خیر وبرکت مل جاتی ہے:

(۱) سچائی (۲) امانت کی ادائیگی

(۳) شکم کی نگہداری حرام سے (۴) حسن اخلاق۔

مجموعہ احادیث سے مندرجہ ذیل نکات ذکر ہوئے ہیں:

لوگوں کے امتحان کا ایک طریقہ یہ ہے کہ باایمان افراد کا امتحان سچائی سے ہے،

سچائی کی طرف دعوت تمام انبیاءؑ کا دستور تھا،

صداقت وسچائی عمل کی پاکیزگی کا سبب ہے،

صادق افراد کا رتبہ خدا کے پاس بلند ہے،

سب سے زیادہ گرامی افراد سچے افراد ہیں،

صداقت وسچائی دین کا محکم ترین ستون ہے،

صداقت آخرت میں نجات کا سبب ہے،

صداقت وسچائی جنت کی کنجی ہے،

صداقت وسچائی خدا کے ہاں محبوب ہے،

جو انسان سچا ہے اسے دنیا وآخرت کی خیر وبرکت نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] شرح غرر آمدی، جلد 3، صفحہ 161.

[2] شرح غرر آمدی، جلد 3، صفحہ ۱۵۱.

زندگی میں صداقت کی تاثیر

انسان کی زندگی میں صداقت وسچائی کی تاثیر کسی پر مخفی نہیں ہے سب سے پہلی تاثیر یہ ہے کہ انسان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، اجتماعی زندگی میں اس کی بڑی تاثیر ہے کیونکہ اکثر لوگوں کی زندگی اجتماعی صورت میں ہے اور اجتماعی زندگی اس وقت کامیاب ہے جب لوگوں میں ایک دوسرے پر اعتماد ہو اور اعتماد اس وقت حاصل ہوتا، جب صداقت و امانت حاکم ہو۔

ان کا خطرناک ترین دشمن جھوٹ ہے۔ایک سیاستدان جب بار بار جھوٹ بولتا ہے تو وہ لوگوں کی نظر میں گر جاتا ہے۔

اگر ایک دانشمند اپنی تحقیق میں جھوٹ بولتا ہے تو اس پر کوئی اعتماد نہیں کرتا،

ایک اقتصادی ادارہ اگر جھوٹ بول کر غلط اشتہار دیتا ہے تو اس کی قدر بھی آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلصِّدْقُ صَلاحُ كُلِّ شَیءٍ اَلكِذْبُ فَسادُ كُلِّ شَیءٍ.[۱]

ہر چیز کی اصلاح کا سبب صداقت ہے اور تمام فساد کا سبب جھوٹ ہے۔

(۱) حدیث میں آپؑ نے فرمایا:

اَلْكَذّابُ وَ الْمَيِّتُ سَواءٌ فَاِنَّ فَضِيلَةَ الْحَيِّ عَلَى الْمَيِّتِ الثِّقَةُ بِهِ فَاِذا لَمْ يُوثَقْ بِكَلامِهِ فَقَدْ بَطَلَتْ حَياتُهُ.[۲]

جھوٹا شخص اور مردہ یکساں ہیں کیونکہ زندہ انسان کو مردے پر برتری، اعتماد تھا، اور اگر اُس نے اعتماد نہ ہوتو اس کا زندہ ہونا بے فائدہ ہے

(۲) دوسرا یہ کہ صداقت اور سچائی انسان کو باشخصیت بناتا ہے حالانکہ جھوٹ انسان کو رسوا کرتا ہے صادق شخص

---

[۱] شرح غرر آمدی، جلد 1، صفحہ 281.

[۲] شرح غرر آمدی، جلد 2، صفحہ 139.

ہمیشہ سر بلند ہوتا ہے لیکن جھوٹا آدمی سرنگوں اور بے عزت ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِالصِّدْقِ، فَمَنْ صَدَقَ فِي أَقْوَالِهِ جَلَّ قَدْرُهُ.[1]

ہمیشہ صداقت وسچائی سے کام لو کیونکہ جو شخص اپنے کلام میں سچا ہے، معاشرے میں اس کا مقام بلند ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ صداقت وامانت سے انسان شجاع ہوتا ہے لیکن جھوٹا انسان ڈرپوک اور خوف زدہ ہوتا ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ صداقت انسان کو بہت سے گناہوں سے نجات دیتی ہے کیونکہ جانتا ہے کہ اگر کوئی خلاف کام کیا تو سوال کیا جائے گا اور پھر انسان گناہ کا اعتراف نہیں کر سکتا لہٰذا بہتر تھا گناہ نہ کرتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث ہے کہ

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، میں چار مخفی گناہوں میں اسیر ہوں:

(۱) زنا (۲) شراب خوری

(۳) چوری (۴) جھوٹ،

اے اللہ کے رسولؐ ان میں ایک کو آپ کی خاطر چھوڑتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ کو چھوڑ دو،

وہ شخص واپس چلا گیا، جب کسی گناہ کا سوچتا تو اپنے آپ سے کہتا اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا۔ اگر جھوٹ بولتا ہوں، جھوٹ چھوڑنے کا وعدہ کیا ہے اور سچ بولتا ہوں تو شرعی حد جاری ہوتی ہے، جب بھی اس کے دل میں شراب خوری یا چوری کا خیال آتا تو وہی فکر کرتا۔ دوبارہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے مجھ پر تمام گناہوں کے راستے بند کر دیئے، میں نے سب گناہوں کو ترک کر دیا ہے۔[2]

(۵) پانچواں یہ کہ صداقت وسچائی بہت سی مشکلات کا حل ہوتا ہے اور انسان سعادت مند بنتا ہے، معاشرے میں آرام وسکون پیدا ہوتا ہے، عدالتوں میں کیس کم ہو جاتے ہیں، دوستی ومحبت زیادہ ہوتی ہے، انسان باشخصیت اور

---

[1] شرح غرر، جلد 4، صفحہ 296.

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد 6، صفحہ 357.

بارعب ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

أَحسَنُ مِنَ الصِّدقِ قائِلُهُ وَ خَيرٌ مِنَ الخَيرِ فاعِلُهُ.[1]

سچائی سے بہتر اس سچائی کا کہنے والا ہے اور نیکی سے بہتر نیکی انجام دینے والا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

يَكتَسِبُ الصّادِقُ بِصِدقِهِ ثَلاثاً، حُسنُ الثِّقَةِ وَ المَحَبَّةُ لَهُ وَ المَهابَةُ مِنهُ.[2]

سچے انسان کو اپنے سچ کی وجہ سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۱) لوگوں میں حسن اعتماد (۲) جذب دوستی ومحبت

(۳) شخصیت ورعب۔

صدق کے نتائج

الف: ____________ اعتماد نفس

ب: ____________ شجاعت

ج: ____________ باکردار ہونا

د: ____________ خدا وقیامت پر ایمان

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

الإِيمانِ أَن تُؤثِرَ الصِّدقَ حَيثُ يَضُرُّكَ عَلَى الكَذِبِ حَيثُ يَنفَعُكَ.[3]

ایمان یہ ہے کہ جہاں (ظاہراً) سچ نقصان دے اور جھوٹ فائدہ دے وہاں پر بھی سچ ہی بولا جائے۔

---

[1] بحارالانوار، جلد 68، صفحہ 9.

[2] غرر الحکم، جلد 2، صفحہ 876.

[3] نہج البلاغہ، کلمات قصار، شمارہ 458.

مفہوم صدق

بعض نے لکھا ہے کہ صدق یعنی واقع کے ساتھ مطابقت رکھنا اور بعض نے کہا مطابقت باتشخیص کہ کہنے والا کیا کہتا ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔[1]

(اے رسولؐ) جب تمہارے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اقرار کرتے ہیں کہ آپ یقیناً خدا کے رسولؐ ہیں اور خدا بھی جانتا ہے کہ تم یقینی اس کے رسولؐ ہو۔ مگر خدا ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ لوگ (اپنے اعتقاد کے لحاظ سے) ضرور جھوٹے ہیں۔

واضح ہے منافقین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتے تھے، یہ ان کا کلام واقع کے مطابق تھا، لیکن چونکہ ان کے عقائد کے مطابق نہ تھا تو وہ جھوٹے تھے یعنی وہ اپنا اندرونی عقیدہ ظاہر کرتے تھے لیکن حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

الصِّدْقُ مُطَابَقَةُ الْمَنْطِقِ لِلْوَضْعِ الْإِلٰهِي۔

سچ بولنا ایک الٰہی ذمہ داری ہے۔

اَلْكِذْبُ زَوَالُ الْمَنْطِقِ عَنِ الْوَضْعِ الْإِلٰهِي۔

جھوٹ بولنا الٰہی ذمہ داری سے فرار ہے۔

ظاہراً وضع الٰہی سے مراد جہاں کی خلافت ہے جو خدا کے ارادے سے خلق ہوا ہے، البتہ جس طرح صدق و کذب زبان پر جاری ہوتے ہیں، اسی طرح انسان کے عمل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

[1] سورۂ منافقون:۱

۸۔جھوٹ اورآثار وانجام

اسلام میں جھوٹ کا مقابلہ کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے جھوٹے افراد کو کافر اور منکر خدا شمار کیا گیا ہے جھوٹ تمام گناہوں کی کلید ہے انسان جب تک جھوٹ نہیں چھوڑتا وہ ایمان کا ذائقہ نہیں چکھتا، اب ہم اس موضوع پر آیات قرآنی کو ذکر کرتے ہیں،توجہ فرمائیں:

۱۔ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ.[۱]

جھوٹ بہتان تو بس وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور (حقیقت امر یہ ہے کہ) یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ.[۲]

بے شک خدا جھوٹے ناشکرے کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔

---

[۱] نحل::105

[۲] زمر:3

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ.[۱]

بے شک خدااس شخص کی ہدایت نہیں کرتا جوحد سے گزرنے والا (اور) جھوٹا ہے۔

۴۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ.[۲]

پھراس کے خمیازہ میں اپنی ملاقات کے دن (قیامت) تک ان کے دلوں میں (گویا خود) نفاق ڈال دیا اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

۵۔ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ.[۳]

ان کے دلوں میں مرض تھا ہی اب خدا نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا اور چونکہ وہ لوگ جھوٹ بولا کرتے تھے اس لیے ان پر تکلیف دِہ عذاب ہے

۶۔ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ.[۴]

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ بے شک جو لوگ جھوٹ موٹ خدا پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

۷۔ ... ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ.[۵]

اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

---

[۱] غافر::28

[۲] توبہ:77

[۳] بقرہ:10

[۴] یونس:69

[۵] آل عمران:61

تفسیر وخلاصہ

پہلی آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّمَا يَفۡتَرِى الۡـكَذِبَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ‌ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡـكٰذِبُوۡنَ.

جھوٹ بہتان تو بس وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور (حقیقت امر یہ ہے کہ) یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

یہ آیت اس وقت ظاہر ہوئی کہ جب دشمن اسلام مشرکین نے یہ دیکھا بعض آیات نسخ ہوگئی ہے، لہٰذا احکام الٰہی کے بجائے اپنے پاس سے احکام جاری کرتے اور بہانہ کرتے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوٹ بولتے ہیں یا یہ کہتے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دو عیسائی غلام (یسا اور جبر) سے علم سیکھتے ہیں اور کبھی کہتے کہ (بلعم) نامی نصرانی آپ کا استاد ہے حالانکہ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں ہے وہ عجمی تھے، خدا ان کے سب جواب میں کہتا ہے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی نازل ہونے والی آیت بیان فرماتے ہیں، اور صدق وسچائی ان سے ظاہر ہے وہ صادق امین کے لقب سے مشہور تھے، جو جھوٹ بولتے ہیں وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتے یعنی ایمان جھوٹ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، حقیقی مومن کی زبان سے صدق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا، جملہ (يَفۡتَرِى الۡـكَذِبَ)درحقیقت تاکید ہے، ان کے جھوٹ پر، کہ ہم جھوت بولتے ہیں اور ہم تہمت لگاتے ہیں۔

طبرسی کے قول کے مطابق بمعنی (يَخۡتَرِعُ الۡـكَذِبَ) یعنی اپنے پاس سے جھوٹ بناتے تھے۔

جھوٹ اور تہمت میں عموم خصوصی من مطلق کی نسبت ہے، ہر وہ بات جو واقع کے خلاف ہو جھوٹ ہوتا ہے لیکن وہ عیب ہے جو کسی میں نہ پایا جائے، یہ بھی احتمال ہے کہ (یختری الکذب) سے مراد کفر وشرک کے علمبردار ہوں کہ جو کہ ہمیشہ جھوٹ بولنے والے ہیں اور جھوٹ جیسے شاعر، جادوگر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہنا، دوسرے لوگ اس کی پیروی کرتے تھے، بہر حال آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ایمان جھوٹ سے سازگار نہیں ہے،

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن آبرو ریزی کرسکتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا، ہوسکتا ہے،

پھر سوال ہوا، کیا مومن چوری کرسکتا ہے،

آپؑ نے فرمایا، ممکن ہے،

پھر پوچھا کیا ممکن ہے کہ مومن جھوٹ بولے؟

آپؑ نے فرمایا، نہیں۔

پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ.

بے شک خدا جھوٹے ناشکرے کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔

دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے:

اِنَّمَا يَفۡتَرِى الۡكَذِبَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ‌ۚ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ.

جھوٹ بہتان تو بس وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور (حقیقت امر یہ ہے کہ) یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

ہم جانتے ہیں ہدایت وگمراہی خدا کے ہاتھ میں ہے، حتیٰ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو ہدایت کرنا چاہیں تو جب تک خدا کا ارادہ نہ ہو وہ ہدایت نہیں کر سکتے:

اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ.[1]

(اے رسولؐ) بے شک تم جسے چاہو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ مگر ہاں خدا جسے چاہے منزلِ مقصود تک پہنچائے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے۔

لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ خدا مجبوراً کسی کو ہدایت اور کسی کو گمراہ کرتا ہے، ایک گروہ کو نعمتیں عطا کرنا اور دوسرے کو دوزخ کی آگ میں ڈالنا عقل ومنطق سے سازگار نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب لوگ ہدایت یا گمراہی کے لئے فرامین ہموار کرتے ہیں، خدا ہر ایک اس کی لیاقت کے مطابق ثواب دیتا ہے جو گروہ ہدایت کے لئے زمین ہموار کرتا ہے خدا اسے منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اور جو گروہ ضلالت وگمراہی کے لئے زمین ہموار کرتا ہے خدا اسے سرگردان کرتا ہے تاکہ وہ سعادت مند نہ ہو سکے۔

---

[1] قصص، آیہ 56.

مہم ترین وہ اُمور جو گمراہی کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں:

(۱) جھوٹ (۲) اسراف اور

(۳) کفرانِ نعمت ہیں۔

چوتھی آیت میں منافقین کا ذکر ہوا ہے جن کا ایمان اور عمل صالح میں دکھاوا اور ریاکاری تھی، ثعلبہ بن حاطب انصاری نے خدا سے عہد کیا اگر خدا نے اسے زیادہ رزق دیا تو وہ غریبوں کی مدد کرے گا لیکن یہ اس کا جھوٹ تھا، لہٰذا خداوندعالم فرماتا ہے:

فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ

پھر اس کے خمیازہ میں اپنی ملاقات کے دن (قیامت) تک ان کے دلوں میں (گویا خود) نفاق ڈال دیا

پھر فرمایا:

بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ.

اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

خدا سے وعدہ خلافی ایک قسم کی عملی جھوٹ ہے، وعدہ خلافی اور جھوٹ میں فرق واضح ہے کیونکہ نفاق ظاہر و باطن دوغلا پن ہے وعدہ خلافی کرنے والے بھی ظاہری طور پر اپنے آپ کو پابند نہ ہونے کا ظاہر کرتے ہیں حالانکہ باطن میں ایسا نہیں ہوتا۔

آج بھی ثعلبہ بن حاطب کی مانند افراد موجود ہیں کہ مشکلات کے وقت خدا سے عہد و پیمان باندھتے ہیں، نذر مانتے ہیں لیکن مشکلات ختم ہو جاتی ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں پانچویں آیت میں منافقین کی بُری صفات ذکر ہوئی ہیں، خداوندعالم فرماتا ہے

فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۬ۙ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ.

ان کے دلوں میں مرض تھا ہی اب خدا نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا اور چونکہ وہ لوگ جھوٹ بولا کرتے تھے اس لیے ان پر تکلیف دِہ عذاب ہے

یہاں پر بیماری سے مراد نفاق کی بیماری ہے، یہ ایک اخلاقی بیماری شمار ہوتی ہے

چھٹی آیت معین خدا پر جھوٹ باندہنے کے بارے میں ہے خدا فرماتا ہے:

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ.

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ بے شک جو لوگ جھوٹ موٹ خدا پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

اصولاً جھوٹ سچائی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا خصوصاً یہ جھوٹ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ہو، خدا پر جھوٹ سے مراد یہ ہے کہ مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے، ہم عام انسان کو فطری طور پر مدد کے لئے اور بقائے نسل کے لئے اولاد کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ان چیزوں سے منزہ و پاک ہے خدا ان چیزوں سے بے نیاز ہے وہ ازل اور ابد سے ہے۔

قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں مشرکین کے اعمال جھوٹ اور تہمت دونوں کو شمار کیا گیا ہے یہ اس لئے ہے کہ جھوٹ کا مفہوم وسیع معنی رکھتا ہے، اس قسم کا مضمون آیت سورہ نحل کی آیت ۱۱۶، میں بھی آیا ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ.

اور جھوٹ موٹ جو کچھ تمہاری زبان پر آئے (بے سمجھے بوجھے) نہ کہہ بیٹھا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ اس کی بدولت خدا پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

ساتویں اور آخری آیت مباہلہ کے بارے میں معروف ہے جھوٹ کی ایک قسم ہے یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو، خداوند عالم فرماتا ہے:

فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ۚ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ.

پھر جب تمہارے پاس علم (قرآن) آچکا اس کے بعد بھی اگر تم سے کوئی (نصرانی عیسیٰ

کے بارے میں) حجّت کرے تو کہو کہ (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

مباہلہ دراصل "بہل" کے مادہ سے سہل کے وزن پر ہے یعنی چھوڑنا مذہبی تفسیر میں مباہلہ سے مراد یہ ہے کہ دوگروہوں کا آمنے سامنے آنا اور ہر ایک دوسرے پر نفرین کرلے، جس کی نفرین موثر واقع ہو وہ حق پر شمار ہوتا ہے، جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان مباہلہ ہوا، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام، فاطمہ علیہا السلام، حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام کو ساتھ لیا تھا، جب عیسائیوں نے ان ہستیوں کو دیکھا تو واپس ہو گئے،

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ جھوٹ اور اس کے آثار کتنے خطرناک ہیں۔

جھوٹ روایات کی روشنی میں

(۱) بعض روایات میں ملتا ہے کہ جھوٹ گناہوں کی کلید ہے امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ جَعَلَ لِلشَّرِّ أَقْفَالًا وَ جَعَلَ مَفَاتِيحَ تِلْكَ الْأَقْفَالِ الشَّرَابَ وَ الْكَذِبُ شَرٌّ مِنَ الشَّرَابِ.[۱]

خداوندعالم نے شر کے لئے تالے قرار دیئے ہیں اور ان کی کلید شراب ہے۔

(۲) امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

جُعِلَتِ الْخَبَائِثُ فِي بَيْتٍ وَ جُعِلَ مِفْتَاحُهُ الْكَذِبُ.[۲]

تمام خبیث اشیاء کو ایک کمرے میں قرار دیا گیا اور اس کمرے کی چابی جھوٹ ہے،

اس کی دلیل یہ ہے جب گناہ گار انسان رسوا ہوتا ہے تو وہ جھوٹ کے ذریعے اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔

---

[۱] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج 2 / 339 / باب الکذب.....ص: 338

[۲] بحارالانوار (ط-بیروت) / ج 69 / 263 / باب 114 الکذب وروایۃ وسماعہ.....ص: 232

ایک مشہور حدیث ہے کہ

ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، جو مختلف گناہ کرتا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے صرف یہ وعدہ کیا کہ جھوٹ نہ بولنا اس نے جھوٹ چھوڑ دیا تو باقی گناہ بھی چھوٹ گئے۔[۱]

(۳) احادیث سے استفادہ ہوتا ہے، جھوٹ ایمان کے ساتھ سازگار نہیں ہے، ایک حدیث میں ہے:

سُئِلَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ) يَكُونُ الْمُؤمِنُ جَبَاناً؟

قَالَ: نَعَمْ؛

قِيلَ وَيَكُونُ بَخِيلاً؟

قَالَ: نَعَمْ.

قِيلَ يَكُونُ كَذَّاباً

قَالَ: لا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا، کیا ممکن ہے مومن انسان ڈرپوک ہو؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں

پھر آپؐ سے پوچھا گیا، کیا ممکن ہے مومن بخیل ہو؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں

پھر آپؐ سے پوچھا گیا: کیا ممکن ہے کہ مومن جھوٹا ہو،

آپؐ نے فرمایا: نہیں۔

اس مضمون والی روایت حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے،

لَا يَجِدُ عَبْدٌ طَعْمَ الْإِيمَانِ، حَتَّى يَتْرُكَ الْكَذِبَ، هَزْلَهُ وَجِدَّهُ.[۲]

کوئی انسان ایمان کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا جب تک وہ جھوٹ کو ترک نہ کرے، خواہ مذاق میں ہو یا عام گفتگو میں ہو۔

جھوٹ ایمان کے ساتھ کیوں سازگار نہیں؟ کیونکہ جب فضل خدا ہوتا ہے تو سب کچھ جانتا ہے لیکن جب کوئی

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد 6، صفحہ 357.

[۲] الفصول المہمۃ فی اصول الائمۃ (تکملۃ الوسائل) / ج 3 / 364 / باب 90۔تحریم کل کذب الا ما استثنی.....ص: 363

مشکل پیش آئے تو پھر وعدہ و نذر ماننا شروع کر دیتا ہے۔

(۴) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَشَرُّ الْقَوْلِ الْكِذْبُ.[1]

بدترین بات، جھوٹ ہے۔

کیونکہ اس کے خطرناک آثار ہر بری بات کے آثار سے بدتر ہیں۔

(۵) حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَعْظَمُ الْخَطَايَا عِنْدَاللهِ اَللِّسانُ الْكَذُوبِ وَ شَرُّ النَّدامَةِ نَدامَةُ يَوْمِ الْقِيامَةِ.[2]

خدا کے نزدیک بدترین گناہ جھوٹ ہے اور روز قیامت بدترین پشیمانی ہے۔

(۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِيّاكُمْ وَ الْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِى اِلَى الْفُجُورِ وَ اِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِى اِلَى النّارِ.[3]

جھوٹ سے پرہیز کرو کیونکہ جھوٹ فجور کو دعوت دیتا ہے اور فجور دوزخ کی آگ میں جاتا ہے۔

(۷) جھوٹ عقل سے بھی سازگار نہیں ہے، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الْعاقِلَ لا يَكْذِبُ وَاِنْ كانَ فِيهِ هَواهُ.[4]

عاقل انسان جھوٹ نہیں بولتا اگر چہ اس کی طرف میلان بھی رکھتا ہو۔

(۸) جھوٹ سے خدا کی رحمت کے فرشتے انسان سے دور ہو جاتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذا كَذِبَ الْعَبْدُ كِذْبَةً تَباعَدَ الْمَلَكُ مِنْهُ مَسيرَةَ ميلٍ مِنْ نَتْنِ

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ 84.

[2] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 243،

[3] کنز العمال، حدیث 8219.

[4] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 305.

ماجاءبِهِ.[۱]

جب کوئی انسان جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے منہ سے آنے والی بدبو کی خاطر ایک میل دور ہو جاتا ہے۔

(۹) جھوٹ نفاق کا دروازہ ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ الْکِذْبَ بَابٌ مِنْ اَبْوابِ النِّفاقِ.[۲]

جھوٹ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

(۱۰) جھوٹ سے لوگوں میں اعتماد نہیں رہتا، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ عُرِفَ بِالْکِذْبِ قَلَّتِ الثِّقَةُ بِهِ.[۳]

جو شخص جھوٹا ہوتا ہے لوگ اس پر اعتماد کرنا کم کر دیتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں آپؑ ہی نے فرمایا:

مَنْ تَجَنَّبَ الْکِذْبَ صُدِّقَتْ أَقْوالُهُ.[۴]

جو شخص جھوٹ سے پرہیز کرتا ہے لوگ اس کی بات کو قبول کرتے ہیں۔

(۱۱) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَاِیّاكَ وَمُصادَقَةَ الْکَذّابِ فَاِنَّهُ کَالسَّرَابِ یُقَرِّبُ عَلَیْكَ الْبَعِیدَ وَیُبَعِّدُ عَلَیْكَ الْقَرِیبَ.[۵]

جھوٹے شخص سے دوستی کرنے سے بچو کیونکہ اس کی دوستی سراب کی مانند ہے تجھے دور کو نزدیک دکھاتا ہے اور نزدیک کو دور دکھاتا ہے۔

باقی نکات کو خلاصہ کے طور پر تحریر کرتے ہیں۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابی الحدید، جلد 6، صفحہ 357.

[۲] کنز العمال، حدیث 8212.

[۳] شرح غرر، جلد 5، صفحہ 390.

[۴] شرح غرر، جلد 5، صفحہ ۴۶۱.

[۵] نہج البلاغہ، کلمات قصار، کلمہ 38.

جھوٹ کے آثار

سب سے پہلا خطرناک اثر یہ ہے کہ جھوٹ سے رسوائی ہوتی ہے معاشرے میں انسان لوگوں کی نگاہوں میں گر جاتا ہے، یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا، تجربات سے ثابت ہے جھوٹی بات کافی مدت تک مخفی نہیں رکھی جاسکتی، فارسی میں کہتے ہیں (دورغ گو حافظہ ندارد) جیسے حضرت یوسفؑ کی داستان کہ جب اس کے بھائیوں نے اسے کنویں میں ڈالا اور کہا، اسے بھیڑیا کھا گیا ہے، اور خون آلودہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لائے حالانکہ یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر مارتا تو قمیص پھٹی ہوئی ہوتی اس طرح یوسف علیہ السلام اور زُلیخا کا واقعہ، زُلیخا نے کہا یوسفؑ میرے پیچھے بھاگا، اس صورت میں وہ فراموش کرگئی کہ یوسفؑ کی قمیص تو پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے، کیونکہ وہ یوسف علیہ السلام کے پیچھے دوڑی تھی۔

آج بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ جو جھوٹ بول جاتے ہیں اور جب انھیں بعد میں یاد دلائیں تو شرمندہ ہوتے ہیں۔

آثار میں دوسرا اثر یہ ہے جھوٹا آدمی ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے کئی اور جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ وہ اپنے گناہوں کو مخفی کرنا چاہتا ہے۔

جھوٹ کے آثار میں تیسرا یہ ہے دکھاوے کا کام کرتا ہے۔

اس طرح چوتھا یہ ہے کہ انسان آہستہ آہستہ منافق کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے کیونکہ جھوٹ نفاق کا ایک دروازہ ہے جھوٹا آدمی اپنے آپ کو سچا بناتا ہے لیکن دل میں جھوٹا ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْكِذْبُ يُؤَدِّی اِلَى النِّفاقِ۔[1]

جھوٹ انسان کو نفاق کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

پانچواں اثر یہ ہے کہ جھوٹا آدمی اجتماعی زندگی میں لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے، اس کے ہر کام پر لوگ

---

[1] شرح غرر الحکم، جلد 1، صفحہ 310.

شک کرنے لگ جاتے ہیں، اسی وجہ سے بعض روایات میں جھوٹے کو مردے کے یکساں شمار کیا گیا ہے،

روایت میں ہے:

اَلْكَذّابُ وَ الْمَيّتُ سَواءٌ فَاِنَّ فضيلَةَ الْحَيِّ عَلَى الْمَيّتِ اَلثِّقَةُ بِهِ، فَاِذا لَمْ يُوثَقْ بِكَلامِهِ بَطَلَتْ حَياتُهُ.[۱]

جھوٹا شخص مثل مردے کے ہے زندہ کو مردے پر اگر کوئی فضیلت ہے تو وہ اعتماد کی ہے اگر کسی شخص کی باتوں پر اعتماد نہ رہے تو اس کی زندگی موت سے بدتر ہے۔

چھٹا اثر یہ ہے کہ جھوٹا آدمی حسد، کینہ و بخل کرتا ہے جب کوئی قرض مانگتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔

ساتواں اثر یہ ہے کہ اگر ایک دانشمند اپنے علم و تحقیق میں جھوٹ بولتا ہے تو بعد میں اس تحقیق کا کوئی اعتبار نہیں رہتا، اس کے علاوہ جھوٹ کے اور بھی آثار ہیں جن کو ہم ذکر کرتے ہیں۔

فرشتے انسان سے دور ہو جاتے ہیں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

إِذا كَذِبَ الْعَبْدُ كِذْبَةً تَباعَدَ الْمَلَكُ مِنْهُ مَسيرَةَ ميل مِنْ نَتْنِ ماجاءَبِهِ.[۲]

جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں کیونکہ جھوٹے آدمی سے بدبو آتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ الْكِذْبَةَ فَيُحرَمُ بِها صَلاةَ اللَّيلِ، فَإِذا حُرِمَ صَلاةُ اللَّيلِ حُرِمَ بِها الرِّزْقُ.[۳]

کبھی انسان جھوٹ بولتا ہے اور نماز شب سے محروم ہو جاتا ہے، اور جب نماز شب سے محروم ہوتا ہے تو روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔

---

[۱] شرح آقا جمال خوانساری بر غرر الحکم و درر الکلم / ج 2 / 139 / 2104 الكذاب و الميت سواء فان فضيلة الحي على الميت الثقة به فاذا لم يوثق بكلامه بطلت حياته.....ص: 139

[۲] نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، جلد 6، صفحہ 357.

[۳] بحار الانوار، جلد 69، صفحہ 260.

احادیث میں ملتا ہے کہ جھوٹے سے عبادات قبول نہیں ہوتی ہیں، جس طرح روزہ داروں کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَإِذا صُمْتُمْ فَاحْفَظُوا أَلْسِنَتَكُمْ عَنِ الْكِذْبِ وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ.[1]

جب انسان روزہ رکھتا ہے تو اسے جھوٹ سے زبان کی حفاظت کرنی چاہیے اور آنکھوں کو گناہ سے دور رکھے،

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو روزے کی فضیلت کم ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات جھوٹے شخص کے لئے برکات الٰہی قطع ہو جاتی ہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

إِذا كَذَبَ الْوُلاةُ حُبِسَ الْمَطَرُ.[2]

جب حاکم اور بادشاہ لوگ جھوٹ بولیں گے تو بارش نہیں برستی۔

اس کے علاوہ معنوی آثار بھی ہیں مثلاً

جھوٹ سے رزق و روزی میں کمی ہوتی ہے

اور فقر و تنگدستی آتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِعْتِيادُ الْكِذْبِ يُورِثُ الْفَقْرُ.[3]

جھوٹ بولنے کی عادت سے غربت و تنگدستی آتی ہے، ایک حدیث میں رسولؐ فرماتے ہیں:

اَلْكِذْبُ يُنَقِّصُ الرِّزْقَ.[4]

اس رزق سے ممکن ہے معنوی اثر ہو۔

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد 7، صفحہ 119، حدیث 13.

[2] مسند الامام الرضا (علیہ السلام)، جلد 1، صفحہ 280.

[3] بحارالانوار، جلد 69، صفحہ 261.

[4] میزان الحکمہ، حدیث 17463.

جھوٹ کے اسباب

جھوٹ کے مختلف اسباب ہیں مہم ترین یہ ہیں:

(۱) ایمان اور عقیدے کا ضعیف ہونا،

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جَانِبُوا الْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ مُجَانِبُ الْإِيمَانِ.[۱]

جھوٹ سے کنارہ کشی کرو کیونکہ ایمان اور جھوٹ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

(۲) جھوٹ کا دوسرا سبب ضعف شخصیت اور حقارت ہے،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَكْذِبُ الْكَاذِبُ إِلَّا مِنْ مَهَانَةِ نَفْسِهِ عَلَيْهِ.[۲]

جو شخص اپنی شخصیت کو دکھانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے وہ اس کا اپنے لئے ہے۔

(۳) لوگوں سے حسد، بخل، تکبر اور خود پسندی و عداوت کی وجہ سے جھوٹ بولتے ہیں اور تہمت لگاتے ہیں۔

(۴) کسب مقام و شخصیت

بعض افراد معاشرے میں جھوٹ بولتے ہیں۔

(۵) دنیا سے محبت،

نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۷، میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّهُ سَيَأْتِي عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي زَمَانٌ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ أَخْفَى مِنَ الْحَقِّ وَ لَا أَظْهَرَ مِنَ الْبَاطِلِ وَ لَا أَكْثَرَ مِنَ الْكِذْبِ عَلَى اللهِ وَ رَسُولِهِ.[۳]

میرے بعد تم پر ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی چیز حق سے پنہاں تر، باطل سے زیادہ آشکارا اور خدا و رسول کی طرف جھوٹ کی نسبت سے زیادہ کوئی چیز نہ ہوگی۔

---

[۱] بحارالانوار، جلد 66، صفحہ 386.

[۲] کنزالعمّال، حدیث 8231 (جلد 3، صفحہ 625).

[۳] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج 8 / 387 / خطبۃ لامیر المؤمنینؑ..... ص: 386

جھوٹ کا علاج

اس بُری صفت کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینکنا، اس کے لئے وہی راہ اختیار کرنی چاہیے جو دوسری بُری صفات کو ختم کرنے کے لئے علاج کے طور پر اختیار کیا گیا ہے، سب سے پہلے اس کی جڑیں دیکھیں گے کہ وہ کہاں ہیں تا کہ جب جڑیں قطع ہو جائیں تو علاج ممکن ہے، اگر توحید افعالی کے بارے میں ایمان ضعیف ہو تو ایمان کو محکم کرنا چاہیے، خدا کو ہر چیز پر قادر سمجھنا چاہیے، رزق و روزی اور عزت و آبرو سب خدا کے ہاتھ میں ہے، ان سب پر اگر عقیدہ ہو تو جھوٹ چھوٹ سکتا ہے۔

اگر اس کا سبب حسد، بخل، تکبر اور غرور ہو تو تدریجاً اس کی جڑ کو قطع کرنے سے انسان میں صداقت آتی ہے اس کے علاوہ جھوٹ کے خطرناک آثار پر توجہ کرنی چاہیے تا کہ درس عبرت حاصل کر سکیں، اگر انسان سوچے کہ اس سے غربت، بدبختی اور دنیا و آخرت میں رسوائی ہوتی ہے تو جھوٹ کی جڑ قطع ہو سکتی ہے، جھوٹ سے بچنے کے لئے اچھے دوستوں سے آنا جانا رکھیں، اور جھوٹے افراد سے دوری اختیار کریں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تُلَقِّنُوا النّاسَ فَیَکْذِبُونَ فَاِنَّ بَنِی یَعْقُوبَ لَمْ یَعْلَمُوا اِنَّ الذِّئبَ یَأْکُلُ الْاِنْسانَ فَلَمّا لَقَّنَهُمْ اِنّی اَخافُ اَنْ یَأْکُلُهُ الذِّئْبُ. قالُوا اَکَلَهُ الذِّئْبُ.[1]

لوگوں کو جھوٹ بولنے کی تلقین نہ کرو کیونکہ یعقوب کے بیٹے نہیں جانتے تھے کہ بھیڑیا انسان کو کھا جاتا ہے لیکن جب یعقوب نے انھیں کہا، یوسف کی حفاظت کرنا، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے۔

یہ سن کر انھوں نے یاد کر لیا کہ بھیڑیا انسان کو کھاتا ہے، لہٰذا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے حالانکہ وہ کنویں میں تھے۔

جب کوئی آدمی بلند شخصیت بنتا ہے تو وہ جھوٹ بولنا چھوڑ دیتا ہے اگر جھوٹے افراد کو معلوم ہو کہ سچے آدمی ابنیاءؑ

[1] کنز العمال، جلد 3، صفحہ 624، حدیث 8228.

اور شہدا کی صف میں ہوتے ہیں تو وہ جھوٹ بولنا ش چھوڑ دیتے ہیں۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا.[1]

اور جس شخص نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی تو ایسے لوگ ان (مقبول) بندوں کے ساتھ ہوں گے۔ جنہیں خدا نے اپنی نعمتیں دی ہیں یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اِتَّقُوا الْكِذْبَ فِي صَغِيرٍ وَ كَبِيرٍ فِي كُلِّ جِدٍّ وَهَزْلٍ فَاِنَّ الرَّجُلَ اِذَا كَذِبَ فِي الصَّغِيرِ اِجْتَرَءَ عَلَى الْكَبِيرِ.[2]

جھوٹ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے پرہیز کرو، مذاق ہو یا شوخی کیونکہ جب انسان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جھوٹ بولتا ہے تو جرأت کرتا ہے اور ایک دن بڑے بڑے جھوٹ بولنے لگتا ہے۔

جھوٹ کے استثناءات

جھوٹ گناہان کبیرہ میں سے ہے اور اس کے خطرناک آثار مادی و معنوی، فردی اور اجتماعی ہوتے ہیں، لیکن بعض مقامات پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دو مومنوں کے درمیان صلح کے وقت

(۲) میدان جنگ سے دشمن کو غافل کرنے کے لئے

---

[1] نساء، آیہ 69.

[2] بحار الانوار، جلد 69، صفحہ 235.

(۳) مقام تقیہ

(۴) ظالم کے شر سے دفاع کے وقت

(۵) جب انسان کی جان و مال اور ناموس خطرے میں ہو تو وہ جھوٹ بولتا ہے اگر ایک شخص متعصب اور بے رحم افراد کے درمیان میں ہو اور اگر سچ بولے تو خون کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں وہ جھوٹ بول سکتا ہے۔

اس کے علاوہ معصومین علیہم السلام کی روایات بھی منقول ہیں۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ شَيْءٌ مِمَّا حَرَّمَ اللهُ اِلَّا وَقَدْ اَحَلَّهُ لِمَنِ اضْطُرَّ اِلَيْهِ۔[1]

اللہ کا کوئی ایسا حرام نہیں مگر یہ کہ وہ مضطر شخص کے لئے حلال ہو۔

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اِحْلِفْ بِاللهِ كَاذِباً وَ نَجِّ اَخَاكَ مِنَ الْقَتْلِ[2]

خدا کی جھوٹی قسم کھاؤ اور اپنے مومن بھائی کو قتل ہونے سے نجات دو۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ الْكِذْبِ يُكْتَبُ عَلَى إبنِ آدَمِ اِلَّا رَجُلٌ كَذَبَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يُصْلِحُ بَيْنَهُمَا۔[3]

ہر جھوٹ جھوٹ بولنے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے سوائے اس جھوٹ کے جو دو مومن بھائیوں کے درمیان صلح کے وقت بولا جائے۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْكِذْبُ مَذْمُومٌ اِلَّا فِي اَمْرَيْنِ دَفْعُ شَرِّ الظَّلَمَةِ وَاِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔[4]

[1] بحارالانوار، جلد 101، صفحہ 284.

[2] وسائل الشیعہ، جلد 16، صفحہ 134، (حدیث 4 باب 12 از کتاب الایمان).

[3] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 245.

[4] بحارالانوار، جلد 69، صفحہ 263.

جھوٹ کی مذمت کی گئی ہے سوائے دو جگہ ظالم کے شر سے دفاع اور دو مومن بھائیوں میں صلح کرانا۔

(۵) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ الْكِذْبِ مَكْتُوبٌ كِذْباً لا مَحالَةَ إِلّا أنْ يَكْذِبَ الرَّجُلُ فِي الْحَرْبِ فَإِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ أَوْ يَكُونُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ شَحْناءُ فَيُصْلِحُ بَيْنَهُما أَوْ يُحَدِّثُ اِمْرَأَتَهُ يُرْضِيها.[1]

تمام جھوٹ حتماً جھوٹ لکھے جاتے ہیں سوائے وہ جھوٹ جو انسان کو جنگ میں بولنا پڑتا ہے کیونکہ جنگ ایک فریب ہے یا دو آدمی جن کے درمیان کینہ وعداوت ہو اور ان کے درمیان صلح کرنا یا بیوی سے کوئی بات کرے کہ جس سے وہ راضی ہو۔

ہر بات میں بیوی سے جھوٹ بولنا نہیں چاہیے بلکہ وہ بیوی جو زیادہ پیشکش کرتی ہو، اور شوہر پوری نہ کر سکتا ہو تو ایسے موقع پر اس سے جھوٹ بولا جا سکتا ہے

توریہ (جھوٹ سے راہِ فرار)

ایسی بات کہنا جو صرف سننے والے کچھ سمجھے اور کہنے والے کا ارادہ کچھ اور ہو جو لوگ جھوٹ نہیں بولتے وہ توریہ کا سہارا لیتے ہیں۔ ہم کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں، توجہ فرمائیں:

(۱) اگر کوئی شخص سوال کرے کہ کیا یہ غلط کام تو نے کیا؟ جواب میں دوسرا کہے، استغفراللہ، سننے والا اس سے نفی سمجھے گا یعنی اس نے انجام نہیں دیا۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی سے پوچھے کہ فلاں آدمی نے تیرے پاس مجھے بُرا بھلا کہا، وہ کہتا ہے، کیا ایسا ممکن ہے، سننے والے اس سے نفی سمجھتا ہے۔

(۳) اگر ایک شخص گھر میں موجود ہو اور کوئی پوچھے کہ وہ گھر میں ہے؟ وہ دوسری طرف منہ کر کے اشارہ کرے

---

[1] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 245.

کہ وہ نہیں ہے یعنی وہاں نہیں ہے۔

(۴) ایک دانشمند سے سوال کیا گیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین اور خلیفہ بلافصل کون ہے؟

وہ اپنے عقیدہ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، لہٰذا اس نے جواب میں کہا، (مَنۡ بِنۡتُهُ فِي بَيۡتِهِ) وہ شخص کہ جس کی بیٹی اس کے گھر میں ہے،

سننے والے نے یہ خیال کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر جس کی بیٹی ہے وہ افضل و جانشین ہے، یعنی ابوبکر، حالانکہ دانشمند کا عقیدہ یہ تھا کہ جس کے گھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہے وہ جانشین ہے یعنی حضرت علی علیہ السلام

(۵) سعید بن جبیر اور حجاج بن یوسف کی داستان کو بیان کرتے ہیں جب حجاج نے اس سے سوال کیا کہ تو مجھے کیسا آدمی سمجھتا ہے؟

وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کا عقیدہ کیا ہے، اس شخص نے جواب میں کہا: اَنۡتَ عَادِلٌ

عربی زبان میں عادل کے دو معانی ہیں (۱) عادل (۲) کافر جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیتا ہے، بمعنی عدیل، جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ۔[1]

پھر (باوجود اس کے) کفّار (اوروں کو) اپنے پروردگار کے برابر کرتے ہیں۔

جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ توریہ جھوٹ نہیں ہوتا کیونکہ کہنے والے کی نیت سچ ہوتی ہے لیکن سننے والا دوسرا معنی سمجھتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جب جھوٹ بولنے کی ضرورت ہو اور انسان توریہ کر سکتا ہو تو توریہ کرے اور جھوٹ سے بچے۔

غزالی نے توریہ کو جائز نہیں سمجھا اور اسے جھوٹ قرار دیا ہے لیکن غزالی کا یہ قول درست نہیں ہے۔

بہر حال جھوٹ کا فساد بہت زیادہ ہے لہٰذا جتنا ممکن ہو سکے جھوٹ سے بچے اور توریہ سے کام لے، قرآن و حدیث میں بھی توریہ ذکر ہوا ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بابل کے بت پرستوں نے سوال کیا کہ تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ کیا کیا، تو آپؑ نے فرمایا:

---

[1] النساء:۱

قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ. [۱]

ابراہیمؑ نے کہا بلکہ یہ حرکت ان بتوں (خداؤں) کے بڑے (خدا) نے کی ہے تو اگر یہ بت بول سکتے ہوں تو ان ہی سے پوچھو۔

اسی طرح جملہ "انکم سارقون"تم چور ہو، حضرت یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے کہا تھا،

پہلی آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بادشاہ کا پیمانہ چوری کیا تھا۔[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ توریہ کرنا جھوٹ نہیں ہے، اگرچہ مخاطب کے ذہن میں کچھ اور ہو جبکہ سننے والے سمجھے کچھ اور۔

---

[۱] انبیا:63.

[۲] یوسف، آیہ 70.

۹۔ وعدہ وفا اور وعدہ خلافی

جیسا کہ کئی بار بیان ہو چکا ہے کہ معاشرے میں اعتماد کی بڑی ضرورت ہوتی ہے جب تک لوگوں میں ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہوتو معاشرہ فساد کا شکار ہوجاتا ہے اور اصل ہدف یعنی سعادت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، ان میں سے وعدہ وفا اور وعدہ خلافی موضوع بھی بہت اہم ہیں، وعدہ وفا ایک اخلاقی فضیلت اور وعدہ خلافی ایک رذیلت شمار ہوتی ہے۔

وعدہ کو پورا کرنا فطرت کا تقاضا ہے، فطرت کبھی انکار نہیں کرسکتی ہے، فطرتی اُمور وہ ہوتے ہیں کہ جنھیں ہر انسان درک کرسکتا ہے، اس لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہوتی، عدل اچھا ہے، ہر انسان عدالت کو پسند کرتا ہے، جبکہ ظلم بُرا ہے اور ہر انسان اسے بُرا سمجھتا ہے، اس طرح وعدہ وفا اور وعدہ خلافی بھی واضح موضوع ہیں، ہر آدمی سمجھتا ہے کہ وعدہ پورا کرنا اچھی بات اور وعدہ خلافی بُری بات ہے۔ ہر آدمی فطرتی طور پر پسند اور ناپسند کرتا ہے، اس لئے وہ لوگ جو مسلمان نہیں وہ بھی وعدہ کی وفا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی وعدہ وفا کرتے تھے اور کوشش کرتے کہ وعدہ خلافی نہ ہو، آیات و روایات میں اس موضوع پر بڑی تاکید کی گئی ہے، اب ہم آیات کو ذکر کرتے ہیں ان پر غور فرمائیں۔

①۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.[1]

نیکی کچھ یہی تھوڑی ہی ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی تو اس کی ہے جو خدا اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور (خدا کی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی الفت میں اپنا مال قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسوں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام (کی گلو خاصی) میں صرف کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیتا رہے اور جب کوئی عہد کرے تو اپنے قول کو پورا کرے اور فقر وفاقہ رنج سختی اور کٹھن کے وقت ثابت قدم رہے یہی لوگ وہ ہیں جو (دعویٰ ایمان میں) سچے نکلے اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

۲۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ.[2]

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔

۳۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْـُٔوْلًا.[3]

اور یتیم جب تک جوانی کو پہنچے اس کے مال کے قریب بھی نہ جانا مگر ہاں اس طرح کہ (یتیم کے حق میں) بہتر ہو۔ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

۴۔ بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ.[4]

ہاں (البتہ) جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور پرہیز گاری اختیار کرے تو بے شک خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

۵۔ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ

---

[1] بقرہ: 177

[2] مومنون:: 8، معارج: 32

[3] بنی اسرائیل: 34

[4] آل عمران: 76

يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ.
[۱]

مگر (ہاں) جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا پھر ان لوگوں نے کبھی کچھ تم سے (وفاعہد میں) کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے عہد و پیمان کو جتنی مدّت کے واسطے مقرر کیا ہے پورا کردو خدا پرہیز گاروں کو یقیناً دوست رکھتا ہے۔

۶۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ.[۲]

اور جب تم لوگ باہم قول وقرار کرلیا کروتو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہوجانے کے بعد نہ توڑا کرو۔ حالانکہ تم تو خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے۔

۷۔ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ.[۳]

اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں کا عہد ٹھیک نہ پایا۔ اور ہم نے ان میں سے اکثروں کو بدکار ہی پایا۔

۸۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ.[۴]

اور (انکی یہ حالت ہے کہ) جب کبھی کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے توڑ ڈالا۔ بلکہ ان میں سے اکثر تو ایمان ہی نہیں رکھتے۔

---

[۱] توبہ:4
[۲] نحل:91
[۳] اعراف:102
[۴] بقرہ:100

تفسیر و جمع بندی

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں چھ موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

سب سے پہلے خدا، روز قیامت، فرشتوں، انبیاءؑ اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا، اس کے بعد (انفاق فی سبیل) یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور نماز برپا کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا، پانچواں موضوع وعدہ وفائی کے بارے میں ہے۔ چھٹے عنوان میں مشکلات و حوادث میں صبر و استقامت کی اہمیت کے بارے میں ذکر ہوا ہے، خداوند عالم وعدہ وفا کے بارے میں فرماتا ہے:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا .

جب کوئی عہد کرے تو اپنے قول کو پورا کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ وفا اتنا اہم کہ قرآن و اسلام کی نظر میں خدا، نماز و زکوٰۃ پر ایمان لانے کے ہم مرتبہ قرار پایا، اصل وفا اس کو کہتے ہیں، جو چیز اپنے کمال تک پہنچ جائے جو شخص وعدہ و پیمان پورا کرتا ہے اس کے لئے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

عہد کا اصل معنی کسی چیز کی پاسداری کرنا مراد ہے، اسی وجہ سے وہ قرار داد جن کو حفظ کرنا ضروری ہے اسے عہد کہا گیا ہے، قرآن مجید میں عہد کے لئے وجوب نہیں آیا، لہٰذا وعدہ الٰہی اور لوگوں کے وعدہ دونوں کو شامل ہے، خواہ وہ لوگ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔

دوسری آیت میں سچے مومنوں کی صفات کا ذکر ہوا ہے اور کلمہ "قد افلح المومنون" سے شروع ہوتا ہے جس میں سات صفات کا ذکر آیا ہے، پانچویں اور چھٹی صفات کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ.

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔

رعایت کلمہ (راعون) سے لیا گیا ہے جس کا مفہوم وعدہ وفا سے وسیع ہے کیونکہ رعایت یعنی پوری طرح حفاظت کرنا مراد ہے کہ جس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہو، جس شخص کے پاس امانت ہے یا جس نے عہد کیا ہے تو اسے پوری طرح رعایت کرنی چاہیے تا کہ اسے کسی قسم کا نقصان نہ ہو، البتہ امان کا مفہوم بھی وسیع ہے۔

تیسری آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا۔

اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

مفسرین نے اس جملہ (ان الحمد کان عنہ مستولا) کی مختلف تفاسیر بیان کی ہیں جن سے ایک یہ ہے کہ انسان مسئول ہے اور عہد (مسئول عنہ) یعنی انسان سے وعدوں کا بھی کال ہوگا دوسرا یہ کہ خود عہد و پیمان کا سوال ہوگا۔

سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۲ تا ۳۹ مہم ترین احکام اسلامی بیان ہوئے ہیں، توحید سے لے کر مسئلہ والدین کے احترام اور مسئلہ قتل نفس سے لے کر زنا اور مال یتیم کھانے تک، وعدہ وفا سے لے کر آنکھ، کان، اور دن کی ذمہ داری تک مشتمل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وفا وعدہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے، دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ احکام کے آخر میں خداوند عالم فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ ؕ

یہ بات تو حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو تمہارے پروردگار نے تمہارے پاس وحی بھیجی۔

چوتھی آیت میں اہل کتاب کے ایک گروہ کی مذمت ہوئی جو امانت میں خیانت کرتے ہیں، خداوند عالم مزید فرماتا ہے:

بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ۔

ہاں (البتہ) جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو بے شک خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

یہاں پر عہد تقویٰ کے ہم رتبہ ذکر ہوا ہے، تقویٰ روز قیامت انسان کے لئے بہترین زادہ راہ ہے اور جنت میں جانے کا سبب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تقویٰ کی ایک شاخ ہے۔

پانچویں آیت میں مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ عہد و پیمان کے احترام کے بارے میں ذکر ہوا ہے خداوند عالم دستور فرماتا ہے وہ وعدہ، وفا ہوں تو تم بھی وعدہ خلافی نہ کرو، پھر فرماتا ہے:

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ۔

مگر (ہاں) جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا پھران لوگوں نے کبھی کچھ تم سے (وفا عہد میں) کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے عہد و پیمان کو جتنی مدّت کے واسطے مقرر کیا ہے پورا کردو خدا پرہیزگاروں کو یقیناً دوست رکھتا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ برأت مشرکین کا مسئلہ سال نہم ہجری واقع ہوا اور فتح مکہ کے بعد اسلام کو استقراء حاصل ہوا۔ مسلمان سرزمین حجاز پر مستقر ہوئے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ سورہ برأت کی پہلی آیات مراسم حج کے موقع پر تلاوت فرمائیں اور مشرکین میں اعلان کریں وہ اپنی تکلیف مشخص کریں اور چارہ ماہ کی مہلت ہے یا بت پرستی سے باز آجائیں، پرچم توحید کے نیچے آجائیں، یا پھر مسجد الحرام میں داخل نہ ہوں، اگر چار ماہ کے بعد وہ بت پرستی سے باز نہیں آئے تو جنگ کے لئے تیار رہیں۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام کے توسط سے چار موضوع لوگوں کے لئے مراسم حج میں بیان ہوئے۔

(۱) وعدہ خلافی کرنے والے مشرکین سے کوئی عہد و پیمان نہیں۔

(۲) سال آئندہ مراسم حج میں مشرکین شرکت نہیں کر سکتے۔

(۳) خانہ خدا میں مشرکین کا داخلہ ممنوع ہوگیا۔

(۴) عریاں و برہنہ افراد کا طواف ممنوع قرار دیا گیا۔

حالانکہ یہ ماجرا بعد از فتح مکہ کا ہے، مسلمان قدرت رکھتے تھے لیکن پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ وفا کیا اور مشرکین سے وعدہ خلافی نہیں کی، صلح حدیبیہ میں دس سال کا عرصہ تھا اور سات سال باقی رہتے تھے لیکن مسلمانوں نے آخر تک عہد و پیمان کا خیال رکھا۔[1]

چھٹی آیت میں تمام مسلمانوں کو خطاب ہے خداوند عالم فرماتا ہے کہ:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ.

اور جب تم لوگ باہم قول وقرار کرلیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہوجانے کے بعد نہ توڑا کرو۔ حالانکہ تم تو خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے۔

---

[1] شرح وتفسیر کے لئے مطالعہ کیجئے پیام قرآن کی جلد نہم سورہ برائت کی انہی آیات کے ذیل میں۔

اس آیت میں عہد الٰہی سے مراد کیا ہے؟ مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے،

بعض نے لکھا ہے کہ وہ وعدہ جو مسلمانوں نے خدا سے باندھ رکھا تھا،

بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت ہے۔

اور بعض صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام وعدہ و پیمان ہیں جو انسان نے خدا سے کر رکھے ہیں، یا خدا و رسولؐ سے وعدہ مراد ہے، کیونکہ خدا نے حکم دیا کہ عمل کیا جائے، لہٰذا ایک قسم کا پیمان الٰہی شمار ہوتا ہے یا اس سے مراد وہ قسمیں ہیں جو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کھاتے ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا

اور جب تم لوگ باہم قول و قرار کرلیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ وفا نہ کرنا اور قسم کی پابندی نہ کرنا ایک قسم کی بے وفائی ہے اس کی دلیل بھی واضح ہے کہ اگر معاشرے میں وعدہ خلافی ہو تو اعتماد ختم ہو جاتا ہے ایسا کام جو کوئی عاقل نہیں کرتا، بعض افراد مختلف بہانوں سے وعدہ خلافی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عہد و پیمان سے دور کر دیتے ہیں جیسے قرآن کا یہ جملہ "اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ ؕ" اسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے، ایک دوسرے سے وعدہ خلافی نہ کرو کیونکہ اس کا بُرا نتیجہ نکلتا ہے یہ آیت نہ صرف عہد اُخروی بلکہ عہد جہانی کو بھی شامل ہے "اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ ؕ" اس کی طرف اشارہ ہے۔

ساتویں آیت میں اقوام گذشتہ کی دردناک سرگذشتہ اور ان کے انحراف میں دو گناہوں کی طرف اشارہ ہے،

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ.

اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں کا عہد ٹھیک نہ پایا۔ اور ہم نے ان میں سے اکثروں کو بدکار ہی پایا۔

یہ عمومی عہد جو اللہ نے اپنی اُمتوں سے لیا تھا اس میں سے اکثر نے توڑ دیا اور وفا نہ کیا، یہ کون سا عہد تھا؟ مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، [1] بعض نے کہا کہ اس سے مراد عہد و پیمان فطری ہے کہ جو خدا نے تمام

---

[1] تفسیر مراغی، جلد اول، صفحہ 177.

مخلوقات سے لیا ہے کہ توحید پر ثابت قدم رہیں۔ انسان ہوش سنبھالے اور حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے یا شاید اس عہد و پیمان کی طرف اشارہ ہو جو انبیاءؑ نے دعوت کے وقت لوگوں سے لیا کیونکہ بہت سے لوگوں نے وعدہ کیا اور وعدہ خلافی کر گئے۔

ممکن ہے تمام وعدوں کی طرف اشارہ ہو فطری یا تشرعی، پس معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی بدبختی کا موثر ترین عامل ہے جس طرح آج بھی دنیا میں ہے کہ جب تک ضعیف ہیں عہد و پیمان کے پابند ہیں اور قدرت مند ہو جاتے ہیں تو پھر بھول جاتے ہیں۔

آٹھویں اور آخری آیت میں یہودیوں کی جنایات کے بارے میں ذکر ہوا ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ.

اور (انکی یہ حالت ہے کہ) جب کبھی کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے توڑ ڈالا۔

بلکہ ان میں سے اکثر تو ایمان ہی نہیں رکھتے۔

ایک طرف ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئیں گے تورات میں یہ بشارت تھی اس پر ایمان لانا چاہیے لیکن اس پر وہ صرف ایمان نہ لائے بلکہ آنحضورؐ سے کیا گیا وعدہ کو بھی بھلا دیا جس میں یہ تھا کہ وہ دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے، جس کے نتیجے میں جنگ احزاب کا سامنا ہوا کہ جس میں، ضدِ اسلام تمام گروہ تیار ہو گئے تھے۔

یہ یہودیوں کا پرانا طریقہ ہے کہ اکثر وعدہ وفا نہیں کرتے خاص کر جب بھی ان کے منافع کے خلاف واقعہ پیش آجائے تو فوراً وعدہ خلافی کرنے لگتے ہیں، حتیٰ بین الملی وعدہ کی رعایت نہیں کرتے اور فراموش کر دیتے ہیں، پس آیات کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ اسلام تعلیم میں عہد و پیمان کی بڑی اہمیت، ایمان کی نشانی اور تقویٰ کے قریب ہے اور امانت کے برابر ہے، اس قدر مہم ہے حتیٰ مسلمان وغیرہ مسلمان دونوں یکساں ہیں۔

وعدہ وفا کرنے کے سلسلے میں روایات

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا دِينَ لِمَنْ لا عَهْدَ لَهُ.[۱]

جو شخص وعدہ کا پابند نہیں ہوتا اس کا کوئی دین نہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

أَصْلُ الدِّينِ أَداءُ الْأَمانَةِ وَ الْوَفاءُ بِالْعُهُودِ.[۲]

اصل دین امانت کی ادائیگی اور عہد کی وفا کرنے کا نام ہے۔

(۲) آپؑ نے فرمایا:

ما أَيْقَنَ بِاللهِ مَنْ لَمْ يَرْعَ عُهُودَهُ وَ ذِمَّتَهُ.[۳]

جو شخص وعدے کا پابند نہیں ہوتا اس کا خدا پر کوئی ایمان نہیں ہے۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو نامہ لکھا جس میں وعدہ وفا کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور فرمایا:

وَ إِنْ عَقَدْتَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ عَدُوِّكَ عُقْدَةً، أَوْ أَلْبَسْتَهُ مِنْكَ ذِمَّةً فَحُطْ عَهْدَكَ بِالْوَفاءِ، وَ ارْعَ ذِمَّتَكَ بِالْأَمانَةِ، وَ اجْعَلْ نَفْسَكَ جُنَّةً دُونَ ما أَعْطَيْتَ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ فَرائِضِ اللهِ شَيْءٌ النّاسُ أَشَدُّ عَلَيْهِ اجْتِماعاً مَعَ تَفَرُّقِ أَهْوائِهِمْ وَ تَشَتُّتِ آرائِهِمْ مِنْ تَعْظِيمِ الْوَفاءِ بِالْعُهُودِ. وَ قَدْ لَزِمَ ذٰلِكَ الْمُشْرِكُونَ فِيما بَيْنَهُمْ دُونَ الْمُسْلِمِينَ لِما اسْتَوْبَلُوا مِنْ عَواقِبِ الْغَدْرِ.[۴]

اگر اپنے اور دشمن کے درمیان کوئی معاہدہ کرنا یا اسے کسی طرح کی پناہ دینے کا تعہد کر لیا

---

[۱] بحارالانوار، جلد 69، صفحہ 198، (حدیث 26)

[۲] غرر الحکم، حدیث 1762.

[۳] غرر الحکم، حدیث 9577.

[۴] نہج البلاغہ، نامہ 53.

ہےتو اپنے عہد کی پاسداری ووفاداری کرنا اور اپنے ذمہ (پناہ گزیں) کو امانتداری کے ذریعہ محفوظ بنانا اور اپنے قول وقرار کی راہ میں اپنے نفس کو سپر بنا دینا کیونکہ اللہ کے فرائض میں ایفائے عہد جیسا کوئی فریضہ نہیں ہے جس پر تمام لوگ خواہشات کے اختلاف اور افکار کے تضاد کے باوجود متحد ہیں اور اس کا مشرکین نے بھی اپنے معاملات میں لحاظ رکھا ہے (انہوں نے بھی) عہد شکنی کے نتیجہ میں تباہیوں کا اندازہ کرلیا ہے۔

(۴) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَقْرَبُكُمْ غَدَاً مِنِّي فِي الْمَوْقِفِ اَصْدَقُكُمْ لِلْحَدِيثِ وَ اَدَّاكُمْ لِلْاَمَانَةِ وَ اَوْفَاكُمْ بِالْعَهْدِ وَ اَحْسَنُكُمْ خُلْقاً وَ اَقْرَبُكُمْ مِنَ النَّاسِ.[۱]

کل قیامت کے دن مجھ سے وہ سب سے زیادہ نزدیک، سچا اور امین ہوگا جو وعدہ وفا کرتا ہوگا اور لوگوں میں سے سب سے زیادہ سے با اخلاق ہو۔

(۵) وعدہ وفا کی اہمیت اور برے انجام کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْوَفَاءَ تَوْأَمُ الصِّدْقِ وَ لَا أَعْلَمُ جُنَّةً أَوْقَى مِنْهُ وَ مَا يَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ كَيْفَ الْمَرْجِعُ وَ لَقَدْ أَصْبَحْنَا فِي زَمَانٍ قَدِ اتَّخَذَ أَكْثَرُ أَهْلِهِ الْغَدْرَ كَيْساً وَ نَسَبَهُمْ أَهْلُ الْجَهْلِ فِيهِ إِلَى حُسْنِ الْحِيلَةِ مَا لَهُمْ قَاتَلَهُمُ اللهُ قَدْ يَرَى الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِيلَةِ وَ دُونَهَا مَانِعٌ مِنْ أَمْرِ اللهِ وَ نَهْيِهِ فَيَدَعُهَا رَأْيَ عَيْنٍ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا وَ يَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَا مَنْ لَا حَرِيجَةَ لَهُ فِي الدِّينِ.[۲]

اے لوگو! یاد رکھو وفا ہمیشہ صداقت کے ساتھ رہتی ہے اور میں اس سے بہتر محافظ، کوئی سپر نہیں جانتا ہوں اور جسے بازگشت کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے وہ غداری نہیں کرتا ہے۔ ہم ایک ایسے دور میں واقع ہوئے ہیں جس کی اکثریت نے غداری اور مکاری کا نام ہوشیاری رکھ لیا ہے۔ اور اہل جہالت نے اس کا نام حسن تدبیر رکھ لیا ہے۔ آخر انہیں کیا ہوگیا ہے۔ خدا انہیں غارت کرے۔ وہ انسان جو حالات کے الٹ پھیر کو دیکھ چکا ہے وہ بھی حیلہ کے رخ کو جانتا ہے لیکن

---

[۱] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 150، حدیث 82 تاریخ یعقوبی، جلد 2، صفحہ 92.

[۲] نہج البلاغہ، خطبہ 41.

امرونہی الٰہی اس کا راستہ روک لیتے ہیں اور وہ امکان رکھنے کے باوجود اس راستہ کو ترک کر دیتا ہے اور وہ شخص اس موقع سے فائدہ اٹھالیتا ہے جس کے لئے دین سدراہ نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں امام علیہ السلام کی مراد اس ''شخص'' سے اپنی ذات ہے۔

(٦)امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ثَلاثٌ لَمْ يَجْعَلِ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِاَ فِيهِنَّ رُخْصَةً اَداءُ الْاَمانَةِ اِلَى الْبَرِّ وَ الْفاجِرِ, وَ الْوَفاءِ بِالْعَهْدِ لِلْبَرِّ وَ الْفاجِرِ, وَبِرُّ الْوالِدَيْنِ بَرَّيْنِ كانا اَوْ فاجِرَيْنِ.[1]

تین چیزیں ایسی ہیں جس میں کسی کو مخالفت کا حق حاصل نہیں ادائے امانت، خواہ امانت نیک آدمی کی ہو یا بُرے آدمی کی وعدہ وفا کرنا خواہ دوسرا نیک ہو یا بدکار، والدین سے نیکی کرنا خواہ وہ نیک ہوں یا بُرے۔

اسی مضمون پر مشتمل حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے۔

(٧)ایک اور حدیث میں امام نے عہد و پیمان کو گردن میں ایک طوق فرمایا:

اِنَّ الْعُهُودَ قَلائِدٌ فِي الْاَعْناقِ اِلى يَوْمِ الْقِيامَةِ فَمَنْ وَصَلَها وَصَلَهُ اللهُ, وَ مَنْ نَقَضَها خَذَلَهُ اللهُ.[2]

عہد و پیمان انسان کی گردن میں ایک طوق ہے، جو کوئی وفا کرتا ہے خدا اسے ثواب عطا کرتا ہے، اور جو عہد خلافی کرتا ہے خدا اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

(٨)ایک شخص نے امام سجاد علیہ السلام سے عرض کیا:

اَخْبِرْنِي بِجَمِيعِ شَرايِعِ الدِّينِ.

تمام اصول اسلام مجھ سے بیان فرمائیے۔

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا:

قَوْلُ الْحَقِّ وَالْحُكْمُ بِالْعَدْلِ وَ الْوَفاءُ بِالْعَهْدِ.[3]

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 162، حدیث 15.

[2] خصال، صفحہ 140، حدیث 118.

[3] غرر الحکم، حدیث 3650.

حق کہنا، عدالت کا فیصلہ کرنا اور وعدہ وفا کرنا۔

(۹) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

أَشْرَفُ الْخَلائِقِ الْوَفاءُ.[۱]

عہد سے وفا کرنا انسان کا بہترین حُسن اخلاق ہے۔

(۱۰) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذا نَقَضُوا الْعَهْدَ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ.[۲]

جب لوگ عہد خلافی کرتے ہیں تو خدا اس پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے۔

فردی و اجتماعی آثارِ وعدہ وفائی

انسان کے اکھٹے رہنے سے تجربات میں اضافہ ہوتا ہے مختلف فکروں سے تہذیب وتمدن میں ترقی ہوتی ہے، اگر انسان ایک دوسرے سے مختلف زندگی کریں تو ان کا تجربہ بھی مختصر ہوتا ہے، نہ پیش رفت ہوتی ہے نہ ترقی، تمدن رُک جاتا ہے اس لئے اسلام اجتماعی زندگی کا قائل ہے، جو چیز اجتماع کو محکم کرتی ہے وہ مطلوب ہے اور سست کرنے والی چیز مغفور ہے معاشرے میں ایک دوسرے سے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی پیوند ہیں، اگر وعدہ وفا انفرادی و اجتماعی ایک دن کے لئے معطل ہو جائے تو زندگی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے اور پیش رفت متوقف ہو جاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لا تَعْتَمِدْ عَلى مَوَدَّةِ مَنْ لا يُوفِي بِعَهْدِهِ.[۳]

جو آدمی وعدہ وفا نہیں کرتا اس پر اعتماد نہ کرے،

انسان کی کامیابی کا دارومدار اس کے وعدوں میں منحصر ہے جتنا وعدہ وفا ہوتا ہے کامیاب ہوتا اور جتنا وعدہ خلافی

---

[۱] غررالحکم، حدیث 2859.

[۲] بحارالانوار، جلد 97، صفحہ 46، حدیث 3.

[۳] غررالحکم، حدیث 10290.

کرتا ہے قابل اعتماد نہیں ہوتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْوَفاءُ حِصْنُ السُّؤدَدِ.[۱]

وعدہ وفا ایک محکم قلعہ ہے۔

وعدہ خلافی کرنے والا شخص معاشرے میں بدبین ہوتا ہے لوگ اعتماد نہیں کرتے ، ایسا شخص جلد ہی دشمن کے سامنے تسلیم ہو جاتے ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذا نَقَضُوا الْعَهْدَ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ.[۲]

جب بھی مسلمان ایک دوسرے سے عہد توڑتے ہیں اللہ ان کا دشمن ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

اقتصاد کی رونق ہوتی ہے، وعدہ وفا کے علاوہ عدالت قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے، وعدہ خلافی کرنے والے افراد ظالموں کی صف میں ہوتے ہیں۔

وعدہ وفائی اور وعدہ خلافی کا سرچشمہ

بے شک صداقت پر ایمان اور توحید افعالی کا عقیدہ وعدہ وفا کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ وعدہ خلاف کرنے والے افراد جلدی اور عارضی فائدہ کو دیکھ کر اس گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقت میں رازق خدا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] غرر الحکم، حدیث 1044.

[۲] بحارالانوار، جلد 97، صفحہ 46، حدیث 3.

مِنْ دَلائِلِ الْاِیمانِ الْوَفاءُ بِالْعَهْدِ۔[1]

ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی وعدہ وفا کرنا ہے۔

ایک اور جگہ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

ما اَیْقَنَ بِاللهِ مَنْ لَمْ یَرْعَ عُهُودَهُ وَ ذِمَّتَهُ۔[2]

جو انسان اپنے وعدہ و پیمان کا پابند نہیں ہوتا، اس کا خدا پر ایمان نہیں ہے۔

صاحبِ اعتبار شخصیت اور رعب والے افراد وعدہ خلافی نہیں کرتے اور ناتوان اور ضعیف قسم کے لوگ اس گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے وعدہ وفا کرنا نیک لوگوں کی ایک نشانی بیان فرمائی ہے، اور مزید کہا کہ:

بِحُسْنِ الْوَفاءِ یُعْرَفُ الْاَبْرارُ۔[3]

نیک افراد کو ان کے وعدہ سے شناخت کر سکتے ہیں۔

جاہلیت، غفلت اور بے خبری وعدہ خلافی کرنے والوں کے آثار میں سے ایک اثر ہے، عاقل لوگ یہ کام نہیں کرتے،

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْوَفاءُ حِلْیَةُ الْعَقْلِ وَ عَنْوانُ النُّبْلِ۔[4]

وعدہ وفا عقل کی زینت اور انسان کی فضیلت ہے۔

---

[1] غرر الحکم، حدیث 9414۔

[2] غرر الحکم، حدیث 9575۔

[3] غرر الحکم، جلد 1، صفحہ 337، حرف الباء، حدیث 153۔

[4] عیون الحکم والمواعظ (للیثی) / 50 / الفصل الأول مما أوله الألف و اللام.....ص:17

وعدہ خلافی کا علاج

جب لوگ اس بُری صفت کو ختم کرنا چاہتے ہوں تو انھیں سب سے پہلے ایمان کے لئے عمل کرنا ہوگا، کیونکہ وعدہ خلافی ضعیف ایمان ہونے کی علامت ہے، جتنی خدا کے بارے میں معرفت زیادہ ہوگی ایمان زیادہ ہوتا ہے، ان کے بُرے آثار ہوسکتا ہے، وقتی طور پر منافع بخش ہوں لیکن جلد ہی انسان اپنے دوستوں، عزیزوں اور معاشرے میں ذلیل وخوار ہوتا ہے، لوگ اس پر اعتماد نہیں کرتے، خالق ومخلوق دونوں کے سامنے سیاہ چہرہ ہوتا ہے،

حضرت علی علیہ السلام اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَالْخُلْفُ یُوجِبُ الْمَقْتَ عِنْدَاللهِ وَعِنْدَ النّاسِ.[1]

وعدہ خلافی خدا اور لوگوں کے نزدیک غضب کا موجب ہوتی ہے۔

اس لئے بہت سے معاشرے ایسے ہیں جن میں خدا وایمان کے آثار نظر نہیں آتے ہیں۔

عہد کی اقسام

عہد کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) خدا سے عہد (۲) لوگوں سے عہد (۳) اپنے آپ سے عہد

فقہی کتابوں میں خدا سے عہد کا ذکر ہوا ہے اور نذر کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی خدا سے عہد کرتا ہو تو اسے عربی میں ''صیغہ'' پڑھنا ضروری ہے، مثلاً کہے:

عاهَدْتُ اللهَ اَنَّهُ متی شَفانِي اللهُ اَصومُ ثَلاثَةَ اَیّامٍ اَوْ اَتَصَدَّقُ بِکَذا وَ کَذا

میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ جب بھی بیماری سے شفا پاؤں گا تین روزے رکھوں گا، یا

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ 53 (عہدنامہ معروف مالک اشتر).

فلاں فلاں مقدار صدقہ دوں گا۔

البتہ عہد کا صیغہ عربی کے علاوہ اردو یا فارسی زبان میں بھی پڑھا جا سکتا ہے، جب عہد کرتا ہے اس پر واجب ہے کہ اپنے عہد کو پورا کرے، اگر انسان مخالفت کرتا ہے تو اسے کفارہ دینا چاہیے، اس کا کفارہ وہی ہے جو ماہِ رمضان میں روزہ توڑنے کا کفارہ ہے۔لہٰذا خدا سے عہد نہ صرف اخلاقی طور پر لازم ہے، بلکہ فقہی طور پر واجب ہے اور اس کی مخالفت کا کفارہ ہے، اگر انسان صیغہ نہ پڑھے بلکہ صرف دل میں بیت کرے تو تب بھی وفا اور پورا کرنا لازم ہے۔

خداوند عالم ایک ضعیف الایمان مومن گروہ یا منافقین سے فرماتا ہے:

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدۡتُّمۡ.

اور جب تم لوگ باہم قول وقرار کرلیا کروتو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

بعض مفسرین نے اس عہد کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد لیا ہے،

بعض نے جہاد کا معنی اور بعض نے خدا کی قسم مراد لی ہے،

اور بعض نے کہا کہ ہر وہ کام جو عقل و شریعت میں اس پر واجب ہو،[۱] لوگوں سے عہد پر قسم کی قرار داد عہد میں شامل ہے، جو شرع و عقل کے قالب میں واجب ہوتا ہے، لیکن ایک طرف عہد جیسے ایک انسان عہد کرتا ہے کہ وہ فلاں فلاں سے مدد کرے گا، ایسے عہد کو ابتدائی عہد کہا جاتا ہے، ایسے عہد کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے، اور اسلام میں تمام لوگوں کی نظر میں قابل احترام ہے اور لازم الوفا ہے اگر ایسا نہ ہوتو انسان سعادت مند نہیں بن سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

عِدَةُ الۡمُؤۡمِنِ اَخَاهُ نَذۡرٌ لَا كَفَّارَةَ لَهُ فَمَنۡ اَخۡلَفَ فَبِخُلۡفِ اللّٰهِ بَدَاَ وَ لِمَقۡتِهِ تَعَرَّضَ وَ ذٰلِكَ قَوۡلُهُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝[۲].[۳]

جو مومن کسی دوسرے مومن سے وعدہ کرتا ہے وہ نذر ہے، ہر چند کہ اس کی مخالفت کا کفارہ نہیں ہے جس نے اس کی مخالفت کی اس نے خدا کی مخالفت کی اور غضبِ خدا کا سبب قرار

---

[۱] تفسیر فخر رازی، جلد 20، صفحہ 106.

[۲] سورۂ صف: ۳، ۴

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 36، حدیث 1.

پاتا ہے، یہ وہی ہے جو خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴿٣﴾

''اے ایمان والو! وہ کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو، اللہ کے نزدیک یہ غضب کا باعث ہے کہ بات کرتے ہو لیکن اسے پورا نہیں کرتے ہو۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَفِ اِذَا وَعَدَ۔[1]

جو شخص خدا اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے وعدہ پورا کرنا چاہیے۔

بعض وعدے ایسے ہیں جو انسان اپنے آپ کے ساتھ کرتا ہے، یہ خودسازی صفات کے تکامل کے لئے بہت موثر ہے، عارف افراد اسے پہلے قدم میں سیر وسلوک کہتے ہیں، اور ان کی اصطلاح میں اسے ''مشارطہ'' کہا جاتا ہے، مشارطہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ہر روز صبح کے وقت اپنے آپ سے وعدہ کرے کہ وہ اس دن خدا کی اطاعت کرے گا اور گناہ سے پرہیز کرے گا، پھر اپنے اعمال کی دن میں حفاظت کرتا ہے اور اپنی شرط پر عمل کرتا ہے، آج بھی بہت سی شخصیات اپنے نفس سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر مراقبہ کرتے ہیں، ایسے عہد تہذب نفس اور اخلاقی فضیلت کے حصول کے لئے موثر راہ ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 364، حدیث 2.

مسلمانوں کی عہد سے وفا کی پابندی

پہلی صدیوں میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا تھا،مشرق ومغرب میں اسلام پھیلتا نظر آیا، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، ایک علت یہ ہے کہ لشکر اسلام عہد و پیان کا پابند تھا،قرآن وحدیث میں اس مسئلے پر بڑی تاکید کی گئی ہے۔

اس مہم قانون امان جوکہ اسلامی دستورات میں سے ایک حکم الٰہی ہے،لشکر میں جو سپاہی جس رتبہ کا ہو، وہ کسی شخص کوامان دے سکتا تھا،تمام سپاہی اس امان پرعمل کرنے کے پابند تھے،تاریخ اسلام میں مندرجہ ذیل مثالوں پرتوجہ فرمائیں:

(۱) یاقوت حموئی،موجم البلدان میں شہر''سہر یاج'' کی فتح کے بارے میں عجیب داستان تحریر کرتے ہیں:

کسی خلیفہ کا زمانہ تھا،خلیفہ نے اس شہرکوفتح کرنے کے لئےلشکر بھیجا،بعض نے سوچا کہ یہ شہر فتح کرنے کے لئے چند منٹوں کی ضرورت ہے،شہریوں اورلشکر اسلام کے درمیان جنگ شروع ہوئی فوج دوسرے حملے کے لئے واپس اپنے مورچے میں آئی اورصرف ایک جنگجوشہر کے قریب رہ گیا تھا،لوگوں نے اس شخص سے امان چاہی، امان نامہ لکھا گیا، اورفوج دیکھ کرتعجب کرنے لگی،لوگوں کے لئے شہرکا دروازہ کھول دیا اورفوج کوامان نامہ دکھایا،لشکر السلام نے بھی امان نامہ کی پابندی کی اوراس شہروالوں کوبھی پابند ہونے کی نصیحت کی۔خلیفۂ وقت کوخط لکھا گیا تو اس نے جواب میں لکھا کہ ایک آدمی کا عہد وامان نامہ تمام مسلمانوں کی طرف سے عہد و پیان شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس ایک جنگجو نے امان دی اب تم سب پرضروری ہے کہ اس کی پابندکرو، اورشہروالوں کوامان دو،اس کا اتنا اثر ہوا کہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ کی سرزمین پرحجۃ الوداع کے موقع پرلوگوں کے اجتماع سے فرمایا:

اَلْمُؤمِنُونَ اِخْوَةٌ تَتَکَافَأُ دِمائُهُمْ وَ هُمْ يَدٌ عَلی مَنْ سِواهُمْ يَسْعی

---

[1] معجم البلدان،جلد3، مادہ سُہر یاج.

بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ.[1]

تمام مسلمان ایمان میں برابر ہیں، ان کوخون یکساں ہے وہ دشمن کے مقابلے میں متحد ہیں اور ان میں بہت کم افراد تمام لوگوں کی طرف سے عہد کر سکتے ہیں۔

(۲) جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک اور واقعہ ملتا ہے، خلیفہ دوم کا زمانہ تھا، مسلمانوں نے ساسانیوں کو شکست دی اور ان کے لشکر کا بڑا سردار ''ہرمزگان'' کو قیدی بنا لیا گیا اور اسے حضرت عمر کے سامنے لایا گیا،

خلیفہ نے اس سے کہا: تو نے کئی بار ہم سے عہد و پیمان کیے لیکن پھر تو نے وعدہ خلافی کی ہے اس کی دلیل کیا ہے؟

ہرمزگان نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ مجھے قتل کر دو گے۔

اسی دوران ہرمزگان نے پانی مانگا، پانی ایک سادے سے برتن میں لایا گیا، لیکن ہرمزگان نے کہا: میں مرجاؤں گا، لیکن اس برتن میں پانی پینا پسند نہیں کروں گا، کیونکہ برتن بہت ہی سادہ تھا۔

خلیفہ دوّم نے حکم دیا کہ دوسرے صاف اور اچھے برتن میں پانی لایا جائے، ہرمزگان نے پانی پیا اور کہنے لگا مجھے ڈر ہے تم مجھے قتل کردو گے،

خلیفہ دومّ نے کہا: نہ ڈرو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں، اچانک ہرمزگان نے پانی کو برتن سے اُنڈیل دیا، خلیفہ دومّ سمجھے کہ پانی بے اختیاری کی حالت میں اس سے گر گیا ہے، لہٰذا حکم دیا اور پانی لایا جائے، تا کہ اسے پیاسا نہ قتل کیا جائے۔

ہرمزگان نے کہا، مجھے پانی کی ضرورت نہیں، میں نے تو سوچا کہ آپ نے مجھ سے سروکار نہ ہونے کے الفاظ کے ذریعے سے امان دے دی ہے۔

خلیفہ دومّ نے کہا: میں تجھے ہر صورت میں قتل کروں گا۔

لیکن ہرمزگان نے کہا: خلیفہ تم نے تو مجھے امان دی ہے!

خلیفہ دوم نے کہا: تو جھوٹ بولتا ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد 1، صفحہ 404، حدیث 2.

اس موقع پر ایک شخص اور وہاں موجود تھا اور کہنے لگا: ہرمزگان سچ کہتا ہے، خلیفہ تو نے اسے امان دی، کیونکہ تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں اور پانی پیو،

خلیفہ دوم نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر ہرمزگان سے کہا، تو نے مجھے فریب دیا ہے، لیکن میں نے اس لئے فریب کھایا کہ شاید تو مسلمان ہو گیا ہے، اس دوران ہرمزگان مسلمان ہو گیا۔[1]

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد و امان لازم الوفا ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ قَوماً حاصَرُوا مَدِيْنَةً فَسَألُوهُمُ الْاَمانَ فَقالُوا: لا، فَظَنُّوا اَنَّهُمْ قالُوا: نَعَمْ فَنُزِلُوا اِلَيْهِمْ كانُوا آمِنِين.[2]

جب بھی کوئی گروہ لشکر اسلام کے محاصرے میں ہو اور وہ امان کا تقاضا کریں، لیکن مسلمان اسے قبول نہ کریں، لیکن اگر وہ مسلمان لشکر کی طرف خود رجوع کریں محاصرے سے پہلے تو پھر اُن کو امان میں لیا جائے۔

منطقی بحث

صحیح نظریات اور حقائق تک پہنچنے کی بہترین راہ یہ ہے کہ انسان منطق اور استدلال سے بحث کرے اگر تعصب، ہوا و ہوس اور ہٹ دھرمی سے کام لے گا تو اس کے بُرے آثار مرتب ہو سکتے ہیں، لہٰذا اگر مختلف لوگوں کے افکار جمع ہوں تو ایک بہترین راہ حل سامنے آ سکتا ہے اور ترقی و عروج نصیب ہوتا ہے، اسلام نے تعصب کی عینک اُتار کر بحث کرنے کا حکم دیا ہے، اگر ضد اور تعصب ہو تو بہت سے حقائق پنہاں ہو سکتے ہیں، بحث میں حسن اخلاق کی رعایت ہونی چاہیے، بداخلاقی کی مذمت ہوئی ہے، لہٰذا منطقی بحث سے حق و عدالت قائم ہو سکتی ہے اب ہم ان آیات کو بیان کرتے ہیں جن میں یہ اہم موضوع بیان ہوا ہے۔

①۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ

---

[1] تفسیر نمونہ، جلد 11، صفحہ 383.

[2] وسائل الشیعہ، جلد 11، صفحہ 50، حدیث 4.

يَنۡظُرُوۡنَ.[۱]

وہ لوگ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے (خواہ مخواہ) سچّی بات میں جھگڑتے تھے اوراس طرح (کرنے لگے) گویا وہ (زبردستی) موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہیں۔ اور اسے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِيۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلًا.[۲]

اور ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے ہر طرح کی مثالیں پھیر بدل کر بیان کردی ہیں مگر انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيۡطٰنٍ مَّرِيۡدٍ.[۳]

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر جانے خدا کے بارے میں (خواہ مخواہ) جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہولیتے ہیں

۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ.[۴]

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بے جانے بوجھے بے ہدایت پائے بغیر روشن کتاب کے (جو اسے راہ بتائے خدا کی آیتوں سے) منہ موڑتے ہیں۔

۵۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰٮهُمۡ ۙ اِنۡ فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا كِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِيۡهِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ.[۵]

بے شک جو لوگ خدا کی آیتوں میں (خواہ مخواہ) جھگڑے نکالتے ہیں حالانکہ ان کے پاس (خدا کی طرف سے) کوئی دلیل تو آئی نہیں۔ان کے دل میں بڑائی (کی بے جا ہوس) کے سوا

---

[۱] انفال:6

[۲] کہف:54

[۳] حج:3

[۴] حج:8

[۵] غافر:56

کچھ نہیں حالانکہ وہ لوگ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں تو تم بس خدا کی پناہ مانگتے رہو بے شک وہ بڑا سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

۶۔ وَقَالُوٓا ءَ اٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ۔[۱]

اور بول اُٹھے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰؑ) ان لوگوں نے جو (عیسیٰؑ کی) مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔ بلکہ (حق تو یہ ہے کہ) یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

۷۔ وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ۔[۲]

اور جس (ذبیحہ) پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ (کیونکہ) یہ بے شک بدچلنی ہے اور شیاطین تو اپنے ہوا خواہوں کے دل میں وسوسہ ڈالا ہی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے (بے کار بے کار) جھگڑے کیا کریں اور اگر (کہیں) تم نے ان کا کہنا مان لیا تو (سمجھ رکھو کہ) بے شبہ تم بھی مشرک ہو۔

۸۔ اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى ۚ وَاتَّقُوۡنِ يٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ۔[۳]

حج کے مہینے تو (اب سب کو) معلوم ہیں (شوال، ذیقعد، ذی الحجہ) پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج لازم کرے تو (احرام سے) آخرِ حج تک نہ عورت کے پاس جائے نہ کوئی اور گناہ کرے اور نہ جھگڑے اور نیکی کا کوئی سا کام بھی کرو تو خدا اس کو خوب جانتا ہے اور (راستہ کے لیے) زادِ راہ مہیا کرلو اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیزگاری ہے اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہو۔

۹۔ يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ

---

[۱] زخرف:58

[۲] انعام:121

[۳] بقرہ:197

وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ.[۱]

جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ قیامت یقینی برحق ہے آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کیا کرتے ہیں وہ بڑے پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

۱۰۔ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ.[۲]

اور لوطؑ نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر ان لوگوں نے ڈرانے ہی میں شک کیا۔

تفسیر و خلاصہ

پہلی آیت میں ضعیف الایمان مومنین کے ایک گروہ کی راہِ خدا میں جنگ بدر کے دوران، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حوصلہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجادلہ کرنے کی مذمت کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ.

وہ لوگ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے (خواہ مخواہ) سچّی بات میں جھگڑتے تھے اور اس طرح (کرنے لگے) گویا وہ (زبردستی) موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ اور اسے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے جو تازہ مسلمان ہوئے تھے وہ جنگ کا تجربہ نہیں رکھتے تھے اور میدان جنگ سے ڈرتے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف انھیں فرمایا: میں خدا کے حکم سے جا رہا ہوں۔

پھر بھی وہ آپؐ سے جدال و بحث و مباحثہ کرتے تھے تا کہ آپؐ اس راہ سے پیچھے ہٹ جائیں، وہ گویا چند

---

[۱] شوریٰ:18

[۲] قمر:36

قدموں پر موت کو دیکھ رہے تھے، درحقیقت وہ ضعیف ایمان والے تھے اور ان کے دل میں خوف ودہشت تھی، قرآن میں خدا نے ان کی مذمت کی اور بعد والی آیات میں صراحت سے موجود ہے کہ خدا چاہتا ہے، حق کو قوی کیا جائے، اور کافروں کا قلع قمع کیا جائے۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بحث وجدال کا سبب غیر منطقی گفتگو ہے۔

تاریخ اسلام میں ملتا ہے کہ جب مسلمانوں کے لشکر نے قریش کے تجارتی کارواں پر حملہ کرنا چاہا تو بعض ضعیف الایمان افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ واپس مدینہ چلے جائیں کیونکہ قریش کے لشکر سے ہم میں جنگ کی طاقت نہیں، من جملہ حضرت ابوبکر اُٹھے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنے لگے، ''اے اللہ کے رسولؐ، قریش کے سردار ایمان نہیں لائے اور انھوں نے شکست بھی نہیں کھائی اور ہم جنگ کے لئے تیار نہیں لہٰذا بہتر ہے کہ مدینہ واپس چلے جائیں۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ،

پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور یہی تکرار کی، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔

پھر حضرت مقدادؓ اُٹھے اور عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! خدا نے آپؐ کو جس کا حکم دیا ہے اسی راہ پر قائم رہیں، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں،

خدا کی قسم! آپ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، آپؐ جہاں کا حکم دیں ہم جانے کے لئے تیار ہیں، اگر آپؐ حکم دیں تو ہم آگ کے شعلوں اور کانٹوں پر جانے کے لئے تیار ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقدادؓ کے حق میں دعا فرمائی''۔[۲]

عجیب بات یہ ہے کہ ابن ہشام اور طبری نے اپنی اپنی کتابوں میں جنگ بدر کے حالات میں حضرت ابوبکر وعمر کے قول کو نقل نہیں کیا بلکہ صرف اتنا لکھا:

قَالَ اَبُوبَکْرٍ وَ اَحسَنَ. ثُمَّ قَامَ عُمَرُ بْنِ الْخَطّابِ وَ قَالَ وَ اَحسَنَ.[۳]

یعنی پہلے ابوبکر نے کہا اور اچھا کہا پھر عمر ابن خطاب نے کہا اور اچھا کہا۔

دوسری آیت میں تمام ہٹ دھرم اور متعصب نہ تجربے کار افراد کا ذکر ہوا ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

---

[۱] مغازی واقدی، جلد 1، صفحہ 48.

[۲] قاموس الرجال، جلد 9، صفحہ 15.

[۳] سیرہ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 266 وتاریخ طبری، جلد 2، صفحہ 140.

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا.

اور ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے ہر طرح کی مثالیں پھیر بدل کر بیان کر دی ہیں مگر انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

اس تعبیر سے معلوم ہوا کہ ناتجربہ کار افراد کی عادت جلدی کرنا ہوتی ہے، جو لوگ باطل اور تعصب سے گفتگو کرتے ہیں وہ حق سے دور ہوتے ہیں اور جو لوگ منطقی بحث کرتے ہیں وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔

تیسری آیت میں مجادلہ کرنے والوں کے انجام کا ذکر ہوا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّیَتَّبِعُ کُلَّ شَیۡطٰنٍ مَّرِیۡدٍ.

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر جانے خدا کے بارے میں (خواہ مخواہ) جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں

اگرچہ بعض مفسرین نے اس آیت کا شان نزول نصر بن حارث کے بارے میں لکھا ہے جو کہ ہٹ دھرم اور متعصب مشرکین میں سے تھا۔قرآن کی توہین کرتا تھا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتا تھا،لیکن آیت کا مفہوم عام ہے، اور تمام ان کو شامل ہے جو متعصب اور ضد سے کام لیتے ہیں۔

دلچسپ یہ ہے کہ جلدی کرنے والے افراد کو مردود اور شیطان کا پیرو کار شمار کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مجادلہ باطل اور شیطانی عمل ہے، شیطان کی صفت مُرید یعنی مردود اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ مردود کی صفت والے حق کے برابر اور اس کے مقابلے میں آ کھڑے ہوتے ہیں، جملہ "یجادل فی اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفات کے بارے میں یا اس کی قدرت وعمل کے بارے میں جدل کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی مذمت اور باطل آشکار ہے۔

اس صورت حال کو سورہ حج کی آٹھویں آیت میں خدا فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ.

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بے جانے بوجھے بے ہدایت پائے بغیر روشن کتاب کے (جو اسے راہ بتائے خدا کی آیتوں سے) منہ موڑتے ہیں۔

علم ومعرفت اور ہدایت راہنمائی،صرف آسمانی کتابوں کی صورت میں روشن ہے، نہ صرف یہ ضرورت ہے بلکہ تمام مشکلات کے حل کی کلید ہے، اگر علم وآگاہی،معرفت اور راہنمائی نہ ہو تو جدال میں ہواوہوس کی راہ تعصب اور حد کی

شکل اختیار کر لیتی ہے، جس کا نتیجہ گمراہی اور بدبختی ہے۔

اسی سورہ کی نویں آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَّنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ.

(خواہ مخواہ) خدا کے بارے میں لڑنے (مرنے) پر تیار ہیں تا کہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے بہکا دے۔ ایسے (نابکار) کے لیے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور قیامت کے دن (بھی) ہم اسے جہنم کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔

پانچویں آیت میں باطل جدال کرنے والوں کا ایک اور سبب بیان ہو رہا ہے اور وہ تکبر اور خود پسندی ہے جو دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب ہے، اس سے لوگ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور اپنے ہدف میں کامیاب نہیں ہوتے، خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ

بے شک جو لوگ خدا کی آیتوں میں (خواہ مخواہ) جھگڑے نکالتے ہیں حالانکہ ان کے پاس (خدا کی طرف سے) کوئی دلیل تو آئی نہیں۔

کلمہ سلطان یہاں پر دلیل، حجت اور برہان کے معنی استعمال ہوا ہے جدال کی اصل جڑ تکبر میں ہے، یہ ایک اندرونی صفت جو انسان کے باطن میں موجود ہے اور آہستہ آہستہ پروان چڑھتی ہے، یہ خطرناک اخلاقی بیماری ہے، آیت میں آیا ہے:

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۖ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.

تم بس خدا کی پناہ مانگتے رہو بے شک وہ بڑا سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

چھٹی آیت میں مشرکین کا ذکر ہوا ہے جو سخت کفر و شرک پر اصرار کرتے تھے، اپنے کاموں کی تاویل کرتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدال کرتے تھے، جب خدا نے فرمایا، کہ تم اور تمہارے ہٹ دھرم ساتھی دوزخ میں جائیں گے تو انھوں نے جدال کیا اور کہا:

وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۖ

اور بول اُٹھے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰؑ)

پھر خداوند عالم فرماتا ہے:

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ.

ان لوگوں نے جو (عیسیٰؑ کی) مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔ بلکہ (حق تو یہ ہے کہ) یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

پھر قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بت پرستوں کے درمیان فرق بیان ہوا، خدا فرماتا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ.

عیسیٰؑ تو بس ہمارے ایک بندے تھے جن پر ہم نے احسان کیا (نبی بنایا اور معجزے دیئے) اور ان کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) نمونہ بنایا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتے تھے اور راضی نہ تھے، کہ لوگ ان کی عبادت کریں، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں، لیکن خود اس بات کی نفی فرمارہے ہیں، یہ جملہ "**هم قوم خصمون**" سے ظاہر ہوتا ہے کہ جدال باطل کا ایک سبب ہے بغض و عداوت ہے اور انسان غیر منطقی گفتگو شروع کردیتا ہے۔ خود جانتا ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے وہ باطل ہے لیکن کینہ وحسد اسے حق کے سامنے تسلیم نہیں ہونے دیتے۔

ساتویں آیت میں حرام مردار اور وہ حیوان جو بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا کا ذکر ہے یا وہ گوشت جس پر اللہ کا نام نہ لیا اور ذبح کیا گیا ہو، یہ کام گناہ ہے (**وانه لفسق**) پھر خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جس (ذبیحہ) پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ (کیونکہ) یہ بے شک بدچلنی ہے اور شیاطین تو اپنے ہوا خواہوں کے دل میں وسوسہ ڈالا ہی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے (بے کار بے کار) جھگڑے کیا کریں اور اگر (کہیں) تم نے ان کا کہنا مان لیا تو (سمجھ رکھو کہ) بے شبہ تم بھی مشرک ہو۔

بعض مفسرین جیسے مرحوم طبرسی اور ابوالفتوح رازی نے یہ لکھا ہے کہ یا جدال سے مراد یہ تھی وہ کہتے تھے اگر ہم مردار کا گوشت کھاتے ہیں تو یہ اسلئے ہے کہ انھیں خدا نے مارا ہے اور جو حیوان ہم ذبح کرتے ہیں وہ اس سے بہتر ہے باطل مردار خور افراد کے لئے شیطان کے دوستوں میں ان کے دلوں میں ڈال رکھا تھا، ذبح شدہ گوشت سے مردار

کے گوشت کو اچھا سمجھنا بلکہ اس سے بہتر سمجھنا ایک شیطانی فکر ہو سکتی ہے۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ یہ باطل سخن ایک مجوسی گروہ کا ہے کہ جو انھوں نے مشرکین کو ایک خط لکھا تھا۔

آٹھویں آیت احرام اور حج کے دوران جدال کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ.

حج کے مہینے تو (اب سب کو) معلوم ہیں (شوال، ذیقعد، ذی الحجہ) پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج لازم کرے تو (احرام سے) آخرِ حج تک نہ عورت کے پاس جائے نہ کوئی اور گناہ کرے اور نہ جھگڑے اور نیکی کا کوئی سا کام بھی کرو تو خدا اس کو خوب جانتا ہے اور (راستہ کے لیے) زادراہ مہیا کرلو اور سب سے بہتر زادِراہ پرہیز گاری ہے اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہو۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ احرام ایک معنوی و روحانی حالت کا نام ہے اس سے انسان کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے، اس لئے بہت سے مباح کام حرام کی حالت میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں اور بعض حرام کا گناہ اور زیادہ ہے کہ جب انھیں اس حالت میں انجام دیا جائے۔ فقہاء کے نزدیک پچیس (۲۵) کام ایسے ہیں جو حرام ہیں ان میں سے ایک جدال ہے۔

فقہاء کے قول کے مطابق جدال سے مراد کلمہ جسے ''بلٰی'' والا کہنا ہے، اور فسق سے مراد جھوٹ بولنا، گالیاں دینا اور دوسروں پر برتری کے حصول کا اظہار کرنا، لیکن بعید نہیں کہ ہر قسم کے جھگڑے کو جدال کہتے ہیں، بہر حال حرام کی حالت میں جدال کا منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے انسان خدا سے دور ہوتا ہے، مذکورہ روایت میں جملہ خبریہ استعمال ہوا ہے، حج میں جدال کا وجود نہیں ہے، یہ جملہ تاکید ہے جو کہ یہ عمل روح حج ساز گار نہیں ہے۔

آیت نہم میں مراد جو جدال کے مشابہ ہے کا ذکر ہوا ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ.

جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ قیامت یقینی برحق ہے آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے

بارے میں شک کیا کرتے ہیں وہ بڑے پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

واضح ہے کہ ہدایت یعنی انسان حق جو اور حق طلب ہو، جہاں بھی حق ہو اسے قبول کرتا ہو، جب تکبر و غرور اور حق سے مانع ہونے سے انسان گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے، مردار اور جدال میں فرق بعد میں بیان ہوگا۔

آیت دسویں اور آخری آیت میں ضدی قوم لوط کا ذکر ہوا ہے، جتنا ان کے نبی نے عذاب الٰہی سے ڈرایا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور قوم نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ جنگ و جدال کے لئے تیار ہو گئے، خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ.

اور لوطؑ نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر ان لوگوں نے ڈرانے ہی میں شک کیا۔

یہی سبب بنا کہ قوم لوط غافل رہی اور فرمان الٰہی صادر ہوا ان کا شہر شدید زلزلوں کی لپیٹ میں آ گیا، اور نیست و نابود ہو گئے، ان کی لاشوں پر آسمان سے پتھر گرے، یہ ہے مراد اور جدال کرنے والوں کا انجام، اس آیت میں واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دو رزائل اخلاقی کتنے خطرناک ہیں کہ جس سے انسان ہدایت نہیں پا سکتا، بلکہ شیطانی ہوتا ہے اور عذاب الٰہی میں غوطہ ور ہوتا ہے۔

۞۞۞۞۞

اَرْبَعٌ يُمِتْنَ الْقُلُوبَ اَلذَّنْبُ عَلَى الذَّنْبِ وَ كَثْرَةُ مُنَاقَشَةِ النِّسَاءِ يَعْنِى مُحَادَثَتُهُنَّ وَ مُمَارَاتُ الْاَحْمَقِ تَقُولُ وَ يَقُولُ وَلَا يَرْجِعُ اِلَى خَيْرٍ وَ مُجَالَسَةُ الْمَوْتَى فَقِيلِ يَا رَسُولَ اللهِ وَ مَا الْمَوْتَى قَالَ كُلُّ غَنِيٍّ مُتْرَفٌ.

چار چیزیں انسان کے دل کو مار دیتی ہیں، پے در پے گناہ بغیر معرفت کے زیادہ گفتگو کرنا، احمق سے مناظرہ کرنا، کیونکہ تو ایک چیز کہتا ہے تو وہ دوسری چیز اور تم کسی نتیجے تک نہیں پہنچتے اور مُردوں کی ہم نشینی۔ بعض نے تعجب سے پوچھا! مُردوں سے کیا مراد ہے اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟

فرمایا: ہر ثروت مند جو غافل اور مغرور و مست ہو۔

۱۰۔جدال ومراء کی تعریف

جدال مراء اورمخاصمہ میں فرق

کلمہ جدل وجدال کے بارے میں راغب کہتا ہے،(جدلت الحبل) یعنی اس نے ان کوحکم بتایاایسا شخص جو لڑاکا ہو، جھگڑالوقسم کا آدمی ہو، جو دوسرے کواس کے عقائد اور انکار سے دور کرے،بعض نے کہا کہ جدال کا معنی مارنا ہے یا دوسرے کوزمین پر دے مارنا،البتہ جدال دوقسم کا ہوتا ہے:

(۱) جدال حق

(۲) جدال باطل

جدال حق کی تعریف ہوئی ہے لیکن جدال باطل کی مذمت ہوتی ہے قرآن مجید میں ایک جگہ خداوندعالم فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط [1]

---

[1] سورۂ نحل:۱۲۵

(اے رسولؐ) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث ومباحثہ کرو بھی تو اس طریقہ سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

یہاں پر رسول خداؐ، جدال حق کے لئے مامور ہوئے ہیں اور حکمت و وعدہ ونصیحت کے لئے مبعوث ہوئے۔ لیکن جدال باطل وہی ہے جو پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے کہ متعصب اور ضدی قسم کے افراد، واضح اور روشن دلیل کو انکار کرنے والے تھے، (مراء) بروزن حجاب کا معنی یہ ہے کہ ایسی گفتگو کرنا جس میں شک وتردید ہو۔

راغب کہتا ہے:

یہ اصل میں (مَرَیْتُ النّاقَةَ) یعنی اونٹ کا دودھ دوہنے کے لئے اس کا پستان پکڑنے کے معنی میں ہے اس کے بعد ہر اس بات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں شک وتردید ہو۔

بعض نے اس سے دقیق تر بیان کیا ہے اور لکھا ہے:

(مَرَیْتُ النّاقَةَ) وہاں کہا جاتا ہے کہ جب اونٹی کا دودھ دوہ لینے کے بعد باقی بچنے والے دودھ کو خارج کرنا یعنی، شاید باقی دودھ ہے یا نہیں یہ عمل شک وتردید میں انجام دیا جاتا ہے، لیکن بعد میں ہر قسم کے شک وتردید کے موضوع میں استعمال ہونے لگا، خواہ وہ بحث مثبت اور باحق ہو یا ضدی قسم کی بحث ہو۔

سورہ کہف کی آیت ۲۲، میں (مراء) مثبت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مخالفین سے اصحاب کہف کے بارے میں بحث کرو تو آشکارانہ طور پر گفتگو کے لئے بیٹھ جاؤ:

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا [1]

(اے رسولؐ) تم (ان لوگوں سے) اصحاب کہف کے بارے میں سرسری گفتگو کے سوا (زیادہ) نہ جھگڑو۔

اس کے منفی موارد زیادہ ہیں، آیت مذکورہ میں دو موارد میں منفی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

---

[1] کہف:۲۲

یاد رہے کہ کلمہ (مریہ) بروزن خزیہ وقریہ تقسیم گیری میں تردید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

جدال و مراء روایات میں جیسا کہ جدال باطل کے آثار مانند حق کا مخفی ہونا، تعصب میں اضافہ غصہ اور دوسرے بے شمار فسادات بیان ہو چکے ہیں، اس طرح روایات میں اس کی سختی سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ اَنْ هَدَاهُمُ اللهُ اِلّا اُوتُوا الْجَدَلَ.[۱]

کوئی قوم اس کی ہدایات کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ جدال میں اسیر ہوئے۔

(۲) اسی مضمون سے ملتی جلتی روایت آپؐ سے نقل ہوئی ہے:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ اِلّا وَ اَوْثَقَ الْجَدَلَ.[۲]

کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ اس نے جدال کیا۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي دِينِهِ اُولٰئِكَ مَلْعُونُونَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ.[۳]

خداوند عالم کی ایسے لوگوں پر لعنت ہو کہ جو دین میں مجادلہ کرتے ہیں، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ملعون و مرتد قرار پائے۔

(۴) آپؑ ہی سے مروی ہے کہ:

اَلْجَدَلُ فِي الدِّينِ يُفْسِدُ الْيَقِينَ.[۴]

دین میں جدال ایمان میں فساد کا باعث ہے

(۵) امام جعفر صدق علیہ السلام نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَ الْخُصُومَةَ فِي الدِّينِ فَاِنَّهَا تُشْغِلُ الْقَلْبَ عَنْ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ تُورِثُ النِّفَاقَ وَ تَكْسِبُ الضَّغَائِنَ وَتَسْتَجِيرُ الْكِذْبَ.

---

[۱] احیاء العلوم، جلد 3، صفحہ 1553.

[۲] بحار الانوار، جلد 2، صفحہ 138، حدیث 52.

[۳] بحار الانوار، جلد 2، صفحہ 129، حدیث 13.

[۴] غرر الحکم، حدیث 1177.

دین میں جدال سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے فکرِ انسان ذکر خدا سے دور ہو جاتی ہے، اختلاف ،نفاق، کینہ، اور عداوت کا سبب بنتا ہے، اسی طرح انسان جھوٹ کی پناہ لیتا ہے۔

(۶) امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

اِیّاکُو الْخُصومَةَ فَاِنّها تورِثُ الشَّكَّ وَ تُحبِطُ العَمَلَ وَ تُرْدِی بِصاحِبِها.[1]

جدال و جھگڑے سے شک و تردید پیدا ہوتی ہے اور انسان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، اور انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور بعض اوقات انسان ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ جو بخشش کے قابل نہیں ہوتی۔

(۷) لقمان حکیم جدال کے بارے میں اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں:

یابُنَیَّ لا تُجادِلِ الْعُلَماءَ فَیَمْقُتُوكَ.[2]

اے بیٹے! دانشمندوں سے جدال نہ کرنا، کہ تیرے دشمن ہوں گے۔

(۸) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الدّینَ بِالْجَدَلِ تَزَنْدَقَ.[3]

جو شخص دین کو جدال سے لیتا ہے وہ کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

(۹) امام علی رضا علیہ السلام اپنے صحابی سے فرماتے ہیں:

اَبلغْ عَنّی اَوْلیائِیَ السَّلامَ وَ قُلْ لَهُمْ اَنْ لا تَجْعَلُوا لِلشّیْطانِ عَلی اَنْفُسِهِمْ سَبِیلا وَ مُرْهُمْ بِالصِّدْقِ فِی الْحَدِیْثِ وَ اَداءِ الأَمانَةِ وَ مُرْهُمْ بِالسُّکُوتِ وَ تَرْكِ الْجِدالِ فِیما لا یَعْنِیهِمْ.[4]

میرے دوستوں کو میرا سلام کہنا، اور انہیں کہہ دینا کہ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا، انھیں صداقت کا حکم دینا اور امانت کی ادائیگی کی نصیحت کرنا اور انہیں ایسے اُمور میں جو ان سے

[1] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 128، حدیث 6.

[2] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 134، حدیث 30.

[3] مجموعہ ورّام، جلد 1، صفحہ 117، (باب ماجاء فی المراء والمزاح).

[4] المحجۃ البیضاء، جلد 1، صفحہ 107.

مربوط نہیں ہیں اُن کو ترک جدال کرنے کی نصیحت کرو۔

(۱۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمانِ حَتّٰى يَدَعَ الْمِراءَ وَ الْجَدَلَ وَ إِنْ كانَ مُحِقّاً.[۱]

انسان دین کی حقیقت کو کمال تک نہیں پہنچا سکتا سوائے اس کے کہ وہ (مراء) وجدال کو ترک کرے اگرچہ باحق ہی کیونکہ نہ ہو۔

اب (مراء) اور جدال میں فرق بیان ہو چکا ہے کہ جدال لفظوں میں ہوتا، لیکن (مراء) ہر وہ چیز جس میں شک وتردید ہو۔

مراء کے حوالے سے روایات پیش مطالعہ ہیں:

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لايَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمانَ حَتّٰى يَدَعَ الْمِراءَ وَإِنْ كانَ مُحِقّاً.[۲]

کسی شخص کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک وہ (مراء) کو ترک نہ کر دیتے اگرچہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) چند اصحاب کی زبانی نقل ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم ایک مسئلہ میں (مراء) کر رہے تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور پھر فرمایا:

إِنَّما هَلَكَ مَنْ كانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذا، ذَرُوا الْمِراءَ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لايُمارِي، ذَرُوا الْمِراءِ فَإِنَّ الْمُمارِي قَدْ تَمَّتْ خَسارَتُه، ذَرُوا الْمِراءِ فَإِنَّ الْمُمارِي لا اَشْفَعُ لَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ ذَرُوا الْمِراءِ فَاَنَا زَعِيمٌ بِثَلاثَةِ اَبْياتٍ فِي الْجَنَّةِ فِي رِياضِها وَ اَوْسَطِها وَ اَعْلاها لِمَنْ تَرَكَ الْمِراءِ وَ هُوَ صادِقٌ، ذَرُوا الْمِراءِ فَإِنَّ اَوَّلَ ما نَهانِي عَنْهُ رَبِّي بَعْدَ عِبادَةِ الْاَوْثانِ الْمِراءُ.[۳]

---

[۱] میزان الحکمہ، جلد 1، صفحہ 372.

[۲] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 208.

[۳] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 138، حدیث 53.

تم سے پہلے والی اقوام ہوس آلودہ بحث ومباحثہ کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں (مراء) کو ترک کرو کیونکہ مراء کرنا مومن کی شان نہیں، (مراء) کو چھوڑ دو کیونکہ مراء کرنے والا خسارے میں ہے، مراء کو ترک کردو کیونکہ مراء کرنے والے کی روز قیامت میں شفاعت نہیں کروں گا، (مراء) کو چھوڑ دو اگرچہ حق ہو ایسے شخص کے لئے میں جنت میں تین گھروں کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۱) ریاض جنت

(۲) وسط جنت

(۳) جنت کے اوپر

مراء کو چھوڑ دو کیونکہ بت پرستی کے بعد خداوندعالم نے جو اولین چیز سے منع فرمایا وہ مراء تھا۔

(۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ذَرُوا الْمِراءَ فَاِنَّهُ لا تَفْهَمُ حِكْمَتُهُ وَلا تُؤْمَنُ فِتْنَتُه.[۱]

مراء کو ترک کرو کیونکہ اس میں حکمت نہیں ہے اور فتنہ سے امان نہیں ہے۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْمِراءُ داءٌ رَدِیٌّ وَ لَیْسَ لِلْاِنْسانِ خَصْلَةٌ شَرٌّ مِنْهُ وَ هُوَ خُلُقُ اِبْلیسَ وَ نِسْبَتِهِ فَلا یُماری فی اَیِّ حالٍ کانَ اِلّا مَنْ کانَ جاهِلا بِنَفْسِهِ وَ بِغَیْرِهِ مَحْرُوماً مِنْ حَقایِقِ الدّینِ.[۲]

مراء (بحث غیر منطقی) ایک مصیبت ہے، اور انسان کے لئے اس سے بدتر کوئی صفت نہیں ہے اور وہ ابلیس اور اس سے منسوب افراد کا اخلاق ہے مراء کرنے والا صرف جاہل آدمی ہو سکتا ہے اور دین کے حقائق سے محروم ہوتا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مراء کرنے والا اپنے آپ کو غلطی سے پاک اور دوسروں کو خطا کار سمجھتا ہے اور یہ اس مطلب کی دلیل ہے کہ وہ نہ خود پہنچا تا ہے اور نہ دوسروں کو ایسا شخص دینی حقائق حاصل کرنے سے محروم رہتا

---

[۱] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 138، حدیث ۵۰.

[۲] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 135، حدیث 32.

ہے۔

(۵) ایک حدیث میں ملتا ہے کہ ایک شخص امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، آؤ بیٹھتے ہیں تا کہ دینی مسائل پر گفتگو کریں اور بحث و مناظرہ کریں، امامؑ نے جواب میں فرمایا:

یا ھذا اَنَا بَصیرٌ بِدینی مَکْشُوفٌ عَلَیَّ ھُدایَ فَاِنْ کُنْتَ جاھِلاً بِدینِكَ فَاذْھَبْ وَ اطْلُبْهُ مالی وَلِلْمُماراتِ وَاِنَّ الشَّیْطانَ لِیُوَسْوِسُ لِلرَّجُلِ وَ یُناجِیهِ وَ یَقُولُ ناظِرِ النّاسَ فِی الدِّینِ کَیْ لا یَظُنُّوا بِكَ الْعَجْزَ وَ الْجَھْلَ........[۱]

اے مرد، میں دین سے آشنا ہوں اور میری ہدایت روشن ہے اگر تو دین سے جاہل ہے تو جا اور تحقیق کرو، مجھے مراء سے کیا سروکار ہے، جان لو، شیطان ہمیشہ انسان کو وسوسہ میں ڈالتا ہے اور شیطان انسان کے کان میں کہتا ہے کہ وہ بحث و مناظرہ کرے اور دین میں بحث کرے تا کہ گمان کریں تو جاہل ہے۔

(۶) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَرْبَعٌ یُمِتْنَ الْقُلُوبَ اَلذَّنْبُ عَلَی الذَّنْبِ وَ کَثْرَۃُ مُناقَشَۃِ النِّساءِ یَعْنی مُحادَثَتَھُنَّ وَ مُماراتُ الْاَحْمَقِ تَقُولُ وَ یَقُولُ وَ لا یَرْجِعُ اِلی خَیْرٍ وَ مُجالَسَۃُ الْمَوْتی فَقیلِ یارَسُولَ اللّٰہِ وَما الْمَوْتی قالَ کُلُّ غَنِیٍّ مُتْرَفٌ.[۲]

چار چیزیں انسان کے دل کو ماردیتی ہیں، پے در پے گناہ بغیر معرفت کے زیادہ گفتگو کرنا، احمق سے مناظرہ کرنا، کیونکہ تو ایک چیز کہتا ہے تو وہ دوسری چیز اور تم کسی نتیجے تک نہیں پہنچتے اور مُردوں کی ہم نشینی۔

بعض نے تعجب سے پوچھا! مُردوں سے کیا مراد ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

آپؐ نے فرمایا: ہر ثروت مند جو غافل اور مغرور و مست ہو۔

(۷) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِیّاکُم وَ الْمِراءَ وَ الْخُصُومَۃَ فَاِنَّھُما یُمْرِضانِ الْقُلُوبَ عَلَی الْاِخوانِ وَ

---

[۱] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 135، حدیث 32.

[۲] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 128، حدیث 10.

يُنْبِتُ عَلَيْهِمَا النِفاقَ.[1]

مراءجدال اورکینہ توزی والی بحث سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے مومن بھائیوں کے ایک دوسرے کے دل بیمار ہوتے ہیں اور تفرقہ کا باعث ہوتا ہے۔

(۸) اسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جامع حدیث میں آیا کہ آپؐ نے فرمایا:

اَوْرَعُ النّاسِ مَنْ تَرَكَ الْمِراءَ وَاِنْ كانَ مُحِقاً.[2]

لوگوں میں سب سے زیادہ متقی وہ شخص ہے جو مراء کو چھوڑ دیتا ہے اور اگرچہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔

(۹) حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے:

جِماعُ الشَّرِ اللِّجاجُ وَكَثْرَةُ الْمُمارَاةِ.[3]

شر کا مرکز کثرت بحث ومباحثہ اور غیر منطقی گفتگو ہے۔

(۱۰) یہ حدیث حضرت سلمان فارسیؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لا يُؤْمِنُ رَجُلٌ حَتّى يُحِبَّ اَهْلِ بَيْتِى وَحَتّى يَدَعَ الْمِراءَ وَهُوَ مُحِقٌّ

فَقالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطابِ ما عَلامَةُ حُبِّ اَهْلِ بَيْتِكَ؟ قالَ: هذا، فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلى عَلِىِ بْنِ اَبى طالِبِ(عليه السلام).[4]

مجھ پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا جب تک اس نے اہل بیتؑ سے دوستی نہیں رکھی اور مراء کو ترک نہ کیا ہو اگرچہ وہ حق پر (چلنے کی کوشش کرتا) ہو۔

حضرت عمر وہاں حاضر تھے انہوں نے پوچھا: محبت اہل بیتؑ کی نشانی کیا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اِسے دوست رکھتا ہو پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ علی علیہ السلام کے کاندھے پر مارا۔

---

[1] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 139، حدیث 56.

[2] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 127، حدیث 3.

[3] غرر، جلد 3، صفحہ 376، حدیث 4795.

[4] سفینۃ البحار، مادہ «مَرَء» بحارالانوار، جلد 27، صفحہ 107، حدیث 79.

بے شک ان دو موضوعات کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کلام میں دو نشانیاں ذکر کی ہیں، ان کا آپس میں گہرا ربط ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کے دلائل اتنے روشن ہیں کہ جس میں جدال و مراء کی ضرورت نہیں ہے۔

روایات میں مراء کے آثار ونتائج

بعض روایات میں ہم پڑھتے ہیں کہ جدال و مراء قلب کو بیمار کر دیتے ہیں ممکن ہے قلب بمعنی عقل ہو اور بیماری سے مراد عدم درک حقائق ہو۔

جدال و مراء کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی شخصیت کمزور ہو جاتی ہے اور جاہلوں کی زبان کھل جاتی ہے۔

بعض اوقات واضح ترین چیزوں کو نہیں سمجھ سکتا اور انکار کرنے لگتا ہے یا ان مطالب کا دفاع کرتا ہے جس پر عام لوگوں کی نظر میں اس کی تضحیک ہوتی ہے۔

اگر انسان کسی جاہل سے جدال و مراء کرے تو سوائے ہتک عزت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جدال و مراء سے انسان کو چار نقصانات ہوتے ہیں:

(۱) قلب انسان مردہ ہو جاتا ہے۔

(۲) روح انسان بیمار ہو جاتی ہے۔ شک و تردید دین خدا پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۳) دوستوں کے درمیان عداوت و دشمن پیدا ہوتی ہے اور انسان خدا سے غافل ہوتا ہے۔

(۴) آہستہ آہستہ انسان سے علم رخصت ہو جاتا ہے۔

جدال ومراء کے اسباب

۱۔ جدال ومراء کا مہم ترین عامل تکبر وغرور ہے جو انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ حق کے سامنے تسلیم ہو جائے امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اِنَّ مِنَ التَّواضُعِ اَنْ یَرْضَی الرَّجُلُ بِالْمَجْلِسِ دُونَ الْمَجْلِسِ وَ اَنْ یُسَلِّمَ عَلٰی مَنْ یَلْقٰی وَ اَنْ یَتْرُكَ الْمِراءَ وَاِنْ كانَ مُحِقّاً وَ لا یُحِبَّ اَنْ یُحْمَدَ عَلَی التَّقْوٰی.[1]

اس حدیث میں امام نے چار چیزوں کو تواضع کی نشانیاں بتائی ہیں:

(۱) محفل میں جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جانا۔

(۲) ہر ایک ملاقات کرنے والے کو سلام کرنا۔

(۳) جدال ومراء کو ترک کرنا اگرچہ وہ حق کے ساتھ ہو

(۴) تقویٰ کی تعریف پر خوش ہونے کی بجائے انکساری کرنا۔

۲۔ اظہار فضل اور ریاکاری اس کا ایک سبب ہے، پہلے حدیث بیان ہو چکی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اِنَّ الشَّیْطانَ لَیُوَسْوِسُ لِلرَّجُلِ وَ یُناجِیهِ وَ یَقُولُ ناظِرِ النّاسَ فِي الدِّینِ كَيْ لا یَظُنُّوا بِكَ الْعَجْزَ وَ الْجَهْلَ.[2]

شیطان ہمیشہ انسان کو وسوسہ میں ڈالتا ہے اور لوگوں کے کانوں میں یہ بات ڈال دیتا ہے وہ لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرے اور عاجزی کا اظہار نہ کرے۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے طالب علموں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک وہ گروہ جو علم حاصل کرتا ہے تا کہ لوگوں سے جدال ومراء اور غیر منطقی بحث کرے، دوسرا گروہ وہ ہے جو علم حاصل کرتا ہے لیکن فخر فروشی

---

[1] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 131، حدیث 20.

[2] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 135، حدیث 32.

کے لئے حاصل کرتا ہے، تیسرا گروہ علم حاصل کرتا ہے تا کہ اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس علم کی تعلیم دے، پھر پہلے گروہ کے بارے میں ہے:

وَ اِنَّ الشَّیْطانَ لَیُوَسْوِسُ لِلرَّجُلِ وَ یُناجیهِ وَ یَقُولُ ناظِرِ النّاسِ فِي الدّینِ کَیْ لا یَظُنّوا بِكَ الْعَجْزَ وَ الْجَهْلَ.

جو شخص علم کو جدال اور مراء کے لئے طلب کرتا ہے اس کے کلام سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور اپنی گفتگو وہاں کرتا ہے جہاں مجلس و محفل ہو،

آخر میں امامؑ اس شخص پر نفرین کرتے ہیں۔

فَصاحِبُ الْجَهْلِ وَ الْمِراءِ مُوذٍ مُمارٍ مُتَعَرِّضٌ لِلْمَقالِ فی اَنْدِیَةِ الرِّجالِ.

خداوندعالم ایسے شخص کی ناک خاک پر رگڑا تا ہے۔ معاشرے میں اس کی ناک کٹ جاتی ہے۔

ایک روایت میں امامؑ نے اس پر نفرین کی ہے فرماتے ہیں:

فَدَقَّ اللهُ مِنْ هذا خَیْشُومَهُ.[۱]

خداوندعالم اس کی ناک زمین پر رگڑے۔

۳۔ اسی موضوع پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک اور حدیث ہے جس میں آپؑ نے فرمایا کہ مراء ایک بیماری ہے اور یہ شیطانی عمل ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

فَلا یُماری فی اَیِّ حالٍ کانَ اِلّا مَنْ کانَ جاهِلاً بِنَفْسِهِ وَ بِغَیْرِهِ.[۲]

مراء کرنے والا شخص صرف جاہل ہوسکتا ہے اس کے علاوہ کوئی جدال و مراء نہیں کرتا۔

۴،۵۔ انتقام جوئی اور حسد مراء اور ان میں سے ہر کے دو سبب ہیں:

1. دوسروں کی آبروریزی کی خاطر ان سے انتقام جوئی اور حسد کرتا ہے۔

2. وہ اپنی توہین و تحقیر کو چھپانے اور حسد کی آگ بجھانے کے لئے ان رزائل کا سہارا لیتا ہے۔

۶۔ تعصب اور جھگڑا جدال و مراء کے مہم عوامل میں سے ہے ایسی صفت کا انسان اپنے فاسد عقائد سے

---

[۱] مقدمہ کتاب معالم الاصول، صفحہ 11۔

[۲] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 134، حدیث 31۔

آسانی سے دستبردار نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر آئے دن بحث ومناظرہ شروع کر دیتا ہے۔ وہ اپنے باطل عقائد کو دوسروں پر متحمل کرانا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ انبیاء کے سامنے ہر کردار ادا کرتے تھے۔

مثال کے طور پر بابل کے بت پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ایسا ہی کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن تعصب اور ضدی پر ڈٹے رہے اور جہالت وظلمت کے بادل ان پر چھائے رہے، عقل وفکر پر پردے پڑے رہے اور اپنی احمقانہ حرکت کو جاری رکھا۔

۷۔ اکثر یا تمام گناہوں کا اصلی عاقل دنیا پرستی ہے اور یہی جدال ومراء کا ایک عامل بھی ہے۔ اس کے ذریعے لوگ اپنا مقام بلند کرنا چاہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کے منفی اثرات بہت زیادہ ہیں اور ان کے برے آثار ہوتے ہیں، انسان کو ادب وعدل اور انسانیت سے دور کرتے ہیں۔ وہ انسان مجبور ہوجاتا ہے حق کے مقابلے میں آئے اور اپنے باطل کا دفاع کرے۔

اقسام مراء وجدال

جدال اور مراء کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱ جدال ومراء مثبت۔

۲ جدال ومراء منفی

جدال ومراء مثبت یعنی منطقی گفتگو کرنا اور مسائل وحقائق کی وضاحت کرنا۔ مراء وجدال منفی یعنی جھگڑالو بحث کرنا۔ ضد بازی کرنا ایسے شخص کا کوئی ہدف نہیں ہوتا۔ اس کا ہدف روشن حقائق کرنا نہیں بلکہ اس کا ہدف ضد، تعصب اور خود پسندی ہوتا ہے اور دوسروں پر برتری حاصل کرنا اس کا مقصود ہوتا ہے۔ یہ تقسیم آیات میں نظر آتی ہے، خداوندعالم فرماتا ہے:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُوْنَ.[۱]

اور (اے ایماندارو!) مناظرہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر عمدہ اور شائستہ الفاظ وعنوان سے لیکن ان میں سے جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا۔ (ان کے ساتھ رعایت نہ کرو) اور صاف صاف کہہ دو (کتاب) جو ہم پر نازل ہوئی اور جو کتاب تم پر نازل ہوئی ہے ہم تو سب پر ایمان لا چکے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

ایک اور جگہ خداوند عالم نے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ.[۲]

(اے رسولؐ) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو اس طریقہ سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

کافروں کی خدمت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ.

[۳]

وہ لوگ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے (خواہ مخواہ) سچّی بات میں جھگڑتے تھے اور اس طرح (کرنے لگے) گویا وہ (زبردستی) موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ اور اسے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں۔

اصحاب کہف کی داستان میں مراء مثبت ہے، ان کی تعداد کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ

---

[۱] عنکبوت: ۴۶

[۲] نحل: ۱۲۵

[۳] انفال: 6

رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَۃٌ وَّ ثَامِنُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِہِمۡ مَّا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِیۡہِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا ۪ وَّ لَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡہِمۡ مِّنۡہُمۡ اَحَدًا۔[1]

قریب ہے کہ لوگ (نصاریٰ نجران) کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے چوتھا ان کا کتّا (قطمیر) ہے۔ اور کچھ لوگ (عاقب وغیرہ) کہتے ہیں کہ پانچ آدمی تھے چھٹا ان کا کتّا ہے (یہ سب) غیب میں اٹکل پچو لگاتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سات آدمی ہیں اور آٹھواں ان کا کتّا ہے (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ ان کا شمار میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے ان (کی گنتی) کو تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں تو (اے رسولؐ) تم (ان لوگوں سے) اصحاب کہف کے بارے میں سرسری گفتگو کے سوا (زیادہ) نہ جھگڑو اور ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے کچھ پوچھو بھی نہیں۔

منفی مورد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ۔[2]

جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ قیامت یقینی برحق ہے آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کیا کرتے ہیں وہ بڑے پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

دوسری تقسیم اجزاء کے لحاظ سے کی جاسکتی ہے جن میں ایک وہ انسان ہے جو سمجھ دار اور عاقل ہوتا ہے اور اپنی منطقی گفتگو سے دوسروں پر غالب ہوتا ہے جس طرح حضرت علی علیہ السلام کی وصیت میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

دَعِ الْمُمَارَاتِ وَمُجَارَاتِ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ وَلَا عِلْمَ۔[3]

مناظرہ و گفتگو بغیر عقل وعلم کے نہیں ہوا کرتا۔

---

[1] کہف: 22

[2] شوریٰ: 18

[3] بحار الانوار، جلد 2، صفحہ 129، حدیث 14.

مناظرہ کرنے والے شخص کو آشنا و واقف ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر نا آشنا حق کا دفاع کرے گا تو اپنی کم معلومات کی وجہ سے شکست کھائے گا۔ جن سے حق ضائع ہوجائے گا لہٰذا ایک حدیث ہے کہ محمد بن عبداللہ جو طیار کے نام سے معروف ہیں، وہ امام صادق علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں:

بَلَغَنِی اَنَّكَ كَرِهْتَ مُنَاظَرَةَ النَّاسِ.

میں نے سنا ہے کہ مجھے کہا گیا ہے کہ تم مخالفین سے مناظرہ کرنے سے نفرت کرتے ہو؟

امام نے فرمایا:

اَمَّا كَلَامُ مِثْلِكَ فَلَا يُكْرَهُ مَنْ اِذَا طَارَ يُحْسِنُ اَنْ يَقَعَ وَاِنْ وَقَعَ يُحْسِنُ اَنْ يَطِيرَ فَمَنْ كَانَ هٰكَذَا لَا نَكْرَهُهُ.[1]

میں جیسے تم سے گفتگو کررہا ہوں ایسی گفتگو سے مجھے نفرت نہیں ہے۔ انسان کو ماہر ہونا چاہیے، مہارت سے گفتگو کو شروع کرے اور مہارت سے گفتگو کا اختتام کرے، ہم ایسے مناظرہ کرنے سے ناراض نہیں ہوتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے محمد بن عبداللہ کو طیار کا لقب اس لئے دیا تھا کہ وہ مناظرے میں ماہر تھے اور حق کا دفاع کرنے والا تھا۔ لہٰذا جو لوگ کافی علم نہیں رکھتے یا حق کے دفاع کی قدرت نہیں رکھتے انہیں مناظرہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ جن افراد کے پاس علم نہ ہو یا وہ دفاع کرنے سے عاجز ہوں وہ شکست کھا جاتے ہیں اور سرنگوں ہوجاتے ہیں اور دوسروں کی نگاہ میں مذہب پر حرف آتا ہے بعض نادان افراد میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ وہ افراد جو افراط سے کام لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں مناظرہ حرام ہے لہٰذا کسی سے مناظرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ انسان ماہر ہو اور منطقی و استدلال سے دفاع کرنے کی صلاحیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو یہ ایک منحرف راستہ ہے۔ بلکہ ایسے افراد کو مناظرہ کرنا چاہیے تاکہ حق کا دفاع ہو اور لوگوں پر حقائق واضح ہوں اس مطلب کو ایک حدیث سے ختم کرتے ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے جد امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے دین نہیں جدال کے بارے میں کچھ فرمایا اور فرمایا کہ یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے مناظرے سے منع فرمایا ہے کہ اس کی مکمل طور پر نفی نہیں کی گئی بلکہ اس جدال و مناظرے سے نفی کی گئی ہے جو غیر منطقی اور صحیح نہ ہو پھر فرمایا کیا تو نے خداوند عالم کا قول نہیں سنا کہ فرماتا ہے:

---

[1] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 136، حدیث 39.

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ .[۱]

اور (اے ایماندارو) مناظرہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر عمدہ اور شائستہ الفاظ وعنوان سے۔

اس آیت میں خداوندعالم احسن جدال کرنے کا حکم دیتا ہے جس جدال سے منع کیا گیا ہے وہ غیر احسن جدال ہے۔لہٰذا اس آیت میں خداوندعالم رسول خداﷺ کو احسن جدال کرنے کا دستور دے رہا ہے۔خداوندعالم فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ.[۲]

(اے رسولؐ) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث ومباحثہ کرو بھی تو اس طریقہ سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو۔اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

احسن جدال میں منطق ودلیل کی گفتگو ہوئی ہے۔بعض افراد نے آپ سے پوچھا کہ جدال غیر احسن کیا ہوتا ہے۔حضرتؑ نے فرمایا: جو شخص باطل کے ساتھ مناظرہ کرے اور وہ دلیل نادرست لے آئے اور تم منطق واستدلال سے بحث کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہو ایسا عمل ہم شیعہ پر حرام ہے جس سے ضعیف ایمان والوں میں فتنہ وانحراف پیدا ہوتا ہے۔اس سے باطل غالب آجاتا ہے۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام بہت سی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں معاد کے لئے استدلال سے بحث ہوئی ہے اور مشرکین سے قیامت کے بارے میں منطق سے بحث ہوئی ہے۔[۳]

احسن جدال سے کفار پر اتمام حجت ہوتی ہے اور شبہات دور ہوتے ہیں۔

---

[۱] عنکبوت:۴۶

[۲] نحل:۱۲۵

[۳] بحارالانوار، جلد 2، صفحہ 125، حدیث 2 (با تلخیص)۔

اس بیماری کا علاج

متعصب شخص، جھگڑالو اور غیر احسن جدال کرنے والے شخص کا ایمان وتقویٰ خطرے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس خطرے سے نجات کے لئے اس بیماری کا علاج کیا جائے۔ اس بیماری کے علاج کے لئے سکوت بہترین چیز ہے جہاں پر باطل جدال کا احتمال ہو اور جتنا سکوت ہوگا تو علاج کے لئے زمین ہموار ہوگی۔ البتہ سکوت بہت سی بیماریوں کا علاج ہے جیسے حسد، کینہ، سخن چینی، ریا کاری، ناشکری، تہمت، جھوٹ خود پسندی، برتری حاصل کرنا۔

اس بیماری کے علاج کے لئے دوسری راہ یہ ہے انسان اس بیماری کے آثار ونتائج کی طرف متوجہ ہو کہ اس سے عداوت ودشمنی بڑھتی ہے اور دوستوں میں نفرتیں پروان چڑھتی ہیں، ایمان سے دوری ہوتی ہے، غضب الٰہی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اگر انسان ان پر توجہ دے تو کافی اثر ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو انسان جانتا ہو کہ یہ کھانا زہریلا ہے اور پھر وہ اسے کھالے۔ زہریلا کھانا صرف وہی کھاتا ہے جو زہر کے اثر سے بے خبر ہو۔ اس کے علاوہ ایسے افراد سے دوری اختیار کرنی چاہیے جو اس بیماری میں مبتلا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ جالَسَ الْجاهِلَ فَلْيَسْتَعِدَّ لِقيلٍ وَ قالٍ.[1]

جو شخص جاہل کا ہم نشین ہو اسے جدال ومراء کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

جب انسان تسلیم کر لیتا ہے کہ وہ اس بیماری کو ترک کر دے گا تو یقیناً ایک دن وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

---

[1] سفینۃ البحار، جلد 2، صفحہ 532، چاپ قدیم (مادہ مراء).

گفتگو میں انصاف

مراء اور جدال کے مقابلے میں انصاف ہے یعنی طالب حق ہو جب دوسرے کی دلیل محکم ہے تو اسے قبول کرے۔حتیٰ اگر ایک بچہ یا کافر بھی حق کہے تو اسے قبول کرنا چاہیے۔

البتہ روایات میں انصاف کی بڑی تعریف ہوئی ہے یعنی اپنے اور دوسروں کے منافع میں یکساں فکر کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

سَیِّدُ الْاَعْمالِ ثَلاثَةٌ: اِنْصافُ النّاسِ مِنْ نَفْسِكَ حَتّی لا تَرْضیٰ بِشَیْء اِلّا رَضِیتَ لَهُمْ مِثْلَهُ وَمُواساتُكَ الْاَخَ فِی الْمالِ وَذِكْرُ اللهِ عَلی كُلِّ حال.[1]

بہترین اعمال تین چیزیں ہیں:

۱ لوگوں کے حق میں انصاف کی رعایت کرنا

۲ جو چیز اپنے لئے پسند ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرے،

۳ مسلمان کے حال میں مساوات اور ہر حال میں ذکر خدا کرنا۔

---

[1] کافی، جلد 2، صفحہ 144.

۱۱۔سخن چینی اور صلح (اصلاح ذات البین)

اجتماعی زندگی میں ہمیشہ مزاحمت اور نزاع ہوتے ہیں ان میں سے ایک تزاحم یہ ہے کہ بعض افراد میں کہو اور نہ کہو والی باتیں ہوتی ہیں اور بعض اوقات چھوٹی سی بات پر جھگڑا ہوجاتا ہے اور ممکن ہے کہ خون بہہ جائے۔

دوسروں کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ لوگوں میں خوش گوار ماحول پیدا کریں رفع سوئے تفاہم اور حسن ظن کی کیفیت بنائی جائے۔بعض لوگ بات کو اور طول دیتے ہیں اور جلتی آگ پر تیل جھڑکتے ہیں ایسی باتوں کو سخن چینی کہتے ہیں اور یہ خدا کی بدترین مخلوق ہے حالانکہ صلح کرانے والے اور حسن ظن کا ماحول بنانے والے ایسے ہیں کہ گویا راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔جس طرح روایات میں آیا ہے:

اَجْرُ الْمُصْلِحِ بَیْنَ النّاسِ کَاَجْرِ الْمجاھِدِ بَیْنَ اَھْلِ الْحَرْبِ.[1]

لوگوں کے درمیان صلح کروانے والوں کا اجر وثواب جنگ کے مجاہد کی مثل ہے۔

سخن چینی ایک بری بیماری کا نام ہے۔آیات وروایات میں اس کی بڑی خدمت ہوئی ہے اور اس کے عکس عمل کرنے والوں کی تعریف ہوئی ہے۔اب آیات کو ذکر کرتے ہیں جن میں ان دوصفات کے آثار ونتائج کی بحث ہوگی۔

---

[1] تفسیر منہج الصادقین، ج8، صفحہ 417.

① وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ. [1]

ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی ہے۔

② وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍۙ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيۡمٍۙ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ
اَثِيۡمٍۙ⑫ عُتُلٍّۢ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ. [2]

اور تم (کہیں) ایسے کے کہنے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھاتا ذلیل اوقات عیب جو اعلیٰ درجہ کا چغل خور، نیکی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، تندمزاج اور اس کے علاوہ بدذات (حرام زادہ) بھی ہے۔

③ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًاۢ
بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ. [3]

اے ایماندارو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچاؤ پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔

④ مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً
سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا. [4]

جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے تو اس کو بھی اس کام کے ثواب سے کچھ حصّہ ملے گا۔ اور جو بُرے کام کی سفارش کرے تو اس کو بھی اسی کام کی سزا کا کچھ حصّہ ملے گا۔ اور خدا تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔

⑤ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ. [5]

---

[1] ہمزہ:۱

[2] قلم:11 تا 13

[3] حجرات:6

[4] نساء:85

[5] انفال:1

(اے رسولؐ) تم سے لوگ انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں تو تم کہہ دو کہ انفال مخصوص خدا اور رسولؐ کے واسطے ہے تو خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم سچے ایماندار ہو تو خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

۶۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔[1]

اور (تم مسلمانو) تم اپنی قسموں (کے حیلے) سے خدا (کے نام) کو (لوگوں کے ساتھ) سلوک کرنے اور خدا سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے کا مانع نہ ٹھہراؤ اور خدا (سب کی) سنتا اور (اور سب کو) جانتا ہے۔

۷۔ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔[2]

(اے رسولؐ) ان کے راز کی باتوں سے اکثر میں بھلائی (کا تو نام تک) نہیں۔ مگر (ہاں) جو شخص کسی کو صدقہ دینے یا اچھے کام کرنے یا لوگوں کے درمیان میں ملاپ کرانے کا حکم دے (تو البتہ ایک بات ہے) اور جو شخص (محض) خدا کی خوشنودی کی خواہش میں ایسے کام کرے گا تو ہم عنقریب ہی اُسے بڑا اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

۸۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔[3]

شعیب نے کہا: اے میری قوم کیا تم یہ سمجھے ہو کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے (حلال) روزی کھانے کو دی ہے (تو میں بھی تمہاری طرح حرام کھانے لگوں) اور میں تو یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تم کو روکوں تمہارے برخلاف آپ اس کو

---

[1] بقرہ:224

[2] نساء:114

[3] ہود:88

کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے بن پڑے اصلاح کے سوا (کچھ اور) چاہتا ہی نہیں اور میری تائید تو خدا کے سوا اور کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

تفسیر و خلاصہ

پہلی آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ.

ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی ہے۔

ہمزہ اور لمزہ کی تفسیر میں فرق ہے۔ یہ دونوں لفظ جدا معانی رکھتے ہیں۔ ہم نے تفسیر نمونہ میں ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ جو ترجمہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ آیت کا اشارہ سخن چینی کرنے والے افراد کی طرف ہے۔

روایت میں ہے کہ ابن عباس سے جب پوچھا گیا کہ اس آیات سے کیا مراد ہے؟ وہ کون افراد ہیں جن کی اتنی خدمت ہوئی ہے؟

ابن عباس نے جواب دیا:

هُمُ الۡمَشاؤنَ بِالنَمِيمَةِ اَلۡمُفرِقُونَ بَيۡنَ الۡاَحِبَّةِ اَلناعِتُونَ لِلناسِ بِالۡعَيۡبِ.[1]

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو سخن چینی کرتے ہیں اور جو لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں اور لوگوں پر عیب لگاتے ہیں۔

مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں پہلی تفسیر کا ذکر کیا ہے اور فخر رازی نے ساتویں اور آخری تفسیر آیات کے لئے ذکر کی ہے، خداوند عالم نے ایسے افراد کے لئے حامیہ کی سزا کا وعدہ دیا ہے یعنی بھڑکتی ہوئی اور شعلہ ور آگ جو انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی آگ کے برعکس دوزخ کی آگ پہلے انسان کے اندرونی حصے جیسے دل وغیرہ

---

[1] الخصال/ ج ۱/ 183/ فی السؤال ثلاث خصال وشر الناس ثلاثة ..... ص: 182

کو جلائے گی اور پھر باہر والے حصے کو جلائے گی اور یہ شاید اس لئے ہو کہ انسان کے برے اعمال کا سبب انسان کا اندرونی حصہ ہے۔

دوسری آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہوا خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ۔

اور تم (کہیں) ایسے کے کہنے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھاتا ہو ذلیل اوقات عیب جو اعلیٰ درجہ کا چغل خور، نیکی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، تندمزاج اور اس کے علاوہ بدذات (حرام زادہ) بھی ہو۔

اس بری صفت کے بعد دوسری آیات میں ایک اور بری صفت کا ذکر ہوتا ہے جسے نیکی سے منع کرنا، حق سے تجاوز کرنا کینہ رکھنا، غصہ اور آیات الٰہی کا انکار کرنا، خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ۔

اور تم (کہیں) ایسے کے کہنے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھاتا ہے۔

آیات الٰہی کا اشکار کرنا اس صفت کے ردیف میں ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ بڑی بری صفت ہے۔

مشاء بنیم مبالغہ کا صیغہ ہے اور ان افراد کی طرف اشارہ ہے جو ہمیشہ ایک دوسرے سے بدبین، سخن چین اور لوگوں کے دلوں میں عداوت و دشمنی ڈالتے ہیں۔

یہ ایک گناہان کبیرہ ہے حلاف اس شخص کو کہتے ہیں جو زیادہ قسمیں کھانے والا ہو، یہ اکثر وہ افراد ہیں جن پر لوگوں کا اعتماد نہیں ہوتا اور نہ انہیں اپنے آپ پر اعتماد ہوتا ہے۔ ان کی دوسری صفت مھین یعنی پست اور گھٹیا جو دوسروں پر عیب لگاتے ہیں۔ ہمیشہ سخن چینی کرتے ہیں اور فساد برپا ہوتا ہے لوگوں میں الفت ومحبت کی بجائے ایک دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح خود لوگوں کی نظروں سے گرے ہوئے ہیں دوسروں کو بھی ایسا دیکھنا چاہتے ہیں۔

تیسری آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو ایک گروہ سمیت بنی مصطلق سے زکوٰۃ لینے بھیجا۔ جب اس قبیلہ نے یہ سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمائندہ آرہا ہے تو وہ استقبال کے لئے آئے ولید نے یہ سوچا کہ وہ ہمیں قتل کرنے آرہے ہیں لہٰذا وہ سیدھا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا

اور ماجرا سنایا کہ وہ زکوۃ نہیں دیتے بلکہ وہ جنگ پر اتر آئے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

لوگ بھی ان سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو دستور دیا گیا کہ جب کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ کو تحقیق کے لئے روانہ کیا، تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہو گیا قبیلہ بنی مصطلق اسلام سے وفا دار ہے اور ان کی طرف سے کوئی بغاوت نہیں ہے۔ جب یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا:

اَلتَّاَنِّیْ مِنَ اللهِ وَ الْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ.[۱]

تحقیق کرنا خدا کی طرف سے اور جلد بازی شیطانی عمل ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق مذکورہ آیت نمام کی طرف اشارہ ہے۔[۲]

اس تعبیر سے معلوم ہوا کہ نمام اور سخن چینی جھوٹے کلام کو بھی شامل ہے۔

چوتھی آیت کو بعض بزرگان دین جیسے علامہ مجلسی بحث نمیم میں لے آئے ہیں خداوند عالم فرماتا ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا.

جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے تو اس کو بھی اس کام کے ثواب سے کچھ حصّہ ملے گا۔

اور جو بُرے کام کی سفارش کرے تو اس کو بھی اسی کام کی سزا کا کچھ حصّہ ملے گا۔ اور خدا تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَمَرَ بِسُوءٍ اَوْ دَلَّ عَلَیْہِ اَوْ اَشَارَ فَھُوَ شَرِیْكٌ.[۳]

جو شخص بدی کی دعوت دیتا ہے یا اشارہ کرتا ہے وہ اس میں خود بھی شریک ہے۔

پانچویں آیت میں اصلاح ذات البین ہے جو سخن چینی کے مقابلے میں ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

---

[۱] سیرہ ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 308.

[۲] تفسیر قرطبی، جلد 9، صفحہ 613.

[۳] مستدرک سفینۃ البحار، جلد 10، صفحہ 152.

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

(اے رسولؐ) تم سے لوگ انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں تو تم کہہ دو کہ انفال مخصوص خدا اور رسولؐ کے واسطے ہے تو خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم سچے ایماندار ہو تو خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

اس آیت کی شان نزول میں ملتا ہے کہ جنگ بدر کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کے دوران انصار کے دو افراد کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گیا لہٰذا آیت نازل ہوئی اور خدا نے صراحت سے فرمایا کہ مال غنیمت کا اختیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو حاصل ہے اور اختلاف کرنے والوں کے درمیان آنحضورؐ صلح کرائیں۔

چھٹی آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

اور (تم مسلمانو) تم اپنی قسموں (کے حیلے) سے خدا (کے نام) کو (لوگوں کے ساتھ) سلوک کرنے اور خدا سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے کا مانع نہ ٹھہراؤ اور خدا (سب کی) سنتا اور (اور سب کو) جانتا ہے۔

اس کی تفسیر میں دو نظریے ہیں پہلا یہ کہ یہ آیت ان افراد کے بارے میں ہے جو کبھی دوسرے سے ناراض و غصہ میں آ کر یہ کہہ دیتے کہ ہم ان کے لئے کوئی کار خیر انجام نہیں دیں گے اور ان کے درمیان صلح کے لئے کو قدم نہیں اٹھائیں گے۔

آیت نازل ہوئی کہ یہ کام باطل اور بیہودہ ہیں اور کوئی چیز کار خیر اور صلح کے درمیان حائل نہیں ہے۔[1]

دوسری تفسیر یہ ہے کہ کار خیر انجام دینے، تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کے لئے قسم نہ کھاؤ کیونکہ ان کا موں کا رجحان اتنا واضح ہے کہ قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

بہر حال لوگوں میں صلح کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، اس آیت سے جو خیر و تقویٰ کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔

---

[1] اس تفسیر کے مطابق اس جملہ اَنْ تَبَرُّوا میں کلمہ «لا» مقدر ہے دراصل اَلَّا تَبَرُّوا... ہے، لفظ «عُرْضَه» اس جگہ معنی مانع ہے، لیکن بعد کی تفسیر میں معنی معرضیت ہے۔

ساتویں آیت میں سرگوشی کی گفتگو کا ذکر ہوا ہے۔اس سے دوسروں کو تکلیف ہوئی ہے اور سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔خداوند عالم فرماتا ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ

(اے رسولؐ) ان کے راز کی باتوں سے اکثر میں بھلائی (کا تو نام تک) نہیں۔

لیکن بلا فاصلہ فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ.

مگر (ہاں) جو شخص کسی کو صدقہ دینے یا اچھے کام کرنے یا لوگوں کے درمیان میں ملاپ کرانے کا حکم دے۔

آیت کے آخر میں ان امور میں رغبت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا.

اور جو شخص (محض) خدا کی خوشنودی کی خواہش میں ایسے کام کرے گا تو ہم عنقریب ہی اُسے بڑا اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

اس میں صدقہ اور معروف میں کیا فرق ہے۔بعض نے کہا کہ صدقہ ایسی چیز ہے جو مستحب اور بلاعوض ہو اور معروف کا معنی قرض الحسنہ ہے۔

بعض نے معروف کے مفہوم کو عام کہا جو تمام کار خیر کو شامل ہے لہٰذا صدقہ اور معروف کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول روایت میں ہے

اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى صَدَقَةٍ يُحِبُّهَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ؟ تُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ اِذَا تَفَاسَدُوْا وَتُقَرِّبُ بَيْنَهُمْ اِذَا تَبَاعَدُوْا.[1]

بہترین امور میں سے ایک یہ ہے لوگوں کے درمیان صلح کرائی جائے۔جو ایک دوسرے سے دور ہیں انہیں قریب لایا جائے۔

لہٰذا لوگوں میں اصلاح بطور مستقل ذکر بھی ہوا اور صدقہ کا مصداق بھی ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد 3، صفحہ 1955.

آٹھویں اور آخری آیت میں انبیاء میں سے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ وہ اپنے قیام کرنے ہدف اس طرح بیان کرتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

شعیب نے کہا اے میری قوم کیا تم یہ سمجھے ہو کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے (حلال) روزی کھانے کو دی ہے (تو میں بھی تمہاری طرح حرام کھانے لگوں) اور میں تو یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تم کو روکوں تمہارے برخلاف آپ اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے بن پڑے اصلاح کے سوا (کچھ اور) چاہتا ہی نہیں۔

یہ وہی ہدف ہے جو تمام انبیاء کا ہدف تھا جیسے اصلاح عقائد اصلاح اخلاق، اصلاح عمل اور اصلاح روابط اجتماعی بعض نے اصلاح کی تفسیر میں رکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں تمہاری دنیا کو عدالت اور آخرت کے لئے عبادت کی اصلاح کریں لیکن واضح ہے کہ اصلاح کا مفہوم وسیع ہے اور عدالت کے علاوہ عنوان کو بھی شامل ہے۔

پھر خداوند عالم فرماتا ہے:

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ.

اور میری تائید تو خدا کے سوا اور کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

دلچسپ یہ بات ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی گمراہ قوم سے کہا کہ وہ مالی و اخلاقی فساد میں غرق ہیں تو انہوں نے بتوں کی پوجا، کم فروشی، مالی فساد اور اپنی آزادی کے خلاف تھے اور کہتے تھے تم ایک سمجھ دار اور عاقل انسان ہو لہٰذا تم سے بعید ہے۔ اگر چاہتے ہو تو ہمارے لئے فکری و عملی آزادی کو واپس لے لیں گویا وہ لوگ بھی آج کل ہمارے کچھ افراد کی مانند تھے جو آزادی کے معنی سے بے خبر ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ آزادی ایک افتخار اس وقت ہے جب حدود کے اندر ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میرا ہدف حقیقی اصلاح کرنا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ قوم شعیب آپ کو ایک عاقل انسان کہتے تھے اور دوسرا کہ حلیم یعنی رشید بردبار سمجھتے تھے

لیکن جب حضرت شعیب علیہ السلام ان کے عقائد و مال کی فسادی حالت کو روکنا چاہا تو ان کی قوم مخالف ہوگئی۔

مجموعہ آیات سے دو نکات واضح ہوجاتے ہیں کہ نمام اورسخن چینی سے لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوتا ہے یہ ایک گناہان کبیرہ میں سے ہے اور دوسرا صلح و اصلاح جو اہم الٰہی فریضہ ہے۔

روایات میں سخن چینی

سخن چینی اجتماعی زندگی میں بدترین صفت ہے جو معاشرے کو خراب کر دیتی ہے۔اس کے کئی اسباب ہیں حتیٰ کہ خون ریزی ہوتی ہے روایات میں اس کی نہی کی گئی ہے۔اب ان روایات کو لاتے ہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا:

اَلا اُنَبِّئُکُمۡ بِشِرارِکُمۡ.

کیا تمہیں بدترین افراد سے آگاہ کروں۔

اصحاب نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہؐ!

آپؐ نے فرمایا:

اَلۡمَشّائُونَ بِالنَّمِیمَةِ وَ الۡمُفَرِّقُونَ بَیۡنَ الۡاَحِبَّةِ اَلۡباغُونَ لِلۡبُراٰءِ الۡمَعایِب.

[۱]

یہ وہ افراد ہیں جو سخن چینی کرتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور نیک لوگوں پر عیب لگاتے ہیں۔

نمیمہ دراصل آہستہ آواز کو کہتے ہیں اور سخن چینی کرنے والے افراد بھی عام طور پر آہستہ اور سرگوشی کرتے ہیں۔[۲]

---

[۱] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 616.

[۲] اقتباس از مفردات راغب (واژہ نمیمہ).

بعض نے لکھا ہے نمیمہ دراصل جھوٹے کے کلام کو زینت کے معنی میں ہے کیونکہ سخن چین افراد اپنے کلام کو جھوٹ کے ساتھ سجا کر پیش کرتے ہیں۔[۱]

اسی معنی کی روایت حضرت علی علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے۔[۲]

۲۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ مُحَرَّمَةٌ عَلَی الْقَتَّاتِینِ الْمَشَّائِینَ بِالنَّمِیمَةِ.[۳]

جنت قتات افراد پر حرام ہے۔

"قتات" "قت" بروزن "شط" کے وزن پر ہے۔ اس کا اصل معنی جھوٹ بولنا ہے۔ خواہ سخن چینی ہو یا نہ ہو خدا "قتات" اسے کہتے ہیں جو لوگوں کے مخفی رازوں سے دوسروں کو آگاہ کرتا پھرے تاکہ لوگوں میں فساد ہو۔

بعض روایات اور لغت کی کتب میں قتات اور غام دونوں کا ایک معنی آیا ہے۔

۳۔ ایک اور حدیث میں ابوذر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

یَا اَبَاذَرٍّ صَاحِبُ النَّمِیمَةِ لَا یَسْتَرِیحُ مِنْ عَذَابِ اللهِ فِی الْاٰخِرَةِ.[۴]

سخن چینی کرنے والا شخص روز قیامت عذاب الٰہی سے نجات نہیں پائے گا۔

۴۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا کہ آپؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

وَمَنْ مَشٰی فِی نَمِیمَةٍ بَیْنَ اِثْنَیْنِ سَلَّطَ اللهُ عَلَیْهِ فِی قَبْرِهٖ نَارًا تُحْرِقُهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ.[۵]

جو شخص دو افراد کے درمیان سخن چینی کرے تو خداوند عالم اس کی قبر پر آگ کو مسلط کرے گا جو روز قیامت تک جلاتی رہے گی۔

۵۔ ایک روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے:

---

[۱] اقتباس از لسان العرب (واژہ نمیمہ).

[۲] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 617.

[۳] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 617.

[۴] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 617. ح۔ ۴

[۵] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 618، حدیث 6.

ایک سال بنی اسرائیل سخت قحط وخشک سالی میں مبتلا تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند بار نماز استسقاء پڑھی لیکن کی دعا مستجاب نہ ہوئی خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی: میں تری اور تیرے ساتھ آنے والے افراد کی دعا کو قبول نہیں کروں گا۔ کیونکہ ان میں سے ایک سخن چین فرد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدایا! وہ شخص کون ہے؟ تاکہ ہم اس کو اپنے درمیان دور کریں۔

خداوند عالم نے فرمایا: اے موسیٰ میں جو سخن چینی سے منع کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ میں خود نمام بنو! اور لوگوں کے گناہوں کو فاش کرو۔ اس کے سب نے توبہ کی جن کے بعد اللہ رحمت یعنی بارش نازل ہوئی۔[۱]

۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَرْبَعَةٌ لا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ اَلْكَاهِنُ وَ الْمُنَافِقُ وَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ الْقَتَّاةُ وَ هُوَ النَّمَّامُ.[۲]

چار گروہ ایسے ہیں جو جنت میں نہیں جاسکتے۔ نجومی وکاہن منافق، مشروب پینے والا اور نمام

۷۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلنَّمامُ جِسْرُ الشَّرِّ.[۳]

سخن چینی کرنے والا شخص شر کی پل ہوتا ہے۔

۸۔ ایک اور جگہ آپؑ نے فرمایا:

لا تَجْتَمِعُ اَمانَةٌ وَ نَمِيمَةٌ.[۴]

امانت داری اور غامت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔

سخن چینی کرنے والا خائن ہوتا ہے۔

۹۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 276.

[۲] وسائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 619، حدیث 11 (باب تحریم النمیمہ).

[۳] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 279.

[۴] غرر الحکم، حدیث 10581.

اِنَّ اَحَبَّکُمۡ اِلَی اللهِ الَّذِینَ یُؤَلِّفُونَ وَ یَأۡلِفُونَ وَ اِنَّ اَبۡغَضَکُمۡ اِلَی اللهِ اَلۡمَشّائُونَ بِالنَّمِیمَةِ، اَلۡمُفَرِّقُونَ بَیۡنَ الۡاِخۡوانِ۔[1]

تم میں سے خدا کے نزدیک محبوب ترین افراد وہ ہیں جو لوگوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرتے ہیں اور خود بھی الفت ومحبت کو پسند کرتے ہوں۔مبغوض ترین افراد تم میں سے خدا کے نزدیک وہ افراد ہیں جو سخن چینی کرتے ہیں اور لوگوں میں جدائی ڈالتے ہیں۔

ان احادیث کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ سخن چینی کرنا گناہان کبیرہ میں سے ہے اور بہت ہی خطرناک اور نقصان کا باعث ہے۔ دنیا وآخرت دونوں خراب ہوتی ہیں۔ جو لوگ اس گناہ میں مبتلا ہوجائیں اور لوگوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہوں وہ ہرگز جنت میں نہیں جائیں گے مگر یہ کہ توبہ کریں۔

سخن چینی کے آثار

ہم بار بار بیان کرچکے ہیں ایک معاشرے کا اصلی سرمایہ اعتماد اور اطمینان ہے جو آپس میں اعتماد کرتے ہیں اعتماد سے ہماری صفوں میں اتحاد پیدا ہوگا۔اسلام نے حفظ اعتماد کی بڑی تاکید کی ہے کیونکہ یہ وحدت کا سبب ہے اور جس چیز سے وحدت میں خلل آئے وہ حرام ہے۔ بے شک سخن چینی کرنا تفرقہ کا ایک اہم عامل ہے لوگوں میں بدبینی پیدا ہوتی ہے۔معاشرہ عداوت ودشمنی کا شکار ہوجاتا ہے۔اسی لئے معاشرے میں سخن چینی کرنے والے افراد شریر ترین افراد شمار ہوتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِیّاکُمۡ وَ النَّمائِمَ فَاِنَّها تُورِثُ الضَّغائِنَ۔[2]

سخن چینی سے پرہیز کرو کیونکہ یہ کینہ اور دشمنی کا سبب ہے۔

آپؑ سے ایک روایت ہے جس میں فرماتے ہیں:

---

[1] غرر الحکم، حدیث 10581.

[2] بحار الانوار، جلد 68، صفحہ 293، حدیث 63.

اِيّاكَ وَ النَّمِيمَةَ فَاِنَّهَا تَزْرَعُ الضَّغِينَةَ وَ تُعَبِّدُ عَنِ اللهِ وَ النّاسِ.[1]

سخن چینی سے بچو کیوں کہ یہ عداوت و دشمنی کا سبب ہے اور انسان خدا اور لوگوں سے دور ہوجاتا ہے

بعض روایات میں کلمہ "شحناء" استعمال ہوا ہے جس میں وہی معنی عداوت و دشمنی ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ سخن چینی کرنے والے افراد بدترین مخلوق ہے کیونکہ یہ دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور نیک لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

اس کے علاوہ سخن چینی کرنے والا معاشرے میں مردود انسان شمار ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کی بات سنتے ہیں وہ بعد میں پشیمان ہوتے ہیں اور جدائی ڈالنے والوں پر لعنت کرتے ہیں۔ لوگ سخن چینی کرنے والوں میں مشہور ہوجاتے ہیں۔ سخن چینی کرنے والا خدا اور مخلوق خدا دونوں سے دور ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے سخن چینی کرنے والے کو جادوگر سے تشبیہ دی ہے کہ وہ دوستوں کے درمیان جادو کرتا ہے اور جدائی ڈالتا ہے آپؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ السِحْرِ اَلنَّمِيمَةِ يُفَرِّقُ بِهَا بَيْنَ الْمُتَحَابِينَ وَ يَجْلِبُ الْعِدَاوَةَ عَلَى الْمُتَصَادِقِّينَ وَ يَسْفِكُ بِهَا الدِّمَاءَ وَ يَهْدِمُ بِهَا الدُّورَ وَ يَكْشِفُ بِهَا السُّتُورَ. وَالنَّمَامُ اَشَرُّ مَنْ وَطَأَ عَلَى الْاَرْضِ بِقَدَمِ.[2]

جادو میں سے ایک بڑا جادو سخن چینی ہے کہ جن سے دو دوستوں کے درمیان جدائی ہوجاتی ہے۔ ان کے درمیان دشمنی پیدا ہوتی ہے اور خون بہانا اور آبادیوں کا ویران ہونے کا باعث ہے۔ سخن چین شخص زمین پر قدم رکھنے والا بدترین شخص ہے۔

البتہ سخن چینی جادو نہیں لیکن اس میں جادو کے آثار پائے جاتے ہیں لہٰذا امام نے فرمایا کہ یہ ایک سحر ہے قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ سخن چینی جڑے ہوئے دلوں کو توڑ دیتی ہے، ممکن ہے کہ دو دوست چالیس سال سے دوست ہوں لیکن اس سے ایک دن میں وہ دوستی ختم ہوجائے اور جدائی کا باعث ہو۔ ایک ڈیم بنانا مشکل ہوتا ہے کئی سال لگتے ہیں تا کہ پانی ذخیرہ کیا جا سکے لیکن اسے خراب کرنا دیر نہیں لگتی ایک بم رکھ کر پھاڑ دیں تو پورا ڈیم ویران ہوجائے گا۔

---

[1] غرر الحکم، حدیث 2663.

[2] بحار الانوار، جلد 60، صفحہ 21، حدیث 14.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلساعِی قاتِلُ ثَلاثَۃ قاتِلُ نَفْسِہِ وَ قاتِلُ مَنْ یُسْعی بِہِ وَ قاتِلُ مَنْ یُسْعی اِلَیْہِ.[1]

سخن چینی کرنے والا شخص اپنا قاتل بھی ہے اور اس کا قاتل بھی ہے جس پر وہ سخن چینی کرتا ہے اور ان لوگوں کا بھی قاتل ہے جن کے سامنے وہ سخن چینی کرتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ بعض لوگ بادشاہ یا کسی وزیر کے سامنے سخن چینی کرے جو بعد قتل کا سبب بنے۔

یاد رہے کہ بعض مفسرین نے "سعایت" اور "نمام" کا ایک ہی معنی لکھا ہے حالانکہ ان دو کلمات کے معانی میں فرق پایا جاتا ہے۔ "نمام" سخن چینی کرنے والا وہ شخص ہے جو دو دوستوں، دو رشتہ داروں یا دو کلاس فیلو کے درمیان جدائی ڈالتا ہے۔ لیکن روایت میں "سعایت" کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص بڑے شخص کے سامنے بدگوئی کرے جس سے اس شخص کی جان و مال یا کام میں اس کے لئے خطرہ ہو۔

روایات میں "سعایت" کے ساتھ سلطان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

سخن چینی کے اسباب

یہ بری صفت دوسری برائیوں کی مانند ایک بہت بری بیماری ہے اور دوسری بری صفات سے مربوط بھی ہے جیسے حسد ہے حاسد شخص دوسروں کی زندگی کو نہیں دیکھ سکتا۔ لوگوں میں الفت ومحبت یا ایک بااخلاق خاندان یا میاں بیوی کی محبت کو برداشت نہ کرنا۔ وہ موقع پا کر سخن چینی کے ذریعے سب میں جدائی دال سکتا ہے۔

دنیا پرستی دوسرا سبب سخن چینی ہے کیونکہ دنیا پرست شخص دوسروں میں اختلافات ڈالتا ہے۔

وہ ہر موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سخن چینی کے ذریعے ہمیشہ جدائی ڈالنا پسند کرتا ہے۔

سخن چینی کا ایک اور سبب نفاق ہے خداوند عالم منافقین کے بارے میں فرماتا ہے:

---

[1] خصال (مترجم) شیخ صدوق، صفحہ 122 (باب الثلاثۃ).

اَلاَ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُوْنَ.[۱]

ہاں! ان کا نام ہی فساد ہے جس طرح ممکن ہو فساد کریں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

عَلاَمَةُ النِّفَاقِ اَلْحَثُّ عَلَى الَّنمِيمَةِ.[۲]

نفاق کی ایک نشانی یہ ہے سخن چینی پر اصرار کیا جائے۔

خیر خواہ بن کے آتا ہے اور بدگوئی کر کے جاتا ہے، اپنا زہر آلود کلام کر کے ہی رہتا ہے۔ ایسا شخص دوغلا اور منافق ہوتا ہے اس کا ہدف اختلاف پیدا کرنا ہوتا ہے۔ معاشرے میں کشمکش ہوتی ہے۔

بعض روایات میں نطفہ ناپاک ہونا بھی ایک عامل سخن چینی شمار ہوا ہے۔ البتہ یہ زمین ہموار کرتا ہے لیکن انسان کو مجبور نہیں کرتا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلسَّاعِي بِالنَّاسِ اِلَى النَّاسِ لِغَيْرِ رُشْدِهِ.[۳]

جو شخص دوسروں پر سخن چینی کرتا ہے وہ راہ راست پر نہیں ہوتا۔ بعض تفسیر کے مطابق

جملہ

لِغَيْرِ رُشْدِهِ.

یعنی

لَيْسَ بِوَلَدِ حَلاَل

یعنی ایسا شخص حلال زادہ نہیں ہوتا۔

سخن چینی کا ایک اور عامل جھوٹ ہے، جھوٹا شخص ایک آدمی اور دوسرے آدمی کے درمیان اپنے جھوٹ کے ذریعے فساد پیدا کرتا ہے تاکہ ان کے درمیان اختلاف ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَمَّا عَلاَمَةُ الْكَذَّابِ فَاَرْبَعَةٌ...اِنْ قَالَ لَمْ يَصْدُقْ وَاِنْ قِيلَ لَهُ لَمْ يُصَدِّقْ

---

[۱] بقرہ، آیہ 12.

[۲] بحارالانوار، جلد 69، صفحہ 207، حدیث 8.

[۳] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 270.

وَالنَّمِيمَةُ وَالْبُهْتُ.[1]

جھوٹے شخص کی چار نشانیاں ہیں۔ جب بھی بات کرتا ہے سچ نہیں بولتا اگر اسے کوئی بات کہی جائے تو وہ تصدیق نہیں کرتا، سخن چینی کرتا ہے اور بہتان لگاتا ہے۔

علاج کے طریقے

اس بیماری کا مقابلہ کرنا اور اسے جڑ سے اکھاڑنے کے لئے پہلے ہمیں احباب کو تلاش کرنا ہوگا تاکہ عوامل اصلی جیسے حسد، دنیا پرستی نفاق اور انتقام جوئی جب تک نہ ختم ہوں یہ بیماری ختم نہیں ہوتی۔ ممکن محکم ارادے اور عزم سے کچھ محدود ہو جائے لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔

بہت سے اخلاقی رذائل ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور ایک دوسرے پر تاثیر گزار ہیں۔

سخن چینی کے برے نتائج اور آثار سے عبرت حاصل کرنی چاہیے انہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ باایمان افراد سے تعلقات رکھیں تاکہ اس بری بیماری سے بچ سکیں۔ اس بیماری سے بچنے کا ایک عامل نیک افراد کی محفل ہے۔ برے لوگوں کی محفل سے انسان برا ہو سکتا ہے۔ سخن چینی افراد کے خریدار کم ہوتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَكْذِبِ السِّعَايَةَ وَالنَّمِيمَةَ بَاطِلَةً كَانَتْ اَوْ صَحِيحَةً.[2]

سخن چینی کی تکذیب کرو خواہ باطل ہو یا صحیح۔

اگر جھوٹ ہو تو اس کی تکذیب کرو اور اگر سچ ہو تو اعتماد نہ کرو۔ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام کو خط لکھا جس میں کسی کی سخن چینی کی گئی تھی۔

امام نے اس سے فرمایا:

اِنْ كُنْتَ صَادِقاً مَقَتْنَاكَ وَاِنْ كُنْتَ كَاذِباً عَاقَبْنَاكَ وَ اِنْ اَحْبَبْتَ

---

[1] بحارالانوار، جلد 1، صفحہ 122.

[2] غررالحکم، حدیث 2442.

الْقِيلَةَ اَقَلْنَاكَ بَلْ تُقِيلُنِي يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِين.[۱]

جو کچھ تو نے لکھا ہے اگر سچ ہے تو ہم تجھ سے ناراحت ہیں اور اگر جھوٹ کہا ہو تو تجھے سزا دیں گے اور اگر تو نے توبہ کی تو تیری توبہ قبول کرتے ہیں۔

اس مرد نے عرض کیا: اے امیر المومنین میری توبہ قبول فرمائیں۔

یادرہے کہ جن افراد کی تو آج سخن چینی کررہا ہے کل وہ تیری سخن چینی کریں گے۔

ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی کہ آپؑ نے فرمایا:

وَمَنْ نَمَّ اِلَيْكَ سَيَنُمُّ عَلَيْكَ.[۲]

جو شخص تیرے پاس سخن چینی کرتا ہے وہ تیرے خلاف بھی سخن چینی کرسکتا ہے۔

آخری نکتہ یہ ہے کہ اکثر اس قسم کی بیماری کی وجہ ضعیف الایمان ہوتا ہے۔ جتنا ایمان محکم ہوگا اتنی بیماری کم ہوگئی۔

مواردِ استثناء

سخن چینی کا حرام اور گناہان کبیرہ میں سے ہو تو مسلم ہے۔ مسلم اخلاق میں اس کی بڑی مذمت ہوئی ہے۔ بعض مقامات پر یہ جائز ہے لیکن وہ شاذ و نادر مواقع ہیں جہاں پر یہ عمل انجام دینا جائز ہو۔ باقی امور میں بعض مقامات پر جواز ہے لیکن اس میں بہت کم مواقع ہیں جہاں جواز ہو۔ جن مقامات پر جائز ہے وہ یہ ہیں کہ اگر الگ گروہ کسی کو قتل کرنا چاہیں یا اس کی جان و مال و آبرو کو خطرہ لاحق ہو تو ایسے مقامات پر سخن چینی نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مستجاوز قبطی شخص کو قتل کیا تو بعد میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا:

اِنَّ الْمَلَاَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ اِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِين.[۳]

---

[۱] میزان الحکمۃ، جلد 4، حدیث 20685۔ بحار الانوار، جلد 72، صفحہ 270 میں بھی اس کی مثل حدیث آئی ہے۔

[۲] بحار الانوار، جلد 75، صفحہ 230.

[۳] قصص، آیہ 20.

بعض اوقات سچی یا جھوٹی سخن چینی سے دشمن میں اختلاف ڈالا جاسکتا ہے،

یہ وہ مقام ہے جہاں سخن چینی جائز یا واجب ہے۔ جنگ احزاب میں نعیم بن مسعود نامی شخص نے دشمنان اسلام کے دوگروہوں کے درمیان اختلاف ڈالا جس سے وہ ایک دوسرے سے بدبین ہوگئے اور جنگ کی طاقت کمزور پڑ گئی تھی ایسے مقامات کو دیکھ کر بہانہ بنانا اور سخن چینی کو جائز سمجھ لینا جائز نہیں ہے۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَعۡجَلَنَّ اِلٰی تَصۡدِیۡقِ وَآش وَاِنۡ تَشَبَّهَ بِالنّاصِحِیۡن.[2]

سخن چینی کرنے والے افراد میں تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو اگر چہ اپنے آپ کو خودخواہ لباس میں ظاہر کیا ہو۔

صلح کرنا (اصلاح ذات البین)

سخن چینی کے مقابلے میں صلح کرنا ہے۔ ایک شخص ان دو افراد کے درمیان صلح کرائے جن میں اختلاف پایا جاتا تھا یہ علم اخلاق میں بہترین فضیلت ہے۔ آیات و روایات میں بھی اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ آیات کے ذکر کے بعد روایات کو ذکر کرتے ہیں جن میں اس اہم موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ مَشٰی فِی صُلۡحِ بَیۡنَ اِثۡنَیۡنِ صَلّٰی عَلَیۡهِ مَلَائِکَةُ اللهِ حَتّٰی یَرۡجِعَ وَ اُعۡطِیَ ثَوَابَ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ.[3]

جو شخص دو افراد کے درمیان صلح کرانے کے لئے قدم اٹھاتا ہے، آسمان کے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں، اس کے واپس آنے تک، اور اسے شب قدر کا ثواب ملتا ہے۔

---

[1] تفسیر نمونہ جلد 17، صفحہ 259، ذیل آیہ 25 سورہ احزاب

[2] غررالحکم، شمارہ 10327.

[3] وسائل الشیعہ، جلد 13، صفحہ 163، حدیث 7.

۲۔ ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام اپنے بیٹوں امام حسن و حسین علیہما السلام کو وصیت کرتے ہیں صلح کرانے کو ترک نہ کرنا اور فرمایا:

فَإِنِّي سَمِعْتُ جَدَّكُما (صلى الله عليه وآله) يَقُولُ صَلاحُ ذاتِ الْبِينِ أَفْضَلُ مِنْ عامَّةِ الصَّلاةِ وَ الصِّيامِ.[۱]

لوگوں میں صلح کرانا تمام روزوں اور نمازوں سے افضل ہے۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلا اُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيامِ وَ الصَّلاةِ وَالصَّدَقَةِ إِصْلاحُ ذاتِ البينِ فَإِنَّ فِسادَ ذاتِ البينِ هِيَ الْحالِقَةُ.[۲]

کیا تمہیں خبر دوں ایسی چیز کی جو نماز، روزہ اور صدقے سے بھی بہتر ہے وہ لوگوں میں صلح کرانا ہے کیونکہ لوگوں میں فساد ان کی تمام چیزوں کو ختم کر لیتا ہے۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

صَدَقَةٌ يُحِبُّها اللهُ إِصْلاحُ بَيْنَ النّاسِ إِذا تَفاسَدُوا وَتَقارُبُ بَيْنَهُمْ إِذا تَباعَدُوا.[۳]

وہ صدقہ جس کو اللہ دوست رکھتا ہے ہو لوگوں میں صلح کرانا ہے جب لوگوں میں رابطہ ٹوٹ جائے تو ان کو قریب کرنا جب وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں۔

اگر ہمارے شیعہ کے دو افراد میں ناراضگی دیکھو تو میرے والی رقم سے ان کے درمیان صلح کراؤ۔

۵۔ امام صادق علیہ السلام نے عمر بن مفضل سے فرمایا:

إِذا رَأَيْتَ بَيْنَ اثْنَيْنِ مِنْ شِيعَتِنا مُنازِعَةً فَافْتَدِها مِنْ مالِي.[۴]

جب بھی ہمارے شیعہ کے درمیان اختلاف ہوں ان کی صلح کے لئے خرچ کرنا۔

---

[۱] نہج البلاغہ، نامہ 47.

[۲] میزان الحکمہ، جلد 2، حدیث 10517.

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 209، حدیث 1.

[۴] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 209، حدیث ۳.

ابوحنیفہ سابق الحج کہتے ہیں کہ مجھ میں اور میرے داماد میں میراث کے معاملہ میں جھگڑا ہوگیا اتفاقاً مفضل وہاں سے گزر رہا تھا۔تھوڑا سا کھڑا ہوا اور پھر کہنے لگا،تم دونوں گھر میں آنا، ہم وہاں گئے اور اس نے چار سو درہم دونوں کو دے کر ہمارے درمیان اختلاف حل کر دیا۔ اور پھر ہم سے کہا: یہ میرا مال نہ تھا بلکہ یہ مال امام صادق علیہ السلام کا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہوا تھا کہ جب بھی ہمارے شیعہ کے درمیان اختلاف ہوں ان کی صلح کے لئے خرچ کرنا۔[۱]

۶۔ اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِاَيْمَانِكُمْ.

امامؑ نے فرمایا:

اِذا دُعِيتَ لِصُلحٍ بَيْنَ اِثْنَيْنِ فَلا تَقُلْ عَلَيَّ يَمِينِی اَنْ لا اَفْعَلَ.[۲]

جب تمہیں دو افراد کے درمیان صلح کرانے کے لئے کہا جائے تو یہ مت کہو میں نے ایسا کرنے سے قسم کھا رکھی ہے اس قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی صلح کرانے کے دوران مشکلات پیش آئیں اور صلح کرانے سے قسم کھانے کا کوئی اعتبار نہیں ایسی قسم شرعی نہیں تا کہ کفارہ دینا پڑے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنِ اِسْتَصْلَحَ الْاَضْدادَ بَلَغَ الْمُرادَ.[۳]

جو شخص دو مخالف کے درمیان صلح کراتا ہے وہ اپنے ہدف کو پہنچ جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں اضداد سے مراد فلسفی اضداد نہیں بلکہ اضداد عرفی مراد ہے کیونکہ اضداد فلسفی جمع نہیں ہوسکتی۔

اس حدیث کی ایک اور تفسیر بھی ہے کہ اگر دو مختلف افکار کے گروہوں کے درمیان صلح کرائے وہ معاشرے میں اپنے ہدف کو پہنچ جاتا ہے۔

۸۔ صلح کرانے کی اتنی اہمیت ہے کہ اس میں جھوٹ بول سکتے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 209، حدیث ۴.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 210، حدیث 6.

[۳] غرر الحکم، حدیث 8043.

اَلْكَلامُ ثَلاثَةٌ صِدْقٌ وَ كِذْبٌ وَ اِصْلاحٌ بَيْنَ النّاسِ قيلَ لَهُ جُعِلْتُ فِداكَ ما الْاِصلاحُ بَيْنَ النّاسِ.

قالَ تَسْمَعُ مِنَ الرَّجُلِ كَلاماً يَبْلُغُهُ فَتَخْبُثُ نَفْسُهُ فَتَلْقاهُ فَتَقُولُ سَمِعْتُ مِنْ فُلانٍ قالَ فيكَ مِنَ الْخَيْرِ كَذا وَ كَذا خِلافُ ما سَمِعْتَ مِنْهُ.[۱]

کلام تین قسم کی ہوتی ہے۔

۱۔ سچی کا جھوٹی ۲۔لوگوں میں صلح

کسی عرض کیا: قربان جاؤں ''بین الناس'' سے مراد کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو کسی شخص سے اس کا کلام سنتا ہے کہ اگر وہ آدمی جس کے بارے میں کلام ہو وہ سن لے تو ناراض ہوجائے تو ایسی صورت میں اگر تو اس شخص سے ملاقات کرتا ہے کہ یہ کہہ کر کہ فلاں آدمی تیری تعریف کررہا تھا۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کلام میں اگرچہ صرف اور لغت میں جھوٹ ہے لیکن صلح کرانے کے مقصد سے جائز ہے۔ تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں پھر کہتے ہیں ایسے موارد میں توریہ کرنا واجب نہیں اگرچہ توریہ کرسکتا ہے۔[۲]

بے شک کلام دو قسم کے ہیں:

۱ یا واقع کے مطابق ہوتا ہے

۲ یا واقع کے خلاف۔

پہلی قسم کو صدق اور دوسری کو کذب کہا جاتا ہے۔ خلاف واقع کی پھر دو قسمیں ہیں یا باعث فساد یا موجب اصلاح ہے۔ امام نے ان دو کو جدا ذکر کیا اور اصلاح کو چوتھی قسم شمار کیا۔

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 341، حدیث 16.

[۲] بحار، جلد 9، صفحہ 251، حدیث 19.

لوگوں میں صلح کرانا

لوگوں میں صلح کرانا ایک پیچیدہ کام ہے خصوصاً جن لوگوں میں عداوت و دشمنی ہو اور کینہ پایا جاتا ہو۔ بڑی دقت سے کام لینا چاہیے۔ انسان کی نفسیات کے مطابق اس سے پیش آنا چاہیے، ایسا طریقہ اپنانا چاہیے جو مؤثر بھی ہو۔

۱۔ سب سے پہلے اختلاف کے سبب کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اگر سبب معلوم نہ ہو علاج کرنا مشکل ہوجاتا ہے لیکن اختلاف کا ریشہ معلوم سے جلد صلح ہوتی ہے۔

۲۔ صلح کرانے میں جلدی کی جائے۔

۳۔ صلح کراتے وقت ہر دو کی شخصیت کی خیال رکھا جائے۔ پارٹی بازی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۴۔ صلح کرانے والے شخص میں ایثار کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ اگر کچھ دینا پڑے تو قربانی دینے سے دریغ نہ کرے۔

۵۔ صلح کرانے والا شخص کسی کی طرف داری نہ کرے بلکہ اپنے آپ کو ثالث سمجھ کر فیصلہ کرے تا کہ صلح ہوجائے۔

۶۔ صلح کرانے شخص با حوصلہ اور صابر ہونا چاہیے۔ مایوسی کا اظہار نہ کرے۔ بعض مسائل دقت طلب ہوتے ہیں اور دیر لگتی ہے۔

آخر میں ہم ایک داستان بیان کرتے ہیں، مرحوم مجلسیؒ بعض سے نقل کرتے ہیں کہ

پہلے زمانے میں ایک شخص کے پاس غلام تھا جو بیچنا چاہتا تھا۔ خریدار سے مالک نے کہا کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے اور صرف سخن چینی کرتا ہے خریدار نے اس عیب کو معمولی سمجھا اور خرید لیا۔ جب غلام مالک کے گھر آیا تو شیطانی حرکات کرنے لگا، مالک کی بیوی سے کہتا ہے کہ تیرا شوہر تجھے دوست نہیں رکھتا اور وہ دوسری بیوی کی تلاش میں ہے۔

میں تجھے بلیڈ دیتا ہوں اور تو اس کے سر کے کچھ بال کاٹ ڈال تا کہ میں اس پر جادو

کروں جس سے وہ مجھ سے محبت کرے گا۔ پھر وہی غلام بیوی کے شوہر کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری بیوی نے اپنا یار بنا رکھا ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے اگر تو نہیں مانتا ہے تو امتحان کر کے دیکھ لے یعنی اپنے آپ کو سونے کی حالت میں بنا لے۔

مرد رات کو سوتا ہے اور اچانک محسوس کرتا ہے کہ کوئی اس کے سر کے بال کاٹ رہا ہے۔اب مرد نے سمجھا کہ اس کی بیوی اسے قتل کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا اٹھتا ہے اور بیوی کو قتل کر دیتا ہے۔عورت کے قبیلہ کو خبر ملی وہ آئے اور انہوں نے مرد کو قتل کر دیا اس کے بعد دو قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور کئی لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ نتیجہ آپ نے پڑھا ایک سخن چینی والے حضرت کا۔

۱۲۔ حسن ظن وسوئے ظن

معاشرے کی ایک بیماری بدگمانی ہے۔ یہ ایک انسان کی اندرونی حالت ہوتی ہے جس سے خاندانوں میں چھوٹ پڑ جاتی ہے۔

بدگمانی کا پہلا سبب عدم اعتماد ہے۔ اگر اعتماد ختم ہوجائے تو معاشرہ ایک جہنم بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے اعتماد کی بڑی تاکید کی ہے اور بدگمانی کو سختی سے منع کیا گیا اب ہم ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جو حسن ظن اور سوئے ظن پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ [1]

اے ایماندارو! بہت سے گمانِ (بد) سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم تو

---

[1] حجرات:12

ضرور اس سے نفرت کرو گے اور خدا سے ڈرو بے شک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

۲۔ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا۔[۱]

(یہ فقط تمہارے حیلے ہیں) بات یہ ہے کہ تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ رسولؐ اور مومنین ہرگز کبھی اپنے لڑکے بالوں میں پلٹ کر آنے ہی کے نہیں (اور سب مار ڈالے جائیں گے) اور یہی بات تمہارے دلوں میں کھپ گئی تھی اور (اسی وجہ سے) تم طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے تھے اور (آخر کار) تم لوگ آپ برباد ہوئے۔

۳۔ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔[۲]

اور منافق مرد اور منافق عورتیں اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں پر جو خدا کے حق میں بُرے بُرے خیال رکھتے ہیں عذاب نازل کرے ان پر (مصیبت کی) بڑی گردش ہے۔ اور خدا ان پر غضب ناک ہے اور اُس نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ کیا بُری جگہ ہے۔

۴۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔[۳]

جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے آپڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی پل گئے اور جس وقت (ان کی کثرت سے) تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں اور (خوف سے) کلیجے منہ کو آگئے تھے اور خدا پر طرح طرح کے (بُرے) خیال کرنے لگے تھے۔

۵۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ

---

[۱] فتح:12

[۲] فتح:6

[۳] احزاب:10

وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.[1]

پھر خدا نے اس رنج کے بعد تم پر اطمینان کی حالت طاری کی کہ تم میں سے ایک گروہ کو (جو سچے ایماندار تھے) خوب گہری نیند آ گئی اور ایک گروہ (جن کو اس وقت بھاگنے کی شرم سے) جان کے لالے پڑے تھے خدا کے ساتھ (خواہ مخواہ) زمانہ جاہلیّت کی ایسی بدگمانیاں کرنے لگے (اور) کہنے لگے بھلا کیا یہ امر (فتح) کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے؟ (اے رسولؐ) کہہ دو ہر امر کا اختیار خدا ہی کو ہے (زبان سے تو کہتے ہی نہیں) یہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم سے ظاہر نہیں کرتے (اب سنو) کہتے ہیں کہ اس امر (فتح) میں اگر ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے ہی نہ جاتے (اے رسولؐ ان سے) کہہ دو کہ تم اگر اپنے گھروں میں رہتے تو جن کی تقدیر میں مرجانا لکھا تھا وہ (اپنے گھروں سے) نکل نکل کے اپنے مرنے کی جگہ ضرور آ جاتے اور (یہ اس واسطے کیا گیا) تاکہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے خدا اس کا امتحان کرے (اور لوگ دیکھ لیں) اور تاکہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے صاف کر دے اور خدا تو دلوں کا راز خوب جانتا ہے۔

۶۔ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ.[2]

اور جب تم لوگوں نے اس کو سنا تو اسی وقت ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ بول اٹھے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔

---

[1] آل عمران:154

[2] نور:12

تفسیر و جمع بندی

پہلی آیت میں وضاحت کے ساتھ سوئے ظن سے نہی کی گئی ہے۔ یہ غیبت اور تجسس کا مقدمہ ہوتا ہے۔
خداوند عالم فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ.

اے ایماندارو! بہت سے گمانِ (بد) سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم تو ضرور اس سے نفرت کرو گے اور خدا سے ڈرو بے شک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یہاں کَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ کی تعبیر استعمال ہوئی ہے۔ یعنی بہت سی بدگمانیاں یہ اس لئے ہے کہ اکثر لوگ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمان ہوتے ہیں بعض نے ایک اور احتمال بھی دیا ہے لیکن پہلا قول قوی ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ بہت سے گمان کی نفی کی گئی ہے اس کی علت یہ ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بدگمانی دو قسم کی ہوتی ہے بعض واقع کے مطابق اور بعض واقع کے خلاف ہوتی ہیں۔ جو واقع کے خلاف ہو وہ گناہ ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کون سے واقع کے مطابق اور کون سے واقع کے خلاف گمان ہیں لہٰذا انسان بدگمانی سے پرہیز کرے تاکہ خلاف واقع سوئے ظن میں مبتلا نہ ہو جائے۔

لوگوں کے اعمال کے بارے میں بدگمانی سے ایک قسم کا تجسس ہوتا ہے اور تجسس سے چھپے ہوئے عیب آشکار ہوتے ہیں جن سے غیبت کا باعث بنتی ہے۔

پہلی آیت میں پہلے بدگمانی پھر تجسس اور اس کے بعد غیبت سے نہی کی گئی ہے۔

دوسری آیت میں منافقین کی مذمت کی گئی ہے جنہوں نے حدیبیہ میں یہ گمان کیا تھا کہ جو مومنین رسولؐ کے

ساتھ مکہ جا رہے ہیں مشرکین انہیں نیست و نابود کردیں گے حالانکہ قضیہ برعکس ہوا اور مسلمان کامیاب واپس آئے، خداوندعالم فرماتا ہے:

بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰۤی اَهۡلِیۡهِمۡ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ السَّوۡءِ ۖۚ وَكُنۡتُمۡ قَوۡمًۢا بُوۡرًا.

(یہ فقط تمہارے حیلے ہیں) بات یہ ہے کہ تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ رسولؐ اور مومنین ہرگز کبھی اپنے لڑکے بالوں میں پلٹ کر آنے ہی کے نہیں (اور سب مار ڈالے جائیں گے) اور یہی بات تمہارے دلوں میں کھپ گئی تھی اور (اسی وجہ سے) تم طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے تھے اور (آخرکار) تم لوگ اپنے آپ برباد ہوئے۔

کلمہ بور کا معنی شدید کساد اور شدت کساد۔ جو فساد کا باعث ہوتا ہے۔ عربوں میں ضرب المثل معروف ہوگئی کہ "کَسَدَ حَتّٰی فَسَدَ" یہ کلمہ پہلے فساد کے معنی میں استعمال ہوا اور پھر ہلاکت کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ درخت، پھول اور گھاس سے خالی زمین کو بھی کہا جاتا ہے چونکہ ایسی زمین درحقیقت فاسد اور مردہ ہوتی ہے۔

صلح حدیبیہ میں منافقین اس بدگمانی کا شکار ہوگئے تھے لہٰذا یہاں پر "بور" کا معنی ہلاکت ہے اور ہلاکت معنوی مراد ہے یعنی ثواب سے محروم ہونا۔ ان کے دل فضائل اخلاق کے لئے پھول ہیں۔ یا ہلاکت سے مراد آخرت میں عذاب الٰہی ہے۔ دنیا میں رسوائی کا سبب ہے۔

تیسری آیت میں خدا سے سوئے ظن کے بارے میں ذکر ہوا ہے حالانکہ پچھلی آیات میں انسان سے سوئے ظن سے نہیں کی گئی تھی۔

خداوندعالم فرماتا ہے:

وَّیُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِیۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَیۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا.[1]

اور منافق مرد اور منافق عورتیں اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں پر جو خدا کے حق میں بُرے بُرے خیال رکھتے ہیں عذاب نازل کرے ان پر (مصیبت کی) بڑی گردش ہے۔ اور خدا

---

[1] فتح:6

ان پر غضب ناک ہے اور اُس نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ کیا بُری جگہ ہے۔

ان کا خدا کے بارے میں بدگمان ہونا اور سوئے ظن رکھنا یعنی خدا کے وعدے کبھی پورے نہیں ہوں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیاب نہیں ہوں گے۔ مسلمان جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ جا رہے ہیں وہ نہ صرف ناکام ہوں گے بلکہ مشرکین سے شکست کھا کر یا شرکی خاطر انہیں قتل کر دیں گے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے پاس اسلحہ کافی نہ تھا لیکن خدا نے کامیابی کا وعدہ کیا تھا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اللہ نے مشرکین کے دلوں میں رعب اور وحشت ڈال دی جس سے وہ صلح حدیبیہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی صلح نامہ تھا جس کے بعد مسلمان ہمیشہ کامیاب رہے۔

بہرحال اسلام اور قرآن نے سوئے ظن کی سخت خدمت کی ہے اور اس بیماری والوں کو سخت عذاب کا وعدہ دیا گیا ہے۔ خدا سے سوئے ظن والا مسئلہ منافقین ومنافقات اور مشرکین ومشرکات کے درمیان مشترک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ اس کے برعکس مومنین خدا کے وعدوں سے حسن ظن رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ وعدے حتماً پورے ہو کر رہیں گے۔ ممکن ہے مصلحت کی وجہ سے جلد یا دیر ہو لیکن ہوگا ضرور کیونکہ تمام جہانوں کے جاننے والا اور قادر ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا.[1]

اور سارے آسمان و زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں اور خدا تو بڑا واقف کار اور غالب ہے۔

مشرکین کا سوئے ظن اور مومنین کا حسن ظن کرانا اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین ظاہری امور پر نگاہ رکھتے ہیں حالانکہ مومنین باطن کو بھی جانتے ہیں۔

چوتھی آیت بھی خدا کے وعدوں کے بارے میں سوئے ظن کے بارے میں ذکر ہوئی ہے۔ یہ جنگ احزاب کی داستان سے مربوط ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں خطرناک ترین جنگ ہوئی ہے کیونکہ مشرکین اپنے تمام گروہوں کے ساتھ متحد ہو کر اسلام کے خلاف جنگ کرنے آئے تھے۔ خداوند عالم نے فرمایا:

---

[1] فتح:7

اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا.[1]

جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے آپڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی چل گئے اور جس وقت (ان کی کثرت سے) تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں اور (خوف سے) کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور خدا پر طرح طرح کے (بُرے) خیال کرنے لگے تھے۔

بے شک لوگوں کے بارے میں سوئے ظن اور خدا کے بارے میں سوئے ظن کرنے میں فرق ہے۔ لوگوں سے سوئے ظن کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے ایک گناہ کا کام واقع ہوا ہے لیکن خدا سے سوئے ظن کا سبب تزلزلی ایمان ہوتا ہے کیونکہ خدا کے وعدوں پر یقین نہ کرنا اور وعدہ خلافی سمجھنا جہالت کا سبب ہے یا عاجز اور چھوٹا ہونے کی نشانی ہے۔

پانچویں آیت میں بھی خدا سے سوئے ظن کا ذکر ہوا ہے، یہ جنگ احد سے مربوط ہے۔ بعض وہ مسلمان جو تازہ مسلمان ہوئے تھے جب انہوں نے پہلے جنگ احد میں شکست دیکھی تو ان میں خدا کے بارے میں سوئے ظن پیدا ہونے لگا، مذکورہ آیت نازل ہوئی اور ان کی سخت خدمت کی گئی۔ حالانکہ جنگ کے شروع میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی لیکن بعض دنیا پرست نے مال غنیمت کے جمع کرنے کے لالچ میں اگر جیتی ہوئی جنگ دوبارہ شکست میں بدل دی۔ دشمن نے انہیں غافل بنا کر ایک سخت حملہ کیا۔ لہٰذا دوبارہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے اپنے وعدے پر عمل کیا لیکن بندوں نے وعدہ پورا نہ کیا۔

پھر خدا فرماتا ہے:

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ.

پھر خدا نے اس رنج کے بعد تم پر اطمینان کی حالت طاری کی کہ تم میں سے ایک گروہ کو

[1] احزاب:10

(جو سچے ایماندار تھے) خوب گہری نیند آ گئی اور ایک گروہ (جن کو اس وقت بھاگنے کی شرم سے) جان کے لالے پڑے تھے خدا کے ساتھ (خواہ مخواہ) زمانہ جاہلیّت کی ایسی بدگمانیاں کرنے لگے (اور) کہنے لگے بھلا کیا یہ امر (فتح) کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے؟ (اے رسولؐ) کہہ دو ہر امر کا اختیار خدا ہی کو ہے (زبان سے تو کہتے ہی نہیں) یہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم سے ظاہر نہیں کرتے (اب سنو) کہتے ہیں کہ اس امر (فتح) میں اگر ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے ہی نہ جاتے (اے رسولؐ ان سے) کہہ دو کہ تم اگر اپنے گھروں میں رہتے تو جن کی تقدیر میں مرجانا لکھا تھا وہ (اپنے گھروں سے) نکل نکل کے اپنے مرنے کی جگہ ضرور آ جاتے اور (یہ اس واسطے کیا گیا) تا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے خدا اس کا امتحان کرے (اور لوگ دیکھ لیں) اور تا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے صاف کر دے اور خدا تو دلوں کا راز خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ تمہارے لئے یہ ایک امتحان الٰہی تھا تا کہ تمہارے ایمان اور اسلام سے وفاداری کا میزان کا پتہ چل جائے۔

گزشتہ آیات سے روشن ہو گیا خدا سے سوئے ظن کا سبب ضعف ایمان ہونا ہے۔ جنگ احد، جنگ احزاب اور کبھی حدیبیہ میں ایمان اخلاص کا امتحان ہوا تھا۔

چھٹی آیت میں سوئے ظن سے حسن ظن کی طرف دعوت دی گئی ہے یہ آیت داستان افک کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ منافقین کے ایک گروہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیوی پر عفت کے خلاف تہمت لگائی۔ یہ ایک سازش تھی اور پورے مدینہ میں بات پھیل گئی۔ منافقین کے ظاہری طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی پر تہمت لگائی تھی لیکن درحقیقت یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے خلاف سازش تھی۔ اس واقعہ کے بعد آیات نازل ہوئیں اور منافقین کی سازش ناکام ہو گئی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔

اور جب تم لوگوں نے اس کو سنا تو اسی وقت ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ بول اٹھے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔

یہاں مومنین و مومنات کی تعبیر آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں حسن ظن پیدا کرنا ایمان کی ایک نشانی ہے۔

درحقیقت یہاں پر لوگوں کے تین گروہ ہیں منافقین، سازشی گروہ کے سرکردہ افراد اور مومنین پاک دل ہیں لیکن سادگی کی وجہ سے سوئے ظن کا شکار ہو گئے۔

سوئے ظن روایات میں

روایات میں سوئے ظن کی خدمت ہوئی ہے اور بدترین بیماری کے طور پر شمار ہوئی ہے۔ اب مندرجہ ذیل روایات پر توجہ فرمائیں:

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَ الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْکِذْبِ.[۱]

گمان سے پرہیز کرو کیونکہ بدگمانی بدترین قسم کا جھوٹ ہے۔

۲۔ آپؐ ہی سے منقول ہے آپؐ نے فرمایا:

اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهُ وَ مَالَهُ وَ عِرْضَهُ وَ اَنْ یَظُنَّ بِهِ السُّوْءِ.[۲]

خداوند عالم نے مسلمانوں کا حال، خون اور آبرو ایک دوسرے پر حرام کی ہے اسی طرح ان کے بارے میں بدگمانی بھی حرام ہے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لا اِیْمَانَ مَعَ سُوْءِ ظَنٍّ.[۳]

جو شخص سوئے ظن کرتا ہے اس کا ایمان نہیں

---

[۱] وسائل الشیعہ، جلد 18، صفحہ 38 (حدیث 42)، بحارالانوار، جلد 72، صفحہ 195.

[۲] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 268.

[۳] غررالحکم، جلد 6، صفحہ 362.

۴۔ آپ ہی نے فرمایا:

اِیّاكَ اَنْ تُسِیَٔ الظَنَّ فَاِنَّ سُوءَ الظَّنِ یُفْسِدُ الْعِبادَةَ وَیُعَظِّمُ الْوِزْرَ.[۱]

سوئے ظن سے پرہیز کرو کیونکہ سوئے ظن عبادت کو باطل اور اس سے انسان کی پشت پر سنگین بار ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا:

سُوءُ الظَّنِ بِالْمُحْسِنِ شَرُّ الْاِثْمِ وَ اَقْبَحُ الظُّلْمِ.[۲]

نیک افراد سے بدگمانی بدترین گناہ اور بہت بڑا ظلم ہے۔

۶۔ حضرت امیر علیہ السلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

سُوءُ الظَّنِ یُفْسِدُ الْاُمُورَ وَ یَبْعَثُ عَلَی الشُّرُورِ.[۳]

سوئے ظن سے فساد برپا ہوتا ہے اور مختلف شر کا سبب بنتا ہے۔

۷۔ آپ ہی نے فرمایا:

شَرُّ النّاسِ مَنْ لایَثِقُ بِاَحَدٍ لِسُوءِ ظَنِّهِ وَ لایَثِقُ بِهِ اَحَدٌ لِسُوءِ فِعْلِهِ.[۴]

لوگوں میں سے بدترین وہ افراد ہیں جو سوئے ظن کی وجہ سے لوگوں پر اعتماد نہیں کرتے اور اس کے اس برے عمل کی وجہ سے ان پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔

۸۔ نہج البلاغہ میں ملتا ہے:

لاتَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ اَحَدٍ سُوءً وَ اَنْتَ تَجِدُ لَها فِی الْخَیْرِ مُحْتَمَلاً (مَحْمِلاً).[۵]

جو کسی کے منہ سے بات نکلتی ہے اس سے سوئے ظن نہ کرو حالانکہ اس صحت پر عمل کر سکتے

---

[۱] غرر الحکم، جلد 2، صفحہ 308.

[۲] غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 132.

[۳] غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 132، حدیث 5575.

[۴] غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 178.

[۵] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 360، بحار الانوار، جلد 71، صفحہ 187.

ہو۔

۹۔ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

وَاللهِ ما يُعَذِّبُ اللهُ سُبْحانَهُ مُؤمِناً بَعْدَ الْاِيمانِ اِلّا بِسُوءِ ظَنِّهِ وَ سُوءِ خُلْقِهِ.[۱]

خدا کی قسم! خداوندعالم کسی مومن کو ایمان کے بعد عذاب نہیں دیتا سوائے سوئے ظن اور بداخلاقی کی وجہ سے۔

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

مَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ سُوءُ الظَنِّ لَمْ يَتْرُكْ بِيْنَهُ وَبَيْنَ خَليل صُلْحاً.[۲]

جس شخص پر سوئے ظن غالب ہو تو وہ اپنے دوستوں سے صلح برقرار نہیں رکھ سکتا۔

سوئے ظن کی مذمت اور خدا کے وعدہ پر عدم ایمان کی بھی سخت مذمت ہوئی ہے۔اس سے مادی ومعنوی زندگی پر اثرات مترتب ہوتے ہیں۔

۱۔ امام باقر علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں نقل کرتے ہیں:

وَاللهِ الَّذى لا اِلٰهَ اِلّا هُوَ لا يُعَذِّبُ اللهُ مُؤمِناً بَعْدَ التُوبَةِ وَالْاِسْتِغْفارِ اِلّا بِسُوءِ ظَنِّهِ بِاللهِ وَ تَقْصِيرِ مِنْ رَجائِهِ بِاللهِ وَ سُوءُ خُلْقِهِ وَ اِغْتِيابِهِ لِلْمُؤمِنينَ.[۳]

اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور قسم ہے اس خدا کی کہ جو کسی مومن کو اس کی توبہ و استغفار کے بعد عذاب نہیں دیتا سوائے خدا سے سوئے ظن کرنے، اس پر امید نہ رکھنا بداخلاقی اور مومن کی غیبت کی وجہ سے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام نبی سے یوں حدیث نقل کرتے ہیں!

يارَبِّ ما آمَنَ بِكَ مَنْ عَرَفَكَ فَلَمْ يُحْسِنِ الظَنَّ بِكَ.[۴]

---

[۱] غررالحکم، جلد 6، صفحہ 244، حدیث 10140.

[۲] غررالحکم، جلد 5، صفحہ 406.

[۳] بحارالانوار، جلد 67، صفحہ 394.

[۴] بحارالانوار، جلد 67، صفحہ 394.

خدایا! جو تیری معرفت رکھتا ہے لیکن تجھ سے حسن ظن نہ رکھتا ہو وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْجُبْنُ وَ الْحِرْصُ وَ الْبُخْلُ غَرائِزُ سُوءٍ یَجْمَعُها سُوءُ الظَّنِّ بِاللهِ سُبحانَهُ.[۱]

ڈر، حرص اور بخل مختلف وجوہات ہیں جو شخص خدا پر سوئے ظن رکھتا ہے اس میں یہ سب جمع ہیں۔

جو شخص خدا کی نصرت کا یقین کرتا ہے اور اسے کسی قسم کا ڈر نہیں ہونا چاہیے اور جو شخص خدا کے وعدوں پر مطمئن ہے اسے حریص نہیں ہونا چاہیے۔

حسن ظن روایات میں

سوئے ظن انسان کی بدبختی کا سامان ہے۔ اس سے معاشرہ ویران ہوجاتا ہے۔

اس سے انسان کی روح وجسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ حسن ظن آرام و راحت کا باعث ہے۔ اس لئے خدا اور لوگوں میں سے ہر دو کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے:

لوگوں سے حسن ظن:

۱۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ اَفْضَلِ السَّجایا وَ اَجْزَلِ الْعَطایا.[۲]

حسن ظن بہترین صفات میں سے ہے اور بہترین عطیہ الٰہی ہے۔

۲۔ آپؑ ہی نے فرمایا:

---

[۱] شرح غرر، جلد 2، صفحہ 60.

[۲] غرر الحکم، حدیث 4834.

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ اَحْسَنِ الشِّيَمِ وَ اَفْضَلِ الْقِسَمِ۔[1]

حسن ظن بہترین عادت اور بہترین چیز ہے کہ جس سے لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

۳۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہی سے روایت ہے:

حُسْنُ الظَّنِّ يُخَفِّفُ الهَمَّ وَ يُنجِي مِنْ تَقَلُّدِ الْإِثْمِ۔[2]

حسن ظن سے غم کم ہوتا ہے اور گناہوں سے نجات ملتی ہے۔

۴۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت ہے:

حُسْنُ الظَّنِّ راحَةُ الْقَلْبِ وَ سَلامَةُ الدِّينِ۔[3]

حسن ظن سے دل کو سکون ملتا ہے اور دین سلامت رہتا ہے۔

۵۔ ایک حدیث معصومین علیہم السلام سے مروی ہے:

مَنْ حَسُنَ ظَنُّهُ بِالنّاسِ حازَ مِنْهُمُ الْمَحَبَّةَ۔[4]

جس کے دل میں لوگوں کے بارے میں حسن ظن ہو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ سے حسن ظن:

خدا سے حسن ظن کے بارے میں بھی بہت زیادہ روایات موجود ہیں۔ اب ہم ان میں سے بعض روایات کو ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ بعض معصومین علیہم السلام سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے:

وَالَّذِي لا إِلهَ إِلّا هُوَ ما أُعْطِيَ مُؤْمِنٌ قَطُّ خَيْرَ الدُّنيا وَ الْآخِرَةِ إِلّا بِحُسْنِ ظَنِّهِ بِاللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ رَجائِهِ لَهُ وَ حُسْنِ خُلْقِهِ وَ الْكَفِّ عَنْ اِغْتِيابِ الْمُؤْمِنِينَ۔[5]

---

[1] غررالحکم، حدیث 4824.

[2] غررالحکم، حدیث 4823.

[3] غررالحکم، حدیث 4816.

[4] غررالحکم، حدیث 8842.

[5] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 71، حدیث 2.

اس خدا کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور کوئی مومن انسان دنیا و آخرت کی بھلائی کو نہیں پا سکتا سوائے خدا سے حسن ظن رکھنے اور اس پر امید رکھنے، خوش اخلاق ہونے اور غیبت سے بچنے کی وجہ سے۔

۲۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اَحسِنِ الظَّنَّ بِاللهِ فَاِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي الْمُؤمِنِ بِي اِنْ خَيْراً فَخَيْراً وَ اِنْ شَرّاً فَشَرّاً.[1]

خدا سے حسن ظن رکھو کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: جب کوئی بندۂ مومن گمان کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں اگر وہ اچھا گمان کرے تو اس کا اچھا نتیجہ ملے اور اگر برا گمان کرے گا تو اس کا نتیجہ برا ملے گا۔

۳۔ اسی مضمون کی روایت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہوئی ہے:

وَالَّذِي لا اِلهَ اِلّا هُوَ لا يَحْسُنُ ظَنُّ عَبدٍ مُؤمِنٍ بِاللهِ اِلّا كانَ اللهُ عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِهِ الْمُؤمِنِ لِاَنَّ اللهَ كَرِيمٌ بِيَدِهِ الْخَيْراتُ يَسْتَحْيِي اَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ الْمُؤمِنُ قَدْ اَحسَنَ بِهِ الظَّنِّ ثُمَّ يُخْلِفُ ظَنَّهُ وَرَجائَهُ فَاَحْسِنُوا بِاللهِ الظَّنَّ وَ ارْغَبُوا اِلَيهِ.[2]

قسم ہے اس خدا کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے جو مومن آدمی خدا سے حسن ظن رکھتا ہو تو خدا اس مومن کے گمان کے ساتھ ہے کیونکہ خدا کریم ہے اور تمام نیکیاں اسی کی طرف سے ہیں خدا ایسے مومن بندے سے حیا کرتا ہے جو اللہ پر حسن ظن رکھتا ہو لیکن خدا اسے ناامید کرے لہٰذا خدا پر حسن ظن رکھو اور اس کی طرف رغبت کرو۔

۴۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

رَأَيْتُ رَجُلا مِنْ اُمَّتِي عَلَى الصِّراطِ يَرْتَعِدُ كَما تَرْتَعِدُ السَّعْفَةُ فِي يَوْمِ رِيحٍ عاصِفٍ وَ جائَهُ حُسْنُ ظَنِّهِ بِاللهِ فَسَكَّنَ رَعْدَتَهُ.[3]

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 72، حدیث 3۔

[2] بحارالانوار، جلد 67، صفحہ 365، حدیث 14۔

[3] مستدرک الوسائل، جلد 11، صفحہ 250۔

میں نے اپنی امت کا ایک فرد پل صراط پر لرزتے دیکھا۔جس طرح کھجور کی شاخ طوفان میں لرزتی ہے۔اس دوران وہ کہ جس نے خدا پر حسن ظن رکھا تھا اُسے آرام آ گیا۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

حُسْنُ الظَّنِّ بِاللهِ اَنْ لَا تَرْجُوَا اِلَّا اللهَ وَلَا تَخَافَ اِلَّا ذَنْبَهُ.[1]

خدا سے حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ اسی پر امید رکھی جائے اور اس کے علاوہ گناہ میں کسی سے نہ ڈرو۔

سوئے ظن وحسن ظن کی تعریف

لوگوں میں ان کلمات کا معنی واضح ہے۔سوئے ظن کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی ایسا کام کرتا ہے جس کی صحیح اور غلط دو معانی مراد لئے جاسکتے ہیں لیکن یہ شخص غلط ہی مراد لیتا ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی شخص کو عورت کے ساتھ دیکھتا ہے تو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ نامحرم ہے اور اس کی نیت برے عمل کی طرف ہو۔

حالانکہ حسن ظن یہ ہے کہ شاہد وہ اس کی محرم یا اس کی اپنی بیوی ہو۔اگر کوئی شخص مسجد کو بناتا ہے اور کوئی دوسرا سوئے ظن کرتا ہے یعنی خیال کرتا ہے کہ اس نے ریاکاری کی وجہ سے مسجد بنائی ہے حالانکہ حسن ظن یہ ہے کہ اس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے بناتی ہے۔

یہاں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حسن ظن اور سوئے ظن کا دائرہ وسیع ہے اور نہ صرف عبادات کو شامل ہے بلکہ اجتماعی، اخلاقی، اعتقادی اور سیاسی مسائل کو بھی شامل ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 72، حدیث 4.

سوئے ظن کے برے آثار

انسانی معاشرے میں یہ بیماری بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے اور اس کے آثار بہت ہی نامطلوب ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل نکات پر مجبور کریں۔

(۱) معاشرے کا اصلی سرمایہ اعتماد ہے اور سوئے ظن سے یہ اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بے اعتمادی عام ہے روایات میں اس بیماری میں مبتلا افراد کو بدترین افراد کہا گیا ہے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ سائَتْ ظُنُونه اِعْتَقَدَ الْخِيانَةَ بِمَنْ لا يَخُونُه.[۱]

جو شخص ایسے فرد کے بارے میں سوئے ظن رکھتا ہو جس نے اس سے خیانت نہ کی۔

(۲) سوئے ظن سے معاشرے میں آرام وسکون ختم ہوجاتا ہے۔

(۳) انسان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت نہیں ہوتی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

سُوءُ الظَّنِّ يُفْسِدُ الْأُمُورَ وَيَبْعَثُ عَلَى الشُّرُورِ.[۲]

سوئے ظن سے فساد ہوتا ہے اور لوگوں میں مختلف برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض اوقات سوئے ظن جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

بعض افراد سوئے ظن سے مجنون و پاگل ہوجاتے ہیں،

ایک مشہور واقعہ کو ہم نقل کرتے ہیں کہ

ایک ماہر نفسیات جب ایک ہسپتال میں جاتے ہیں اور ایک مجنون کو دیکھتا ہے جو بار بار ٹشوٹشو کا تکرار کرتا ہے۔ جب پوچھ گچھ ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک داستان ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے اس کی بیوی کے پرس میں مردانہ ہدیے تھے وہ اپنی بیوی کے بارے میں بدگمان ہوگیا، اس

---

[۱] غرر الحکم، حدیث 8837.

[۲] عیون الحکم والمواعظ (للیثی) / 283 / الفصل الثانی باللفظ المطلق.....ص:283

نے سمجھا اس نے کسی مرد سے بنا رکھی ہے۔ بہت غصہ میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیتا ہے۔ جب اس نے پرس کو کھولا اور ٹشو پیپر نکالا تو ایک کاغذ پر یہ لکھا ہوا تھا۔ یہ میرے شوہر کی سالگرہ کے لئے تحفہ ہے جب اس نے یہ سمجھا کہ یہ تحفہ تو میرے لئے ہی تھا۔ اچانک دیوانہ ہوجاتا ہے اور بار بار ٹشو پیپر ٹشو پیپر کی تکرار کرتا تھا۔

(۴) سوئے ظن درحقیقت ایک ظلم ہے جیسا کہ ہم پہلے پڑھ آئے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

بدگمانی بدترین ظلم ہے۔

(۵) سوئے ظن رکھنے والے شخص کے دوست کم ہوئے ہیں۔ حتیٰ رشتہ دار بھی اس سے دور ہوجاتے ہیں اور وہ تنہا رہ جاتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

جس شخص پر سوئے ظن غالب ہوجائے تو وہ اپنے دوستوں سے صلح نہیں کر سکتا۔

(۶) سوئے ظن انسان کی عبادت کو باطل کر دیتا ہے۔

(۷) سوئے ظن ایک انحرافی تفکر ہے۔ آہستہ آہستہ دونوں لوگوں (سوئے ظن کرنے والے اور جس پر سوئے ظن کیا جاتا ہے) پر اثر انداز ہوتا ہے۔

حضرت سے منقول ہے:

مَنْ ساءَ ظَنُّهُ ساءَ وَهْمُه.[1]

جو شخص سوئے ظن رکھتا ہے اس کا تفکر خراب ہوجاتا ہے۔

[1] عیون الحکم والمواعظ (للیثی) / 430 / الفصل الأول بالمیم المفتوحة بلفظ من.....ص:423

خدا سے سوئے ظن کے آثار

اللہ سے سوئے ظن رکھنا یعنی اس کے وعدے پر امید رکھنا: آیات و روایات میں ملتا ہے کہ اس کے خطرناک آثار اور ایمان و عقائد کی اساس کو کمزور کر دیتا، انسان خدا سے دور ہو جاتا ہے، جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا: خدایا! جو تیری معرفت رکھتا ہے اور حسن ظن نہیں رکھتا وہ ایسا ہے جیسے ایمان نہ لایا ہو۔ خدا سے سوئے ظن اس بات کا بھی سبب بنتا ہے کہ انسان کی عبادت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان میں روح اخلاص مرجاتا ہے۔ خدا کے وعدوں سے سوئے ظن کرنا انسان کی سخت حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان الطاف الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ خداوند عالم شخص کے سوئے ظن یا حسن ظن کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حضرت نعمان اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہیں: خدا سے حسن ظن رکھو پھر لوگوں سے سوال کرو کہ کون ہے ایسا جو خدا کی سمت نیک ظن رکھتا ہو اور خدا اس کے مطابق عمل نہ کیا ہو۔[1]

سوئے ظن کے علل و اسباب

دوسرے رذائل کی مانند اس کے بھی کئی علل و اسباب ہیں۔

۱۔ ظاہری و باطنی آلودگی، جو افراد خود آلودہ ہیں وہ دوسروں کو بھی آلودہ سمجھتے ہیں۔ جب تک خود گناہ کرتے ہیں دوسروں کو بھی گناہ گار سمجھتے ہیں۔ جب خود نیک ہو جاتے تب جا کر حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَظُنُّ بِأَحَدٍ خَيْراً لِأَنَّهُ لَا يَرَاهُ إِلَّا بِطَبْعِ نَفْسِهِ.[2]

---

[1] آثار الصادقین، جلد 12، صفحہ 240.

برا آدمی کسی سے اچھا گمان نہیں کرتا کیونکہ دوسروں کو اپنے جیسا سمجھتا ہے۔

۲۔ برے افراد کی صحبت، جس کی محفل میں برے دوست ہوں وہ ہمیشہ سب لوگوں کے بارے میں برا سوچتا ہے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مُجَالَسَةُ الْاَشْرَارِ تُورِثُ سُوءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ.[۱]

بروں کی صحبت سے نیک لوگوں کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ بری سوسائٹی: ایک خاندان، شہر یا ملک میں جب فساد حاکم ہو تو ہر شخص کی نظر میں سب برے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ معاشرے میں اچھے افراد بھی موجود ہوتے ہیں۔

۴۔ حسد، کینہ، تکبر وغرور یہ بھی اسباب سوئے ظن ہیں۔

۵۔ حقارت: سوئے ظن کا ایک سبب حقارت ہے، جو شخص دوسروں کی نگاہ میں حقیر ہو وہ دوسروں کو بھی حقیر سمجھتا ہے۔

مراتب سوئے ظن

ایک مہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سوئے ظن ایک اختیاری عمل ہے یا غیر اختیاری؟

اگر کوئی آدمی ایک واقعہ دیکھتا ہے تو اس کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے کیا یہ اس کا عمل قابل مذمت ہے؟ اس جواب کے لئے دو حل ہیں۔

۱۔ یہ کہ فکر انسان میں بدگمانی پیدا ہوئی ہے اور اس کا عذاب نہیں یعنی جب عملی صورت نہ ہو مجازیت نہیں ہوتی۔ عملی یعنی زبان سے کہنا۔

اس لئے بعض علمائے اخلاق نے فرمایا ہے:

وَ اَمَّا الْخَوَاطِرُ وَ حَدِيْثُ النَّفْسِ فَهُوَ مَعْفُوٌّ عَنْهُ...وَلٰكِنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ اَنْ تَظُنَّ، وَ الظَّنُّ عِبَارَةٌ عَمَّا تَرْكَنُ اِلَيْهِ النَّفْسُ، وَ تَمِيْلُ اِلَيْهِ الْقَلْبُ.[۲]

جو چیز انسان کے ذہن میں جاتی ہے اور خود انسان اپنے آپ سے کہتا ہے تو یہ معاف ہے۔ جس کو منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرے اور عمل سے

ظاہر ہو خلاصہ: یہ کہ سوئے ظن کے تین مراحل ہیں:

۱۔ سوئے ظن قلبی

۲۔ سوئے ظن زبانی

۳۔ سوئے ظن عملی

جو کچھ دل میں ہے انسان اس کا مکلف نہیں ہوتا چونکہ اختیار ہی نہیں ہے لیکن جو کچھ زبان اور عمل میں ہے حرام وممنوع ہے۔

بعض روایات میں ملتا ہے: تین چیز ایسی ہیں کوئی انسان اس سے پاک نہیں ہوتا ان میں سے ایک بدگمانی ہے، پھر فرمایا:

وَإِذا ظَنَنْتَ فَلا تُحَقِّقْ.[۱]

جب بدگمانی پیدا ہو تو اس کے بارے میں چھان بین نہ کرو۔

۲۔ برے افراد کی صحبت سے پرہیز کرنا جب کسی مرد کو عورت کے ساتھ جاتے دیکھو تو حسن ظن رکھو کہ یہ اس کی محرم ہوگی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُطْلُبْ لِاَخِيكَ عُذْراً فَاِنْ لَمْ تَجِدْ لَهُ عُذْراً فَالْتَمِسْ لَهُ عُذْراً.[۲]

اپنے مسلمان بھائی کے لئے کوئی عذر تلاش کرو اگر (ظاہراً) عذر نہ ہو تو پھر بھی کوشش کرو کہ کوئی عذر مل جائے۔

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے بھائی کے عمل کو بہترین صورت پر عمل کرو اور اس سے بدگمانی نہ کر اور اس کے عمل کو عمل برصحت سمجھو۔

ایک لحاظ سے سوئے ظن کی تین اقسام ہوسکتی ہیں۔

۱۔ وہ سوئے ظن کہ جس کے آثار کردار میں نمایاں ہوں، یہ سوئے ظن حرام ہے۔

۲۔ وہ سوئے ظن کی جس کا ظاہری اثر نہیں۔ احتمال ہے کہ یہ بھی حرام ہو۔

۳۔ وہ سوئے ظن جس کا خارج میں کوئی ترتیب اثر نہ ہو۔ کلی طور پر انسان کے اختیار سے

باہر ہے۔اس کا انسان مکلف نہیں۔

قرآن مجید سورۂ اسراء کی ۳۶ آیت میں ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا.

اور جس چیز کا کہ تمہیں یقین نہ ہو (خواہ مخواہ) اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔ (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب کی (قیامت کے دن) یقیناً باز پُرس ہونی ہے۔

بدگمانی کا درمان

سب سے پہلے انسان کو گناہ کے آثار پر توجہ کرنی چاہیے۔

۱ _______ معاشرے میں اصلی سرمایہ یعنی اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔

۲ _______ معاشرے میں بدنظمی آتی ہے۔

۳ _______ انسان کے دوست دور ہوجاتے ہیں۔

۴ _______ انسان حقیقت سے غافل ہوجاتا ہے۔

۵ _______ دوسروں کے حق میں بے انصافی ہوتی ہے۔

۶ _______ یہ ایک زہریلی غذا کی مانند ہے۔

۷ _______ بروں کی محفل سے پرہیز کیا جائے۔

۸ _______ حسد، کینہ، تکبر اور غرور بھی سوئے ظن کے عوامل ہیں لہٰذا ان سے پرہیز کریں۔

مندرجہ ذیل امور سے بھی نجات مل سکتی ہے:

الف: مجمل اعمال کی توجیہ کرنا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَحَدٍ سُوءً وَأَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِي الْخَيْرِ مُحْتَمِلًا.[1]

جس شخص سے کوئی کلام صادر ہوا ہو اُسے بدگمانی نہ سمجھو کیونکہ اسے صحیح توجیہ کر سکتے ہیں

انسان کے اعمال کا عمل بر صحت کرو۔

ب: دوسروں کے اعمال میں جستجو و تجسس نہ کرنا۔

ج: بدگمانی کو زبان و عملی ترتیب نہ دینا،

روایات میں ملتا ہے:

اِذا ظَنَنْتُمْ فَلا تَحَقَّقُوا۔[۱]

جب تمہیں بدگمانی ہو تو اسے عملی صورت میں ظاہر نہ کرو۔

موارد استثناء

بے شک سوئے ظن ایک عنوان کلی کے طور پر قبول ہے لیکن اس کے استثناء بھی ہیں۔

ا۔ جب فساد معاشرے میں غالب عادت بن چکا ہو۔ فساد کرنے والے غالب ہوں۔ ایسی صورت میں حسن ظن نہ صرف فضائل اخلاقی نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ انسان ناخوشگوار واقعہ میں مبتلا ہو جائے۔

(ا) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِذا اسْتَوْلَی الصَّلاحُ عَلَی الزَّمانِ وَ اَهْلِهِ ثُمَّ اَساءَ رَجُلُ الظَّنَّ بِرَجُلٍ لَمْ تَظْهَرْ مِنْهُ حَوْبَةٌ فَقَدْ ظَلَمَ، وَ اِذا اسْتَوْلَی الْفَسادُ عَلَی الزَّمانِ وَ اَهْلِهِ فَاَحْسَنَ رَجُلُ الظَّنَّ بِرَجُلٍ فَقَدْ غَرَّرَ۔[۲]

جب معاشرے اور ماحول میں دوستی ہو ایسی صورت میں دوسرے سے اگر کوئی گناہ ہو تو سوئے ظن کرنا ظلم و ستم ہے۔ لیکن جب ہر طرف فساد ہی فساد ہو حسن ظن پیدا کرنا اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف ہے۔

اس مضمون کی روایت امام جعفر صادق، امام علی نقی اور امام موسیٰ کاظم علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں۔[۳]

ایک حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے:

اِحْتَرِسُوا مِنَ النّاسِ بِسُوءِ الظَّنِّ۔[۴]

لوگوں سے سوئے ظن کرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

البتہ ان استثناء کو بہانہ بنا کر سوئے ظن کرنا نہیں چاہتے۔

(۲)CIA یعنی اجنبیت اور اطلاعات جو معاشرے کے بارے میں مربوط ہے میں حسن ظن نہیں رکھنا چاہیے بلکہ مشکوک حرکات پر توجہ دینی چاہیے اور تحقیق کرنا چاہتے۔

(۳)ایک جگہ سوئے ظن نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اور وہ ہے دشمن کے مقابلے میں۔ دشمن کی حرکات سے ہوشیار رہنا چاہتے۔

اس لئے مالک اشترؒ کے نام فرمان میں آیا ہے:

اَلْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ عَدُوِّكَ بَعْدَ صُلْحِهِ فَإِنَّ الْعَدُوَّ رُبَّمَا قَارَبَ لِيَتَغَفَّلَ فَخُذْ بِالْحَزْمِ وَ اتَّهِمْ فِى ذٰلِكَ حُسْنَ الظَّنِّ.[1]

جب تم دشمن سے صلح یا پیمان باندھتے ہوتو ہوشیار رہو کیونکہ کبھی دشمن نزدیک ہوتا ہے تا کہ دوسرے کو بغل گیر بنائے۔ لہٰذا ایسی شرائط میں احتیاط سے کام لو اور دور اندیشی سے کام لو اور حسن ظن نہ کرو۔

يا مَعشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسانِهِ وَ لَمْ يُسْلِمْ بِقَلْبِهِ لا تَتَّبِعُوا عَثَراتِ الْمُسْلِمِينَ، فَاِنّهُ مَنْ تَتَبَّعُ عَشَراتِ الْمُسْلِمِينَ تَتَبَّعُ اللهُ عَثْرَتَهُ وَ مَنْ تَتَبَّعَ عَثْرَتَهُ يُفْضِحهُ.

اے وہ گروہ جو زبانی مسلمان ہو لیکن تمہارے دلوں میں اسلام نہیں ہے۔ مسلمانوں کی لغزش میں تجسس نہ کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی لغزش میں تجسس کرتا ہے۔ خداوند عالم اس کی لغزش کی جستجو کرے گا اور جس کی لغزش کی خداوند عالم جستجو کرے وہ رسوا ہوگا۔

۱۳۔لوگوں کے کاموں میں تجسس

تجسس یعنی دوسروں کے اعمال میں جستجو کرنا اور اکثر نا مطلوب اور خلاف اخلاق کام ہوتے ہیں۔ البتہ تجسس عربی زبان میں امور مثبت میں جستجو کرنا مراد ہے۔

درحقیقت سوئے ظن سبب بنتا ہے کہ انسان لوگوں کے راز میں جستجو کرے، کبھی بخل و تنگ نظری بھی ممکن ہے عوامل ہوں اسلام میں تجسس ممنوع ہے۔ معاشرے میں بدامنی کا سبب ہوتا ہے۔ بہت سے افراد کی آبرریزی ہوجاتی ہے۔ اس سے کینہ کی آگ روشن ہوتی ہے۔

البتہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اطلاعات کے اداروں سے مربوط نہیں ہے۔

صرف ایک آیت ۱۲ سورۂ حجرات میں خداوند عالم فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

اے ایماندارو! بہت سے گمانِ (بد) سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم تو

ضرور اس سے نفرت کرو گے اور خدا سے ڈرو بے شک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

چنانچہ حضرت یوسف اور یعقوب علیہماالسلام کی داستان میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو دستور دیا:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ.[1]

اے میرے فرزندو (ایک بار اور پھر مصر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو (جس طرح بنے) ڈھونڈ کے لے آؤ اور خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی نا امید نہیں ہوا کرتا۔

بعض نے لکھا ہے کہ تجسس سے مراد کسی کے مخفی راز کو سننا ہے۔ یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے سورۂ حجرات میں تجسس سے نہی کی گئی اور اس میں کوئی قید یا شرط نہیں لہٰذا معلوم ہوتا ہے تجسس بطور کلی حرام ہے۔ لوگوں میں تجسس کا معنی اس قدر روشن ہے کہ خود استعمال کرتے ہیں۔

ایک حدیث اہل سنت کے منابع کنز العمال میں ثور کندی سے نقل ہوئی اور عمل شاہد یہ ہے کہ وہ لکھتا ہے:

حضرت عمر کبھی کبھی رات میں امنیت کے مسائل کی خاطر مدینہ گشت کرتے تھے۔ حضرت عمر نے ایک گھر میں آواز سنی جو گانے کی آواز تھی۔ حضرت عمر نے دیوار سے چھلانگ لگائی اندر گیا اور کہتا ہے: اے دشمن خدا! کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو گناہ کر رہا ہے اور خدا نے تجھے چھپا رکھا ہے؟ اس مرد نے عمر سے کہا: اے خلیفہ جلدی نہ کرو۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا تو تم نے تین گناہ کیے ہیں:

خداوند عالم فرماتا ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا.[2]

تجسس نہ کرو۔

لیکن تو نے تجسس کیا، نیز خداوند عالم فرماتا ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا.[3]

گھر میں دروازے سے داخل ہوا کرو۔

لیکن تم دیوار سے کود کر آئے ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ. [۱]

اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لی جائے اور اہل خانہ پر سلام کرو

تم بغیر اجازت کے داخل ہوئے ہو۔

حضرت عمر یہ سن کر حیران رہ گیا اور اس سے کہا: اگر میں تجھے معاف کر دوں تو کیا تو راہ راست پر آجائے گا؟

اس نے جواب دیا: ہاں

حضرت عمر نے اسے چھوڑ دیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔[۲]

روایات میں تجسس

روایات میں اس موضوع کی بڑی مذمت ہوئی ہے۔ اب ہم چند روایات کو نقل کرتے ہیں جو اس موضوع میں دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَ الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا.[۳]

بدگمانی سے پرہیز کرو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور تجسس نہ کرو

۲۔ آپ ہی نے فرمایا:

لَا تَحَاسَدُوا وَ لَا تَبَاغَضُوا وَ لَا تَجَسَّسُوا وَ لَا تَحَسَّسُوا وَ لَا تَنَاجَشُوا وَ كُوْنُوا عِبَادَ اللهِ اِخْوَاناً.[۴]

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، بغض و کینہ نہ رکھو اور دوسروں کے کاموں میں تجسس نہ کرو،

لوگوں کو اپنے سے دور نہ کرو، اللہ کے بندے اور دینی بھائی بنو۔

اس حدیث سے معلوم ہو کہ تجسس حسد، کینہ، نفرت اور لوگوں کا ایک دوسرے سے دوری کا سبب ہے۔

مرحوم کلینیؒ کتاب کافی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

يا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسانِهِ وَ لَمْ يُسْلِمْ بِقَلْبِهِ لا تَتَّبِعُوا عَثَراتِ الْمُسْلِمِينَ، فَاِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَثَراتِ الْمُسْلِمِينَ تَتَبَّعَ اللهُ عَثْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ عَثْرَتَهُ يُفْضِحْهُ.[۱]

اے وہ گروہ جو زبانی مسلمان ہو لیکن تمہارے دلوں میں اسلام نہیں ہے۔ مسلمانوں کی لغزش میں تجسس نہ کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی لغزش میں تجسس کرتا ہے۔ خداوند عالم اس کی لغزش کی جستجو کرے گا اور جس کی لغزش کی خداوند عالم جستجو کرے وہ رسوا ہوگا۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

تَتَبُّعُ الْعُيُوبِ مِنْ اَقْبَحِ الْعُيُوبِ وَ شَرِّ السَّيِّئاتِ.[۲]

دوسرے لوگوں کے عیب میں تجسس کرنا بدترین گناہوں میں سے ہے۔

۴۔ آپؑ ہی نے فرمایا:

مَنْ بَحَثَ عَنْ اَسْرارِ غَيْرِهِ اَظْهَرَ اللهُ اَسْرارَهُ.[۳]

جو شخص دوسروں کے عیب کی تفتیش کرتا ہے خداوند عالم اس کے رازوں کو فاش کر دیتا ہے۔

۵۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ تَتَبَّعَ خَفِيّاتِ الْعُيُوبِ حَرَّمَهُ اللهُ مَوَدّاتِ الْقُلُوبِ.[۴]

جو دوسروں کے مخفی عیبوں میں تجسس کرتا ہے خدا اسے لوگوں کی دوستی سے محروم کر دیتا ہے۔

۶۔ امام صادق علیہ السلام اپنے ایک صحابی سے فرماتے ہیں:

---

[۳] شرح غرر، جلد 5، صفحہ 371، حدیث 8799.

[۴] شرح غرر، جلد 5، صفحہ 371، حدیث 8800.

لا تَفَتِّشِ النّاسَ عَنْ اَدْيانِهِمْ فَتَبْقى بِلا صَدِيق.[1]

لوگوں کے عقائد کے بارے میں تفتیش نہ کرو کہ اس سے تیرا کوئی نہیں بنے گا۔

سوئے تجسس کے آثار

دوسروں کے عقائد اور اسرار میں تجسس کرنے سے دشمنی و عداوت پیدا ہوتی ہے جس سے معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اگر تم صحیح اسلامی معاشرہ دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی طرف متوجہ رہو۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

مَنْ بَحَثَ عَنْ اَسْرارِ غَيْرِهِ اَظْهَرَ اللهُ اَسْرارَهُ.[2]

جو شخص دوسروں کے اسرار میں جستجو کرتا ہے خداوند عالم اس کے رازوں کو فاش کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

مَنْ كَشَفَ حِجابَ اَخِيهِ اِنْكَشَفَ عَوراتِ بَيْتِهِ.[3]

جو دوسروں کے رازوں کے پردے اٹھاتا ہے تو ایسے شخص کے گھر کے راز فاش ہوں گے۔

ایک اور جگہ معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ تَطَّلَعَ عَلى اَسْرارِ جارِهِ اِنْتَهَكَتْ اَسْتارُهُ.[4]

جو شخص اپنے ہمسایہ کے رازوں کو فاش کرتا ہے تو اس کے اپنے رازوں کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔

دوسروں کے حالات و اسرار میں جستجو کرنے کے کئی اسباب وعوامل ہو سکتے ہیں جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ سوئے ظن اکثر انسان کو دوسروں کے تجسس کی طرف لے جاتی ہے۔

---

[1] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 253، حدیث 109.

[2] شرح غررالحکم، جلد 5، صفحہ 371، حدیث 8799.

[3] شرح غررالحکم، جلد 5، صفحہ 371، حدیث 8802.

[4] شرح غررالحکم، جلد 5، صفحہ 371، حدیث 8798.

۲۔ گناہوں سے آلودگی جستجو کا ایک عامل ہے کیونکہ آلودہ افراد اپنے جیسے افراد پیدا کرنے کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

شَرُّ النّاسِ اَلظّانُّونَ وَ شَرُّ الظّانّينَ اَلْمُتَجَسِّسُونَ........[۱]

سب سے بدترین وہ افراد ہیں جو سوئے ظن رکھتے ہیں اور سب سے بدترین سوئے ظن افراد وہ ہے جو تجسس کرنے والے ہیں۔

۳۔ حسد، کینہ، عداوت، تکبر ہر ایک جستجو کا عامل ہیں۔

۴۔ ایمان کا ضعیف ہونا بھی تجسس کا ایک عامل ہے کیونکہ بے ایمان شخص دوسروں کے احترام کا قائل نہیں ہے لہٰذا آسانی سے دوسروں کے حقوق سے تجاوز کرتا ہے اور مسلمانوں کی آبروریزی کرتا پھرتا ہے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيمانُ فى قَلْبِهِ.[۲]

اے وہ گروہ جو زبانی ایمان لائے ہو لیکن تمہارے دلوں میں ایمان نہیں ہے۔

استثناء

اب سوال یہ ہے کہ کیا تجسس بطور ایک عنوان کلی ضد اخلاق ممنوع وحرام ہے یا بعض مقامات پر استثناء بھی ہے۔ ہر کے ملک کچھ خاص ادارے ہوتے ہیں ملک و معاشرے کے فلاح و بہبود کے لئے کام کرتے ہیں آیا ایسے اداروں میں تجسس جائز ہے۔ اب ہم ایک ایک کو بیان کرتے ہیں۔

ا۔ محکمہ اطلاعات:

[۱] مستدرک الوسائل، چاپ جدید، جلد 9، صفحہ 147، حدیث 15 (باب 141).
[۲] دلائل الصدق لنہج الحق / ج 5 ص 185

ہر ملک کی ذمہ داری ہے کہ اپنے ملک کی اندرونی و بیرونی سازشوں سے اس کی حفاظت کرے۔ ہر ہر محکمہ کے بڑے بڑے آفیسر حسن ظن سے کام لیں مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا دشمن کی سازشوں کے لئے تجسس حرام نہیں ہے بلکہ ضروری ہے اگر احتمال ہوتا ہے کوئی بے گناہ شخص پر اعتماد نہ کیا جائے لیکن حقیقی دشمن کو ڈھونڈنے کے لئے تفتیش ضروری ہے آج دشمن نے مختلف لباس پہن رکھا ہے اور جاسوسی کرتا ہے لہٰذا ایسے افراد کی تلاش کے لئے ہر جگہ جانا اور تجسس کرنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں سورۂ توبہ کی آیت ۴۷ میں خداوند عالم صراحت سے فرماتا ہے کہ تمہارے درمیان تمہارے جاسوس دشمن موجود ہیں:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾

اگر یہ لوگ تم میں مل کر نکلتے بھی تو بس تم میں فساد ہی کو برپا کر دیتے اور تمہارے حق میں فتنہ انگیزی کی غرض سے تمہارے درمیان (اِدھر اُدھر) گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور تم میں سے ان کے جاسوس بھی ہیں (جو تمہاری خبر اُن سے بیان کرتے ہیں)۔ اور خدا شریروں سے خوب واقف ہے۔

بعض اوقات معجزہ کی صورت میں پرندوں سے دور کے ممالک کا تجسس کیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کی داستان مشہور ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

كَانَ رَسُولُ اللهُ(صلى الله عليه وآله) إِذا بَعَثَ جَيْشاً فَاتَّهَمَ اَميراً . يا فَاتَّهم اميراً .بَعَثَ مَعَهُمُ مِنْ ثِقاتِهِ مَنْ يَتَجَسَّسُ لَهُ خَبَرَهُ.

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو بھیجتے اور ان کا امیر بناتے تو اس کے ساتھ ایک اور قابل اعتماد آدمی بھیجا جاتا کہ وہ اس کا تجسس کرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفصیل بتائے۔

نہج البلاغہ میں نامہ ۳۳ میں حضرت علی علیہ السلام قشم بن عباس مکہ کے حاکم کو یوں لکھتے ہیں:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ عَيْنِي بِالْمَغْرِبِ كَتَبَ إِلَيَّ يُعْلِمُنِي أَنَّهُ وُجِّهَ إِلَى الْمَوْسِمِ أُنَاسٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ الْعُمْيِ الْقُلُوبِ الصُّمِّ الْأَسْمَاعِ الْكُمْهِ الْأَبْصَارِ الَّذِينَ يَلْبِسُونَ

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ يُطِيعُونَ الْمَخْلُوقَ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ وَ يَحْتَلِبُونَ الدُّنْيَا دَرَّهَا بِالدِّينِ وَ يَشْتَرُونَ عَاجِلَهَا بِآجِلِ الْأَبْرَارِ الْمُتَّقِينَ وَلَنْ يَفُوزَ بِالْخَيْرِ إِلَّا عَامِلُهُ وَلَا يُجْزَى جَزَاءَ الشَّرِّ إِلَّا فَاعِلُهُ فَأَقِمْ عَلَى مَا فِي يَدَيْكَ قِيَامَ الْحَازِمِ [الطَّبِيبِ] الصَّلِيبِ وَ النَّاصِحِ اللَّبِيبِ التَّابِعِ لِسُلْطَانِهِ الْمُطِيعِ لِإِمَامِهِ وَإِيَّاكَ وَ مَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ وَلَا تَكُنْ عِنْدَ النَّعْمَاءِ بَطِراً وَلَا عِنْدَ الْبَأْسَاءِ فَشِلًا وَ السَّلَامِ.

اما بعد! میرے مغربی علاقے کے جاسوس نے مجھے لکھ کر اطلاع دی ہے کہ موسم حج کے لئے شام کی طرف سے کچھ ایسے لوگوں کو بھیجا گیا ہے جو دلوں کے اندھے، کانوں کے بہرے اور آنکھوں کی روشنائی سے محروم ہیں ۔ یہ حق کو باطل سے مشتبہ کرنے والے ہیں اور خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کو خوش کرنے والے ہیں ۔ ان کا کام دین کے ذریعے دنیا کا حصول ہے اور یہ نیک کردار و پرہیزگار افراد کی آخرت کو دنیا کے ذریعے خریدنے والے ہیں جبکہ خیر اس کا حصہ ہے جو خیر کے کام کرے اور شر اس کے حصہ میں آتا ہے جو شر کا عمل کرتا ہے دیکھو اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں ایک تجربہ کار، پختہ کار، مخلص، ہوشیار انسان کی طرح قیام کرنا جو اپنے حاکم کا تابع ہو، اپنے امام کا اطاعت گذار ہو اور خبردار کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی معذرت کرنا پڑے اور راحت و آرام میں مغرور نہ ہو جانا اور نہ شدت کے مواقع پر کمزوری کا مظاہرہ کرنا۔ والسلام

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو اطلاعات کے لئے مامور فرمایا تا کہ ابوسفیان کے کاروان کا تجسس کر کے خبر دے۔

مالک اشتر کے خط میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں دستور دیا کہ اطلاعات کے لئے کچھ افراد کو مامور کرے اور تمام اطلاعات آپ تک بھیجی جائیں، آپؑ نے فرمایا:

ثُمَّ تَفَقَّدْ أَعْمَالَهُمْ، وَابْعَثِ الْعُيُونَ مِنْ أَهْلِ الصِّدْقِ وَالْوَفَاءِ عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ تَعَاهُدَكَ فِي السِّرِّ لِأُمُورِهِمْ حَدْوَةٌ لَهُمْ عَلَى اسْتِعْمَالِ الْأَمَانَةِ، وَالرِّفْقِ بِالرَّعِيَّةِ.[1]

اس کے بعد ان عمال کے اعمال کی بھی تفتیش کرتے رہنا اور نہایت معتبر قسم کے اہل

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ 53.

صدق وصفا کو ان پر جاسوسی کے لئے مقرر کر دینا کہ یہ طرزِ عمل انھیں امانتداری کے استعمال پر اور رعایا کے ساتھ نرمی کے برتاؤ پر آمادہ کرے گا۔

جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا تو محمد بن حنیفہ کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ آپ کو اطلاعات دیتے رہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اَمّا اَنْتَ فَلا. عَلَيْكَ اَنْ تُقِيمَ بَالْمَدِينَةِ وَ تَكُونُ لِي عَيْناً لا تُخْفَ عَنّي شَيْئاًمِنْ اُمُورِهِمْ.[1]

تم میرے ہمراہ نہ آؤ اور مدینہ میں رہو اور تو میرے لئے نظارت کر اور تا کہ مجھ سے کوئی چیز مخفی نہ رہے۔

۲۔محکمہ نظارت

تمام دوسرے محکموں کی طرح اس محکمہ کی بھی ایک ذمہ داری ہے اور وہ یہ کہ تمام ملازمین و آفیسر اور لوگوں کے اعمال پر نظارت کرے اور بدعنوانی کو کنٹرول کرے۔ واضح رہے کہ یہ کام کسی کی شخصی زندگی سے مربوط نہیں بلکہ ملک معاشرے کی سلامتی کے لئے تجسس ہے۔ اگر ایسا محکمہ نہ ہو تو معاشرے میں مجرموں پر کنٹرول پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کی خاص نوعیت و زبان یا مکان سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر دور میں یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے۔

محکمہ اطلاعات مخفی کام کرتا ہے لیکن محکمہ نظارت آشکارانہ اور لوگوں کی نظروں کے سامنے کام کرتا ہے۔

۳۔ تقدیر ساز شخص مسائل میں تجسس، جو شخص شادی کرنا چاہتا ہے یا کسی کو کاروبار میں شریک بنانا چاہے یا ایک حساس ادارہ کھولنا چاہتا ہے تجسس و تحقیق کرنا ضروری ہے تا کہ انسان دھوکہ نہ کھائے اس قسم کا تجسس حرام نہیں ہے۔

---

[1] حیاۃ الحسین، جلد 2، صفحہ 263.

علاج کے طریقے

جب تک اس بیماری کو جڑ سے نہ اکھاڑا جائے اس کا ترک غیر ممکن ہے لہٰذا جوانسان سعادت مند بننا چاہتے ہیں اور وہ اس بیماری سے دور رہیں۔ سوئے ظن نہ کریں کیونکہ اس سے انسان دوسروں کے امور میں وضاحت کرتا ہے اور ان کے اعمال میں تجسس کرنے لگتا ہے۔ حسد، کینہ، عداوت وتکبر تجسس کے عوامل میں سے شمار ہوتے ہیں۔

حقارت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے جیسے انسان تلاش کرے کیا جو شخص اس کے انجام کو دیکھتا ہے وہ راضی ہے کہ دوسروں کے امور میں تجسس کرے؟ اگر راضی نہیں تو پھر کیوں دوسروں کے اسرار میں جستجو کرتا ہے۔ سوا تجسس کے برے اثرات سے انسان اور معاشرے کے لئے دنیا وآخرت میں سخت عذاب الٰہی ہے جو شخص دوسرے کے راز فاش کرے گا خدا اس کے عیوب کو ظاہر کردے گا۔

راز داری اور فاش راز

یہ مسئلہ درحقیقت پہلی بحث کی تکمیل کے لئے ہے۔ دوسرے لفظوں میں راز داری کو ایک فضیلت اور راز فاش کو ایک گناہ شمار کیا جاتا ہے۔ بہرحال راز داری کی تعریف یہ ہے کہ: بہت سے لوگ اچھے یا برے اعمال رکھتے ہیں اگر انہیں فاش کیا جائے تو اس شخص کے لئے ضرر ہوگا۔

مثال کے طور پر ایک معزز شخص شیطانی وسوسہ سے گناہ کا مرتکب ہوگیا ہو اور بعض افراد اس گناہ کے عمل و اسباب جانتے ہیں لہٰذا اگر وہ اس کا گناہ فاش کریں وہ معاشرے کی نظروں میں گر جائے گا وہ ان سے درخواست بھی کرتا ہے کہ اسے راز داری میں رکھیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کار خیر انجام دیا اگر اس کو عام کریں تو شاید وہ غرور میں پڑ جائے۔ یا لوگ اس کے پیچھے پڑ جائیں کہ دوسرے سے بھی مدد کرے حالانکہ وہ نہ کرسکتا ہو۔

اسی طرح بعض لوگوں کو کسی کی اچھائی بتانے سے اس کے لئے ضرر ہوتا ہے مثال کے طور پر اگر یہ مشہور کردیں

کہ فلاں ڈاکٹر شیعہ حضرات کا مفت علاج کرتا ہے تو دشمن اہل بیت یہ برداشت نہیں کرتا لہٰذا ممکن ہے وہ اس کو قتل کردیں۔ پس رازداری صرف گناہ سے مربوط نہیں بلکہ بعض اوقات نیکی میں راز داری سے کام لینا چاہتے۔ قرآن میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۶ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم (یونہی چھوڑ) دیئے جاؤ گے اور ابھی تک خدا نے ان لوگوں کو ممتاز کیا ہی نہیں جو تم میں کے (راہ خدا میں) جہاد کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا راز دار دوست نہیں بناتے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے بھی باخبر ہے۔

یہ آیت کہتی ہے کہ ان افراد کو راز بتاؤ جو حفاظت کر سکتے ہیں۔

۲۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۸ میں خود فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اے ایماندارو اپنے (مومنین کے) سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ (کیونکہ) یہ غیر لوگ تمہاری بربادی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھیں گے (بلکہ) جتنا تم زیادہ تکلیف میں پڑو گے اتنا ہی یہ لوگ خوش ہوں گے دشمنی تو ان کے منہ سے ٹپکی پڑتی ہے اور جو (بغض و حسد) ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ کہیں اس سے بڑھ کر ہے ہم نے تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو

اس میں تاکید کی گئی ہے مومن کو راز دار بنا سکتے ہو اور غیر مسلمان کو راز دار نہ بناؤ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کے بارے میں راز داری سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۳ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ.[1]

اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیوی (حفصہ) سے چپکے سے کوئی بات کہی پھر جب اس نے (باوجود ممانعت) اس بات کی (عائشہؓ کو) خبر دے دی اور خدا نے اس امر کو رسولؐ پر ظاہر کر دیا تو رسولؐ نے (عائشہؓ کو) بعض بات (قصّہ ماریہ) جتا دی اور بعض بات (قصہ شہد) ٹال دی غرض جب رسولؐ نے اس واقعہ (حفصہ کے افشائے راز) کی اس (عائشہ) کو خبر دی تو (حیرت سے) بول اُٹھی آپ کو اس بات (افشائے راز) کی کس نے خبر دی رسولؐ نے کہا مجھے واقف کار خبردار (خدا) نے بتا دیا۔ (تو اے حفصہ و عائشہ) اگر تم دونوں (اس حرکت سے) توبہ کرو تو (خیر کیونکہ) تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور تم دونوں رسولؐ کی مخالفت میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) خدا اور جبرئیل اور تمام ایمانداروں میں نیک شخص ان کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ کل فرشتے مددگار ہیں۔

اس کے علاوہ سورہ توبہ کی آیت ۱۰۲ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۰۲

اور کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا (تو) اقرار کیا (مگر) ان لوگوں نے بھلے کام کو اور کچھ بُرے کام کو ملا جلا (کرگول مول کر) دیا قریب ہے کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے (کیونکہ) خدا تو یقینی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

---

[1] سورۂ تحریم: ۳،۴

رازداری روایات کی روشنی میں

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمانَةٌ.[۱]

جب کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی بات کرتا ہے اور پھر اطراف میں دیکھتا ہے تو وہ امانت ہے اور راز فارش کرنا خیانت ہے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَفْشى سِرّاً اِسْتَودَعَهُ فَقَدْ خانَ.[۲]

جس شخص کے پاس کسی کا راز ہو اور وہ فاش کرے تو یہ خیانت ہے۔

۳۔ آپؑ ہی نے فرمایا:

مَنْ كَشَفَ حِجابَ اَخِيهِ اِنْكَشَفَ حِجابُ بَيْتِهِ.[۳]

جو شخص کسی مسلمان بھائی کے رازوں کو فاش کرتا ہے تو غداری کے عیوب ظاہر کر دیتا ہے۔

۴۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا:

جُمِعَ خَيْرُ الدُّنيا وَ الآخرةِ فِي كِتْمانِ السِرِّ وَ مُصادِقَةُ الأخْيارِ وَ جُمِيعَ الشَّرِ فِي الأذاعَةِ وَ مُواخاةُ الأَشرارِ.[۴]

دنیا و آخرت کی تمام اچھائیاں دو چیزوں میں جمع ہیں:

---

[۱] المحجة البیضاء، جلد 5، صفحہ 237.

[۲] شرح غرر، جلد 5، صفحہ 268، حدیث 8295.

[۳] شرح غرر، جلد 5، صفحہ 371، حدیث 8802.

[۴] بحارالانوار، جلد 71، صفحہ 178، حدیث 17.

ا راز داری اور ۲ نیک افراد سے دوستی

اور تمام برائیں دو چیزوں میں جمع ہیں:

ا راز فاش کرنا اور ۲ برے افراد کی صحبت۔

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوذر ؓ کو نصیحت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

يَا اَبَاذَرٍّ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ، وَ اِفْشَاءُ سِرِّ اَخِيكَ خِيَانَةٌ، فَاجْتَنِبْ ذٰلِكَ; [۱]

محافل ومجالس خصوصی امانت ہیں، مومن بھائی کا راز فاش کرنا خیانت ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرو۔

راز داری کے مختلف شعبے ہوتے ہیں۔

۱۔ دوسرے کے اسرار کی حفاظت۔

۲۔ اپنے رازوں کی حفاظت

۳۔ اولیاء دین کے اسرار کی حفاظت

۴۔ اسرار نظام حکومت اسلامی

یہ سب دوسروں کے رازوں کے بارے میں بحث ہوئی ہے لیکن اپنے رازوں کی حفاظت بھی روایات میں ہے کہ اگر راز فاش ہوجائے تو حسد، کینہ اور دشمنی پیدا ہوسکتی ہے۔

ا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

سِرُّكَ سُرُورُكَ اِنْ كَتَمْتَهُ وَاِنْ اَذَعْتَهُ كَانَ ثُبُورَكَ. [۲]

تیرا راز تیری خوشحالی ہے اس شرط کے ساتھ کہ اسے چھپائے رکھو اگر اسے فاش کرو گے تو ہلاک ہوجاؤ گے۔

۲۔ ایک اور جگہ فرمایا:

---

[۱] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 89.

[۲] غررالحکم، جلد 4، صفحہ 141، حدیث 5616.

سِرُّكَ اَسِيرُكَ فَاِنْ اَفْشَيْتَهُ سِرْتَ اَسِيرَهُ.[۱]

تیرا راز تیرا اسیر ہے اگر اسے فاش کرو گے تو اس میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

۳۔ آپ ہی نے فرمایا:

صَدْرُ الْعَاقِلِ صُنْدُوقُ سِرِّهِ.[۲]

عاقل کا سینہ رازوں کا خزینہ ہوتا ہے۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

سِرُّكَ مِنْ دَمِكَ فَلا يَجْرِيَنَّ مِنْ غَيْرِ اَوْداجِكَ.[۳]

تیرا راز تیرے خون کی مثل ہے فقط تیری رگوں میں جاری ہے۔

۵۔ امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومن میں تین خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ سنت خدا، سنت رسولؐ وسنت ولی پھر فرمایا:

فَسُنَّةٌ مِنْ رَبِّهِ كِتْمانُ سِرِّهِ قالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: عالِمُ الْغَيْبِ فَلا يُظْهِرُ عَلى غَيْبِهِ اَحَداً اِلّا مَنِ ارْتَضى مِنْ رَسُولٍ.[۴]

خدا عالم غیب جانتا ہے اور اسرار غیب کسی پر فاش نہیں کرتا سوائے رسولوں، پھر سنت رسولؐ لوگوں سے حسن اخلاق اور سنت ولی کو مشکلات کے مقابلے میں صبر کو شمار کیا بعض روایات میں ملتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے تمام راز کسی کو نہ بتائے کیوں کہ ہوسکتا ہے جس کو تم نے راز بتائے ہیں وہ تمہارا دوست اور ایک دن دشمن بن جائے اور موقع سے فائدہ اٹھائے ہوئے تمہارا راز فاش کرتا پھرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لا تَطَّلِعْ صَدِيقَكَ مِنْ سِرِّكَ اِلّا عَلى مالَوِ اطَّلَعَتْ عَلَيْهِ عَدُوكَ لَمْ

---

[۱] غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 146.

[۲] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 6.

[۳] میزان الحکمۃ، جلد 4، صفحہ 427.

[۴] بحار الانوار، جلد 72، صفحہ 68.

يَضُرُكَ. فَإِنَّ الصَّدِيقَ قَدْ يَكُونُ عَدُوّاً يَوماً ما.[1]

اپنے دوست کو اتنا راز دار بناؤ کہ اگر تمہارا دشمن اس سے آگاہ ہوجائے تو ضرر نہ دے کیونکہ ممکن ہے دوست دشمن بن جائے۔

بہت سی روایات میں ملتا ہے کہ اولیائے خدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے اسرار بھی فاش نہ کیے جائیں۔ یہ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر اہل بیت علیہم السلام کی کرامات لوگوں کو بتائیں تو وہ غلو کرنے لگ جائیں گے جس سے شیعہ بدنام ہوں گے۔

تاریخ اسلام میں ملتا ہے کہ بعض ائمہ قیام کرنا چاہتے تھے لیکن چند بے معرفت شیعہ نے دشمن کو بتادیا جس سے وہ قیام بے ہدف رہ گئے۔ اب ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو ائمہ کے راز کو راز رکھنے پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِذا تَقارَبَ هذا الْأَمْرُ كانَ أَشَدُّ لِلتَّقِيَّه.[2]

ج ہمارا قیام نزدیک ہوجائے تو اسے راز کو راز رکھیں۔

۲۔ آپؑ ہی نے فرمایا:

مَنْ أَفْشى سِرَّنا أَهْلَ الْبَيْتِ أَذاقَهُ اللهُ حَرَّ الْحَدِيد.[3]

جو شخص ہمارے راز کو فاش کرتا ہے خداوند عالم گرم لوہے سے اسے جلائے گا۔

۳۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے ایک اصحاب سے فرمایا:

آمُرُكَ أَنْ تَصُونَ دِينَكَ وَ عِلْمَنا الَّذِى أَوْدَعْناكَ. وَ أَسْرارَنا الَّذِى حَمَّلْناكَ فَلا تُبْدِ عُلُومَنا لِمَنْ يُقابِلُها بِالْعِنادِ...و لا تُفْشِ سِرَّنا إِلى مَنْ يَشْنَعُ عَلَيْنا عِنْدَ الْجاهِلِينَ بِأَحْوالِنا.[4]

میں تمہیں دستور دیتا ہوں کہ اپنے دین کی حفاظت کرو اور جو علم تیرے پاس امانت ہے

---

[1] میزان الحکمہ، جلد 4، صفحہ 427، حدیث 8419.

[2] بحار، جلد 72، صفحہ 412.

[3] بحار، جلد 72، صفحہ 412.

[4] بحار الانوار، جلد 72، صفحہ 418.

اس کی حفاظت کرو اور ہم نے اپنے اسرار تمہیں سپرد کیے ہیں۔ لہٰذا ہمارے راز دشمنوں کو نہ بتانا بے معرفت لوگوں کو ہمارے حالات سے آگاہ نہ کرنا کہ وہ ہم پر عیب لگاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت علیہم السلام کے حالات و راز و بامعرفت لوگوں سے بیان کرنا روایت ہے صرف ان لوگوں کو نہ بتایا جائے جو اتنی معرفت نہیں رکھتے۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

اِمْتَحِنُوا شِيْعَتَنا عِنْدَ ثَلاث: عِنْدَ مَواقِيتِ الصَّلاةِ كَيْفَ مُحافِظَتُهُمْ عَلَيْها، وَ عِنْدَ اَسْرارِهُمْ كَيْفَ حِفْظُهُمْ لَها عَنْ عَدُوّنا وَ اِلَى اَمْوالِهِمْ كَيْفَ مُواساتِهِمْ لِاِخْوانِهِمْ فِيها.[۱]

ہمارے شیعہ کا تین چیزوں سے امتحان لو۔

الف نماز کے وقت کہ وہ نماز کی کیسے حفاظت کرتا ہے۔

ب اسرار کی دشمن سے کیسے حفاظت کرتا ہے۔

ج کیا اموال میں مساوات سے کام لیتا ہے؟

۵۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

ما قَتَلنا مَنْ اَذاعَ حدِيثَنا قَتْلَ خَطاءٍ وَلٰكِنْ قَتَلَنا قَتْلَ عَمْدٍ.[۲]

جو ہمارے اسرار کو فاش کرتا ہے اس نے ہمیں غلطی سے قتل نہیں کیا بلکہ اس نے ہمیں جانتے بوجھتے قتل کیا ہے۔

۶۔ بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کو بعض مشکلات کا جو سامنا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ شیعہ ائمہ علیہم السلام راز فاش کر دیتے تھے اور وقت کے حاکم کو معلوم ہو جاتا تھا جس سے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

۷۔ اس آیت: "وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ"[۳] کی تفسیر میں فرمایا:

---

[۱] بحارالانوار، جلد 80، صفحہ 22.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 370، حدیث 4.

[۳] سورۂ آل عمران: ۱۱۲

أَما وَاللهِ ما قَتَلُوهُمْ بِأَسْيافِهِمْ وَلكِنْ اَذاعُوا سِرَّهُمْ وَ اَفْشَوْا عَلَيْهِمْ فَقُتِلُوا۔[۱]

خدا کی قسم! پیغمبروں کو اتنا تلواروں سے قتل نہیں کیا گیا جتنا ان کے اسرار کو فاش کر کے قتل کیا گیا۔

۸۔ ایک روایت مفضل بن عمر سے نقل ہوئی ہے کہ جس دن معلّٰی بن خنیس کو قتل گیا تو میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یابن رسول اللہ! کیا آج کے واقعہ کو جانتے ہیں؟

آپؑ نے پوچھا: کیا ہوا ہے؟

میں نے عرض کیا: معلّٰی بن خنیس کو قتل کر دیا گیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا:

رَحِمَ اللهُ الْمُعَلّٰى قَدْ كُنْتُ اَتَوَقَّعُ ذٰلِكَ اَنَّهُ قَدْ اَذاعَ سِرَّنا. وَلَيْسَ النّاصِبُ لَنا حَرْباً بِاَعْظَمِ مَؤُنَةً عَلَيْنا مِنَ الْمُرِيعُ عَلَيْنا سِرَّنا۔[۲]

خدا معلّٰی پر رحمت کرے، مجھے اس سے یہی امید تھی اس نے ہمارے رازوں کو فاش کیا اور جو ہمارے خلاف جنگ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کی مشکل اس سے زیادہ نہیں جو ہمارے راز کو فاش کرتا ہے۔

بہر حال ائمہ علیہم السلام کے اسرار کی حفاظت کرنا مسلمات میں سے ہے کیونکہ راز فاش ہوجائیں تو دشمن میں جسارت کی آگ بھڑک اٹھے گی اور وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

راز داری رکھنے کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اپنے اصحاب کو اس کی نصیحت فرماتے تھے اور بہت سی جنگوں میں فتح کا راز بھی یہی تھا یعنی اسرار اور راز داری سے کام لیا گیا۔

مثلاً اگر فتح مکہ کے وقت اسلامی فوج کی مکہ کی طرف روانگی اگر فاش ہوجاتی تو تقیناً کفار مکہ اس قدر آسانی کے ساتھ مغلوب نہ ہوتے بلکہ بھرپور مقابلہ کی کوشش کرتے نتیجتاً بہت زیادہ جانوں کا زیاں ہوتا خون بہتا، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا بہت زیادہ اہتمام کر رکھا تھا اور اس راز کو فاش نہ ہونے دیا جس کے نتیجے میں مشرکین مکہ

---

[۱] مرآۃ العقول، جلد 11، صفحہ 64. (حدیث شمارہ 7).

[۲] مرآۃ العقول، جلد 11، صفحہ 62.

بغیر جنگ لڑے مغلوب ہو گئے۔

روایات میں بھی راز کو راز رکھنے کی طرف اشارہ ملتا ہے:

۱۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلظَّفَرُ بِالْحَزْمِ وَ الْحَزْمُ بِإجالَةِ الرَّأْيِ وَ الرَّأْيُ بِتَحصِينِ الْاَسْرارِ۔[۱]

کامیابی و کامرانی دور اندیشری کا نتیجہ ہے اور دور اندیشی صحیح نگہداری ہے اور صحیح نگہداری یہ ہے کہ اپنے رازوں کو چھپایا جائے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ عَيَّرَ قَوماً بِالْاِذاعَةِ. فَقالَ اِذا جاءَهُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذاعُوا بِهِ. فَاِيّاكُمْ وَالْاِذاعَةَ۔[۲]

خداوند عالم نے ایک گروہ کو اسرار فاش کرنے کی وجہ سے اس کی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ جب انہیں امنیت یا خوف کے بارے میں معلوم ہو اور وہ اسے فاش نہ کریں لہٰذا راز داری سے کام لو اور راز فاش کرنے سے پرہیز کرو۔

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اِظْهارُ الشَّيءِ قَبْلَ اَنْ يَسْتَحْكِمَ مَفْسَدَةٌ لَهُ۔[۳]

کسی چیز کا استحکام پانے سے پہلے اظہار فساد کا باعث بن جاتا ہے۔

کیونکہ دشمن باخبر ہو جاتا ہے اور راستے میں کانٹے بچھا دیتا ہے۔

---

[۱] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 48.

[۲] مرآۃ العقول، جلد 11، صفحہ 65.

[۳] بحار الانوار، جلد 72، صفحہ 71.

اسرار فاش کرنے کے نتائج

ہر انسان کی زندگی کے اسرار و رموز ہوتے ہیں۔بعض ضعف ایمان اورعیب سے مربوط ہیں اوربعض اس کی کامیابی کے بارے میں ہیں۔ جوضعف ایمان سے مربوط ہیں ان کے فاش ہونے سے انسان معاشرے میں گرجاتا ہے۔اس کی آبروریزی ہوجاتی ہے۔لہٰذا ہر انسان اپنے رازوں کو پوشیدہ رکھیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس طرح فرماتے ہیں:

اِحْفَظْ لِسانَكَ تُعِزَ، وَلا تُمَكِّنِ النّاسَ مِنْ قِيادِ رَقَبَتِكَ فَتُذِلَ.[۱]

اپنی زبان کی حفاظت کروتا کہ آبرومند ہواور اپنے اختیار کولوگوں کے ہاتھ میں نہ دو کہ ذلیل ہوگے۔

اس حدیث کے شروع میں یہ آیا ہے:

اِنْ كانَ فِي يَدِكَ هذِهِ شيءٌ، فَإنِ اسْتَطَعْتَ الّا تُعْلَمَ هذِهِ فَافْعَلْ.[۲]

اگرکوئی راز کی بات تیرے پاس ہے اگرتمہارے سوا کوئی دوسروں کوآگاہ نہیں کرسکتا تو ایسا ضرور کرو(اس کوراز میں رکھو)۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان دوسروں کے راز سے واقف ہوجائے تو وہ اس کے لئے امانت ہیں اور اگرراز فاش کرتا ہے تواس نے خیانت کی ہے۔

لہٰذا جتنا ممکن ہو اپنے رازوں سے کسی کو باخبر نہ کرو کیوں کہ عاقل کا سینہ رازوں کا خزینہ ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جس نے ہمارے راز کو فاش کیا اس نے ہمیں عمداً قتل کیا۔

بحار الانوار میں علامہ مجلسیؒ ایک دلچسپ حدیث نقل کرتے ہیں کہ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 225، حدیث 14.

[۲] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 225، حدیث 14.

دو افراد حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور سخت درد میں مبتلا تھے۔ انہیں اپنے گھر (آرام کرنے کے لئے) لے جایا گیا ان دونوں نے دو ماہ تک سخت حالات میں گزارے اور ان کی صحت ٹھیک نہ ہوئی۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ انہیں حاضر کیا جائے۔ جیسے ہی وہ آئے تو آپؑ نے پوچھا: تمہارا حال کیسا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ہم سخت درد میں مبتلا ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: جس گناہ کی وجہ سے تم نے یہ سختی سے دیکھی اس سے توبہ کرو۔

انہوں نے عرض کیا: ہم سے کیا گناہ سرزد ہوا۔

آپؑ نے ایک کی طرف رخ کیا اور فرمایا: فلاں شخص نے سلمان فارسیؓ کی بدگوئی کی تھی لیکن تم نے دفاع نہیں کیا حالانکہ تجھے جان و مال کا خوف بھی نہ تھا۔ صرف تو شرمندگی کی وجہ سے چپ رہا اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تیرا درد ختم کر دے تو آئندہ کے لئے عزم کرلو کسی مومن بھائی کی بدگوئی نہیں سنو گے۔ ہاں اگر جان و مال خطرے میں ہو تو وہ ایک دوسری بات ہے۔

اب آپؑ نے دوسرے کو خطاب کیا اور فرمایا: کیا تجھے یاد ہے تو اس مصیبت میں کیوں مبتلا ہوا ہے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دن قنبر ایک حاکم کے دربار میں حاضر ہوا اور تو اس کے احترام کے لئے اٹھا اور اس حاکم نے اعتراض کیا کہ تو نے قنبر کا احترام کیوں کیا تو تم نے کہا: وہ با فضیلت انسان ہیں اور فرشتے بھی اس کا احترام کرتے ہیں اور وہ فرشتوں کے پروں پر چلتا ہے۔ جب حاکم نے یہ سنا تو اسے سخت غصہ آ گیا اور اس نے قنبر کو تکلیف پہنچائی۔[1]

---

[1] بحارالانوار، جلد 26، صفحہ 237. (بالتلخیص).

اظہارِ راز کی ضرورت

بعض اوقات ضرورت پڑتی ہے کہ انسان اپنا راز دوسروں کو بتائے، ایسے موقع پر حکم دیا گیا ہے کہ کسی عاقل اور امین فرد کو راز بتائیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَسَرَّ اِلٰی غَیْرِ ثِقَةٍ فَقَدْ ضَیَّعَ اَمْرَهُ.[۱]

جو شخص اپنے رازوں کو غیر مطمئن شخص کو بتاتا ہے تو اس نے گویا اپنے رازوں کو ضائع کیا۔

ہمیں دستور دیا گیا ہے کہ اگر ضرورت بھی ہو تو صرف ایسے شخص سے کہو جو تیرے راز کی حفاظت کرسکتا ہو اور راز فاش نہ کرتا ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَضَعْ سِرَّكَ عِنْدَ مَنْ لَا سِرَّ لَهُ عِنْدَكَ.[۲]

ایسے شخص کو راز نہ بتاؤ جو تجھے راز نہیں بتاتا۔ لہٰذا اپنے راز دوسروں کو بتانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ ضَعُفَ عَنْ حِفْظِ سِرِّهِ لَمْ یُطِقْ سِرَّ غَیْرِهِ.[۳]

جو شخص اپنے راز نہیں رکھ سکتا وہ دوسروں کے راز کیسے چھپا سکتا ہے۔

---

[۱] شرح غرر الحکم، جلد 5، صفحہ 257.

[۲] شرح غرر الحکم، جلد 5، صفحہ 255.

[۳] ہمان مدرک، جلد 5، صفحہ 403.

راز فاش کرنے کے اسباب اور علاج

۱۔ حسد کی وجہ سے لوگ دوسروں کے راز فاش کرتے ہیں۔

۲۔ ایک سبب کینہ ہے جس سے وہ لوگوں کے راز فاش کرتے ہیں۔

۳۔ جہالت و نادانی بھی ایک سبب ہے جو لوگ دوسروں کے اسرار غیروں کو بتاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

تین افراد کو اپنا راز نہ بتاؤ ان میں ایک شخص احمق ہے۔لہٰذا احمق کو راز نہ بتاؤ۔[۱]

آپؑ ہی نے فرمایا:

لَاتُسِرَّ اِلَی الْجَاهِلِ شَيْئًا لَا يُطِيقُ كِتْمَانَهُ.[۲]

جاہل شخص کو اپنا راز نہ بتاؤ کیونکہ وہ چھپانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

۴۔ لوگوں کے لئے پنہانی راز شگفت انگیز ہوتے ہیں وہ ایسی باتیں سننے میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو لطف اندوز ہوتے ہیں۔

۵۔ بعض لوگ غفلت کی وجہ سے دوسرے کے راز فاش کرتے ہیں لہٰذا یہ بھی ایک عامل ہے۔اگر راز دو افراد سے تجاوز کر جائے تو فاش ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے عمار نامی صحابی سے پوچھا:

كُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ الْاِثْنَانِ شَاعَ.

کیا تم اس راز کو دوسرے کو بتاتے ہو جو ہم نے تجھے بتائے ہیں؟

اس نے عرض کیا: نہیں، صرف سلیمان بن خالد کو کہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: آفرین و شاباش ہو تم پر۔

---

[۱] غرر الحکم، حدیث 4662.

[۲] غرر الحکم، حدیث 10265.

کیا تو نے شاعر کا یہ قول سنا ہے جس میں وہ کہتا ہے:

فَلا یَعُدُوَنْ سِرّی وَ سِرّکَ ثالِثاً اَلا کُلُّ سِرٍّ جاوَزَ الِاثْنَیْنِ شایعُ

میرے اور تیرے درمیان والا راز تیسرے شخص کے پاس نہیں جانا چاہیے۔جس راز سے دو آدمیوں سے زیادہ کوئی واقف ہوجائے وہ راز فاش ہوجاتا ہے۔[1]

علاج کا طریقہ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راز فاش ہونے سے انسان کا اعتماد ختم ہوجاتا ہے آبرو ریزی ہوئی ہے۔معاشرے میں آدمی کا مقام گرجاتا ہے۔اگر راز کسی مکتب یا ملک اور معاشرے سے مربوط ہے تو اس سے اور زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔مکتب کے لوگ اسیر ہوجاتے ہیں اور بے گناہ خون بہتا ہے اور مال کو غارت کر لیتے ہیں۔

حسد، جہل اور کینہ کی بیماری کو ختم کرنے سے اس بیماری کا علاج ممکن ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 224، حدیث 9.

۱۴۔ حلم وغضب

غصہ اورغضب انسان کے بدترین حالات میں سے ایک حالت ہے اگر اسے کنٹرول نہ کیا جائے تو انسان جنون کی حدتک پہنچ سکتا ہے۔حتیٰ کہ وہ اعصابی مریض ہوجاتا ہے اورقتل جیسے خطرناک جرم کا مرتکب ہوسکتا ہے۔غصہ اور غضب ایک جلا دینے والی آگ ہے جوکئی گھروں بلکہ شہروں کوجلاسکتی ہے۔اگر تاریخ کا مطالعہ کریں بہت سے واقعات نظرآتے ہیں جس سے اسلامی معاشرہ جل کر رہ گیا ہے۔اس موضوع پرآیات الٰہی کی تفسیر کرتے ہیں تو جہ کریں:

①۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔[1]

اور جولوگ بڑے بڑے گناہوں اور بےحیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں اور جب غصّہ آجاتا ہےتو معاف کردیتے ہیں۔

②۔ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔[2]

---

[1] شوریٰ:37

[2] آل عمران:134

جو خوشحالی اور مشکل کے وقت میں بھی (خدا کی راہ پر) خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگزر کرتے ہیں۔ اور نیکی کرنے والوں سے خدا اُلفت رکھتا ہے۔

۳۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔[1]

اور ذوالنون (یونسؑ کو یاد کرو) جب کہ غصّے میں آکر چلے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر روزی تنگ نہ کریں گے (تو ہم نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا) تو (گھٹا ٹوپ) اندھیرے میں (گھبرا کر) چلّا اٹھا کہ (پروردگارا) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے بے شک میں قصوروار ہوں۔

۴۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔[2]

اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آزر) کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کرلیا تھا پھر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ یقینی خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیمؑ یقیناً بڑے دردمند بُردبار تھے۔

۵۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ۔[3]

بے شک ابراہیمؑ بردبار نرم دل (ہر بات میں خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔

۶۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔[4]

تو ہم نے ان کو ایک بڑے نرم دل لڑکے (کے پیدا ہونے کی) خوشخبری دی۔

۷۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

---

[1] انبیاء:87

[2] توبہ:114

[3] ہود:75

[4] صافات:101

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا.[1]

اور (خدائے) رحمن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (تم سلامت رہو)۔

۸۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ.[2]

(اے رسولؐ) تم درگزر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

تفسیر و خلاصہ

پہلی آیت میں پاک دل مومنین صفات اور ان پر اللہ کے الطاف کا ذکر ہوا ہے۔ خدا پر توکل و ایمان کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ.

اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں اور جب غصّہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

جب انسان میں غصہ وغضب کی آگ بھڑکے اسے مومنین کنٹرول کر لیتے ہیں اور گناہ سے ہاتھ آلودہ نہیں کرتے۔ گناہوں سے اجتناب کے بعد اس صفت کا ذکر ہے اور یہ اس لئے ہے کہ بہت سے گناہوں کا سرچشمہ غصہ و غضب ہوتا ہے۔ مومنین غصہ وغضب نہیں کرتے انہیں غصہ وغضب پر کنٹرول ہوتا ہے۔

دوسری آیت میں پرہیزگاروں کو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے اور اس جنت کی وسعت زمین و آسمان کے وسعت کے برابر ہے۔ اس کے بعد انفاق کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

---

[1] فرقان: 63

[2] اعراف: 199

جو خوشحالی اور کٹھن کے وقت میں بھی (خدا کی راہ پر) خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگزر کرتے ہیں۔ اور نیکی کرنے والوں سے خدا اُلفت رکھتا ہے۔

اس آیت میں بخشش و مغفرت کے وعدہ کے بعد کہا گیا ہے کہ اگر کوئی خطا کرتا ہے تو اسے یاد خدا کرنی چاہیے اور استغفار کرے اور خداوند عالم بھی انہیں بخش دیتا ہے جو افراد دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں خدا بھی انہیں معاف کر دیتا ہے۔

تیسری آیت میں ایک نبی کے غصہ وغضب کا ذکر ہوا ہے یعنی یونس علیہ السلام اپنی امت پر غضب ناک ہوئے۔ ان کا غصہ ظاہری طور پر مقدس تھا لیکن درحقیقت وہ جلد بازی تھی لہٰذا حضرت یونس علیہ السلام سے ترک اولیٰ سرزد ہوا جس کا انہیں امتحان دینا پڑا۔ آخر میں انہوں نے توبہ کی خداوند عالم فرماتا ہے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ.

اور ذوالنون (یونسؑ کو یاد کرو) جب کہ غصّے میں آ کر چلے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر روزی تنگ نہ کریں گے (تو ہم نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا) تو (گھٹا ٹوپ) اندھیرے میں (گھبرا کر) چلّا اٹھا کہ (پروردگارا) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے بے شک میں قصوروار ہوں۔

سرانجام یہ ہوا کہ کافی سختی کے بعد خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی اور مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔ جب باہر آئے تو آپؑ کا بدن بہت ہی کمزور، ضعیف اور ملائم تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ چالیس دن

۲۔ ایک ہفتہ

۳۔ تین روز

ایک روایت حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اس کے مطابق وہ صرف ۴ گھنٹے رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کونسا ترک اولیٰ کیا تھا جس کی وجہ سے انہیں یہ امتحان دینا پڑا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ نبی یا امام گناہ نہیں کرتا بلکہ وہ معصوم ہوتا ہے۔ اگر حضرت یونس علیہ السلام کچھ اور تحمل و

صبر کر لیتے یعنی دعوت حق کی تاثیر میں انہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ آخر ان کی قوم میں بیداری آ گئی اور انہوں نے اللہ سے توبہ کی جس سے عذاب ٹل گیا یہاں غضب سے مراد گناہگار قوم پر غضب تھا (نہ کہ حضرت یونس علیہ السلام پر)۔

وہ آیات جو حلم و بردباری پر دلالت کرتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی اور دوسری آیت میں خداوندعالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا **حلیم اوّاہ یا اوّاہ حلیم** کے الفاظ سے تعارف کرایا۔ پہلی آیت میں ان کے چچا آذر کی سرپیچی کا ذکر ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دعوت توحید دی اور اس کے لئے استغفار کیا۔ دوسری آیت میں فرشتوں کو خبر دی گئی کہ قوم لوط کو عذاب ہوگا۔

''اواہ'' کا معنی مہربان و رحیم ہے اور لوگوں کی ہدایت کے لئے زیادہ دل سوزی ہوتی ہے۔

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''اواہ حلیم'' یا ''حلیم آواہ'' کی صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے خدا غصہ اور غضب پر قابو پانے والے حلیم و بردبار ہوتے ہیں۔ حتیٰ مجرمین اور گناہگار کو گناہوں سے نجات دلانے کے لئے انبیاء میں یہ صفت موجود ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف اپنے متعصب چچا آذر کے بارے میں حلیم و بردبار تھے بلکہ قوم لوط کے لئے بھی دلسوز تھے لیکن حکم خدا آ پہنچا اور حلیم و بردباری اس کے چچا اور قوم لوط کے لئے کافی تھی لیکن وہ ہدایت کے قابل نہیں تھے اور آخر قوم لوط عذاب میں مبتلا ہوگئی۔

چھٹی آیت میں خداوندعالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمت کا ذکر کیا اور فرمایا:

فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ.

تو ہم نے انکو ایک بڑے نرم دل لڑکے (کے پیدا ہونے کی) خوشخبری دی۔

انسان کی تمام صفات میں سے صرف ان دو صفات حلیم و بردباری پر تکیہ کیا گیا۔

راغب نے مفردات میں لکھا:

> ''حلم'' غصہ و غضب کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول کے معنی میں ہے، اس سے عقل و خرد پیدا ہوتا ہے لہذا علم بمعنی عقل بھی استعمال ہوا ہے۔ حلم والی صفت حضرت اسماعیل میں پائی جاتی تھی۔ جب حکم آیا کہ اسے ذبح کیا جائے تو انہوں نے حلم و بردباری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بعد والی آیت میں ہے:

يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ.

اسماعیلؑ نے کہا ابّا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے اس کو (بے تامل) کیجیے۔

ساتویں آیت میں عبدالرحمن یعنی اللہ کے خالص بندوں کی بارہ صفات کا ذکر ہوا ہے۔ خدا فرماتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا.

اور (خدائے) رحمن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (تم سلامت رہو)۔

اگرچہ آیت میں حلم کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن مفہوم سے سمجھا جاتا ہے مراد حلم ہی ہے یعنی اللہ کے خالص بندے جاہلوں کی سخت کلامی میں غصہ نہیں کرتے بلکہ بردبار ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا: میری امت کا ایک گروہ جسے میں دوست رکھتا ہوں اور وہ مجھے دوست رکھتے ہیں وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے لیکن میں انہیں دیکھ رہا ہوں (پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کچھ صفات بیان فرمائی)۔

پھر یہ آیت نازل ہوئی:

اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا.

یہاں سلام سے مراد یہ ہے کہ ان سے حسن اسلوبی سے پیش آئیں ان کے غلط اور گالیاں جیسے کلمات پر توجہ نہیں دیتے۔

آٹھویں اور آخری آیت میں سورۂ اعراف میں تین مہم دستور بیان ہوتے ہیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ.

(اے رسولؐ) تم درگزر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسم زندگی بھی ہمیشہ اس طرح تھی کہ جاہلوں اور بے عقل کے مقابلے میں صبر و تحمل سے کام لیتے تھے۔

اس کے بعد کی آیت ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

اور اگر شیطان کی طرف سے تمہاری (امت کے) دل میں کسی طرح کا دغدغہ پیدا ہو تو تم

خدا سے پناہ مانگو (کیونکہ) اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ بڑا سننے والا واقف کار رہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں ملتا ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں:

''مکارم اخلاق کے لئے جامع ترین یہی آیت ہے۔''

مذکورہ مجموعہ آیات سے حلم و بردباری کی فضیلت واضح ہوجاتی ہے۔

غصہ وغضب روایات کی روشنی میں

ہم یہاں پر بارہ احادیث کا ذکر کرتے ہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْغَضَبُ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ.[۱]

غصہ وغضب شیطان کی طرف سے جلتی ہوئی آگ ہے۔

۲۔ آپؐ ہی کا فرمان ہے:

اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ.[۲]

غصب ایمان کوخراب کرتا ہے جس طرح صبر (تلخ دارو) شہد کو خراب کردیتا ہے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

اَعْدَى عَدُوٍّ لِلْمَرْءِ غَضَبُهُ وَ شَهْوَتُهُ، فَمَنْ مَلَكَهُمَا عَلَتْ دَرَجَتُهُ وَ بَلَغَ غَايَتَهُ.[۳]

انسان کا سخت ترین دشمن اس کا غصہ وغضب اور ہوائے نفس ہے جو شخص ان دو کو چھوڑ سکتا ہے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے اور کمال کے آخری مرحلہ پر پہنچ جاتا ہے۔

---

[۱] بحارالانوار، جلد 70، صفحہ 265.

[۲] بحارالانوار، جلد 70، صفحہ 265.

[۳] شرح غرر، جلد 2، صفحہ 454، حدیث 3269.

۴۔ مولا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْغَضَبُ نارٌ مُوْقَدَةٌ. مَنْ كَظَمَهُ اَطْفَأَها. وَمَنْ اَطْلَقَهُ كانَ اَوَّلُ مُحْتَرِقٍ بِها. [۱]

غضب جلتی ہوئی آگ ہے۔ جس نے غصہ پی لیا اس نے آگ کو بجھالیا اور نہیں بجھاتا وہ پہلا شخص آگ میں جلنے والا ہوگا۔

۵۔ آپؑ ہی نے فرمایا:

لَيْسَ لِاِبْلِيْسَ جُنْدٌ اَشَدُّ مِنَ النِّساءِ الْغَضَبِ. [۲]

شیطان کے سپاہی فاسد عورت اور غضب سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْغَضَبُ مِفْتاحُ كُلِّ شَرٍّ. [۳]

غصہ وغضب تمام برائیوں کی کلید ہے۔

۷۔ غضب اس قدر خطرناک چیز ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سے خدا کی پناہ لی ہے اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّى اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَيَجانِ الْحِرْصِ وَ سَوْرَةِ الْغَضَبِ وَ غَلَبَةِ الْحَسَدِ وَ ضَعْفِ الصَّبْرِ وَ قِلَّةِ الْقَناعَةِ. [۴]

خدایا! میں تیری پناہ لیتا ہوں، حرص سے، شدت غضب سے حسد کے غالب آنے سے، ضعیف صبر سے اور قناعت کی قلت سے۔

۸۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] شرح غرر، جلد 2، صفحہ 47، حدیث 1787.

[۲] آثار الصادقین، جلد 15، صفحہ 454.

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 303.

[۴] صحیفہ سجادیہ، دعا 8.

اِيّاكَ وَ الْغَضَبَ فَاَوَّلُهُ جُنُونٌ وَ آخِرُهُ نَدَمٌ.[1]

غضب سے پرہیز کرو کہ جس کا آغاز دیوانگی اور آخر پشیمانی ہے۔

۹۔ آپؑ ہی نے فرمایا:

عِنْدَ غَلَبَةِ الْغَيْظِ وَ الْغَضَبِ يُخْتَبَرُ حِلْمُ الْحُلَماءِ.[2]

غصہ وغضب کے غالب ہونے کے دوران حلیم افراد کا امتحان ہوتا ہے۔

۱۰۔ اس طرح آپؑ نے غصہ کے دردناک انجام کے بارے میں فرمایا:

عُقُوبَةُ الْغَضُوبِ وَ الْحَقُودِ وَ الْحَسُودِ تَبْدَاءُ بِاَنْفُسِهِمْ.[3]

غصہ، کینہ اور حاسد افراد کا انجام دوسروں سے پہلے ان کے اپنے ہی دامن گیر ہوتا ہے۔

۱۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَنْ كَفَّ غَضَبَه سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ.[4]

جو شخص اپنے غصہ پر کنٹرول کر لیتا ہے۔ خدا اس کے عیوب کو چھپاتا ہے۔

۱۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ہی کا فرمان ہے:

اَیُّ شیء اَشَدُّ مِنَ الْغَضَبِ اِنَّ الرَّجُلَ اِذا غَضِبَ يَقْتُلُ النَّفْسَ وَ يَقْذِفُ الْمُحْصَنَ.[5]

غصہ سے بدتر کیا چیز ہے جب انسان غصے میں ہوتا ہے تو انسان کو قتل کرتا ہے، نیک افراد کو گالیاں دیتا ہے اور تہمت لگاتا ہے۔

---

[1] شرح غرر، جلد 2، صفحہ 286، حدیث 2635.

[2] شرح غرر، جلد 4، صفحہ 326، حدیث 6225.

[3] شرح غرر، صفحہ 361، حدیث 6325.

[4] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 293.

[5] سفینۃ البحار، مادہ غضب.

آثار وانجام غضب

جتنے غضب کے برائے آثار ہوتے ہیں اتنے کسی اور گناہ کے نہیں ہوتے اور اس سے بہت ہی زیادہ تباہی و ویرانی ہوتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے اس بات پر توجہ دینی چاہیے کہ غصہ وغضب انسان کا دشمن ہے اور غضب کے وقت عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ انسان دیوانے جیسی حرکات کرنے لگتا ہے اور قریب ترین دوستوں پر بھی حملہ کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ وحشیانہ حالت ہوتی ہے ہر ایک اس آدمی سے ڈرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْاَلْبَابَ وَيُبْعِدُ مِنَ الصَّوابِ.[۱]

غضب آدمی کی عقل کو فاسد کر دیتا ہے اور درست کام سے انسان کو دور کر دیتا ہے۔

اس لئے روایات میں ملتا ہے کہ اگر یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ انسان کی عقل کتنی ہے اسے غصہ کی حالت میں دیکھو کہ اسے اپنے اعصاب وعقل پر کتنی حاکمیت حاصل ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

لَا يُعْرَفُ الرَّأْيُ عِنْدَ الْغَضَبِ.[۲]

فقط غضب کے وقت افراد کی عقل کو دیکھا جا سکتا ہے۔

۲۔ غضب موجب تباہی ایمان ہے۔ غصہ کرنے والے افراد گناہان کبیرہ انجام دیتے ہیں جو درست ایمان کے لئے سازگار نہیں ہے۔ پہلے حدیث بیان ہو چکی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

شِدَّةُ الْغَضَبِ تُغَيِّرُ الْمَنْطِقَ وَتَقْطَعُ مادَّةَ الْحُجَّةِ، وَتُفَرِّقُ الْفَهْمَ.[۳]

---

[۱] الکافی (ط-ال إسلامیة) / ج 7 / 413 / باب أدب الحکم .....ص: 412

[۲] غرر الحکم، حدیث 1356.

[۳] بحار الانوار، جلد 75، صفحہ 113.

غضب ایمان کوخراب کر دیتا ہے جس طرح تلخ دار و شہد کوخراب کرتا ہے۔

۳۔ غضب منطق انسان کوخراب کرتا ہے۔ باطل اور جھوٹ بولنے کا عادی کرتا ہے۔ اگر غصہ والا آدمی قضاوت کرے تو وہ صحیح قضاوت نہیں کرسکتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِيَ بِالْقَضَاءِ فَلا يَقْضِي وَهُوَ غَضْبَانٌ۔[1]

جو شخص قضاوت کرنا چاہئے اسے چاہئے کہ غصے میں قضاوت نہ کرے۔

شدت غصب سے انسان کی منطق خراب ہوجاتی ہے اور دلیل کا ریشہ قطع ہوجاتا ہے اور فہم و شعور متفرق ہوجاتے ہیں۔

فقہی کتب میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قاضی کوغضب کی حالت میں قضاوت نہیں کرنی چاہیے۔

۴۔ اس سے انسان کے پنہاں عیوب ظاہر ہوجاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

بِئْسَ الْقَرِيْنُ اَلْغَضَبُ يُبْدِئُ الْمَعَايِبَ، وَيُدْنِي الشَّرَّ وَيُبَاعِدُ الْخَيْرَ۔[2]

غضب ایک برا ساتھی ہے اور چھپے ہوئے اسرار کوظاہر کرتا ہے شر اور بدی کو نزدیک اور خیر و نیکی کو دور کرتا ہے۔

۵۔ غصہ وغضب سے انسان شیطان کے نزدیک ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان و عقل دو قوی مانع شیطانی ہوتے ہیں جو دونوں غضب کی حالت میں ضعیف پڑ جاتے ہیں۔ مشہور حدیث ہے کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت پر نفرین کی تو اس وقت شیطان حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا ''تیرا مجھ پر حق ہے اگر چاہتے ہو تو اس کی تلافی کروں۔

حضرت نے بہت تعجب کیا کہ شیطان پر میرا حق؟

شیطان نے کہا: وہی جو تو نے نفرین کی اور تیری قوم غرق ہوگئی اب کوئی باقی نہیں جسے میں گمراہ کروں، اب کچھ مدت کے لئے میں آرام سے بیٹھوں گا دوسری آنے والی نسل کو گمراہ کروں گا۔ شیطان نے نصیحت کرنا شروع کردی اور کہا:

---

[1] بحارالانوار، جلد 68، صفحہ 428.

[2] جامع احادیث الشیعہ، کتاب الجہاد، جلد 13، صفحہ 468.

تین وقت مجھے یاد رکھنا کیونکہ ان مواقع پر میں انسان کے نزدیک ترین ہوتا ہے۔

۱۔ غصے کے وقت

۲۔ قضاوت کے وقت

۳۔ جب انسان نامحرم کے ساتھ ہو۔[۱]

ایک حدیث میں ہے کہ

ذوالقرنین نے ایک فرشتے سے ملاقات اور اسے کہا: مجھے تعلیم دو جن سے میرا ایمان و یقین میں اضافہ ہو،

فرشتے نے کہا: غصہ وغضب کو ترک کرو کیونکہ جب انسان غصہ کرتا ہے اور شیطان اس پر مسلط ہوجاتا ہے لہٰذا غضب کو وقار میں بدل دو، اس کی آگ کو خاموش کرو، جلد بازی سے پرہیز کرو اگر کام میں جلدی کرو گے تو اپنے نصیب سے محروم ہوجاؤ گے۔ دور و نزدیک سب کے ساتھ مہربان رہو اور سخت گیری نہ کرو۔[۲]

بے شک غضب کے برے آثار انفرادی، اجتماعی اور اخلاقی کے علاوہ معنوی بھی ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص اس بیماری سے بچا ہوا ہے اسے بہت ثواب ملتا ہے۔ مختلف روایات میں ملتا ہے کہ جو غصہ پی جاتا ہے اسے شہداء کا ثواب ملتا ہے[۳] اور روز قیامت انبیاء کا ہمسایہ ہوگا[۴]، اور اس کا دل نور ایمان سے پر ہوتا ہے۔[۵]

---

[۱] بحارالانوار، جلد 11، صفحہ 318.

[۲] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 293.

[۳] جامع احادیث الشیعہ، جلد 13، صفحہ 479.

[۴] جامع احادیث الشیعہ، جلد 13، صفحہ 479.

[۵] جامع احادیث الشیعہ، جلد 13، صفحہ 478.

اسباب غضب

غصہ وغضب کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ چند ایک کو ہم ذکر کرتے ہیں:

۱۔ قضاوت میں جلدی کرنا، انسانی خودی اور اجتماعی زندگی میں ہر لحظہ مختلف واقعات و حادثات پیش آتے ہیں اگر انسان فوری فیصلہ کرے تو اس کے دل میں غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ خبر غلط تھی لہٰذا جب کوئی قصہ پیش آئے تو جلد قضاوت نہیں کرنی چاہیے وگرنہ تلخ دردناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مِنْ طَبائِعِ الْجُهّالِ اَلتَّسَرُّعُ اِلَى الْغَضَبِ فِي كُلِّ حالٍ.[۱]

جاہل افراد کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں جلدی غضب ناک ہوجاتے ہیں۔

۲۔ کم ظرفیت: جو افراد تلخ واقعات کو برداشت کرتے ہیں ان کی روح بلند و بالا اور وسیع فکر ہوتی ہے۔لیکن اس کے برعکس کچھ افراد کم ظرفیت والے ہوتے ہیں اور چھوٹی سی بات پر برملا ہوجاتے ہیں۔

۳۔ تکبر اور خود پسندی: متکبر افراد ہمیشہ توقع رکھتے ہیں کہ دوسرے ان کی عزت و اکرام کریں اور اگر لوگ ایسا نہیں کرتے وہ جلد ہی غصہ وغضب میں آکر برا بھلا کہنا شروع کردیتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ غضب کے اسباب میں سے ایک عامل تکبر وغرور اور خود پسندی ہے۔ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں نے پوچھا: ہمیں بتائیں کہ خطرناک ترین چیز کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ کا غضب۔

لوگوں نے عرض کیا: غضب کا سبب کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

اَلْكِبْرُ وا التَّجَبُّرُ وَ مَحْقَرَةُ النّاسِ.[۲]

---

[۱] شرح غرر الحکم، جلد 6، صفحہ 28، حدیث 9351.

[۲] محجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 304.

تکبر، خودنمائی اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

۴۔ حسد و کینہ یہ دو بیماریاں بھی غضب کا باعث بنتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحِقْدُ مَثَارُ الْغَضَبِ.[۱]

کینہ رکھنا غصہ و غضب کا سبب ہوتا ہے۔

۵۔ حرص اور دنیا پرستی: بعض افراد دنیا کے عاشق ہوتے ہیں اور ان کی روح میں ہوس ہوتی ہے۔ تھوڑے سے منافع کی کمی سے لڑ پڑتے ہیں۔ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

وَشِدَّةُ الْحِرْصِ عَلَى فُضُولِ الْمَالِ وَ الْجَاهِ.[۲]

شدت حرص مال و مقام کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

غضب کا علاج

۱۔ غضب کے انجام پر متوجہ ہونا۔ غضب ایمان و سعادت کو جلا دیتا ہے۔ غضب سے دوست دور ہوجاتے ہیں۔ غضب ناک انسان نفسیاتی مریض ہوجاتا ہے جس سے عمر کم ہوجاتی ہے اور صحت و سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے، غضب کرنے والا معنوی مقام حاصل نہیں کرسکتا۔

اس کے برعکس حلم و بردباری میں کامیابی اور پیشرفت ہوتی ہے انسان کا جسم و روح سلامت رہتے ہیں۔ معاشرے میں محبوبیت ہوتی ہے۔ خدا راضی ہوتا ہے اور شیطان سے دوری ہوتی ہے۔

۲۔ غصہ و غضب کے انجام پر غور و فکر کرنا۔

۳۔ ذکر خدا ایک درمان ہے۔ روایات میں ملتا ہے کہ جب انسان کو غصہ آئے تو "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ

[۱] سفینۃ البحار، مادہ غضب.

[۲] شرح غرر، جلد 1، صفحہ 142، حدیث 530.

الشَّیْطانِ الرَّجِیْمِ" پڑھے۔[1]

اسی طرح بعض روایات میں ملتا ہے "لا حَوْلَ وَ لا قُوَّۃَ اِلّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" پڑھیں تا کہ غصہ ٹھنڈا ہوجائے۔[2]

بعض روایات میں ملتا ہے کہ جب غصہ آئے تو زمین پر سجدہ کرے۔

ابوسعید خدری رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہے:

غصہ ایک گھونٹ ہے جو انسان کے قلب میں ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کی آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں اور رگوں میں ورم آجاتا ہے جو انسان اپنے آپ میں یہ آثار دیکھے تو اسے زمین پر سجدہ کرنا چاہتے۔[3]

یقیناً جو شخص ایسا کرتا ہے اور خدا کی پناہ لیتا ہے وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہ جاتا ہے اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ ذکر خدا کرنا اس حال میں مناسب ہے۔

مرحوم شیخ حر عاملی نے وسائل میں ایک وجوب ذکر اللہ عند الغضب کے نام باب لکھا ہے اور اسے جہاد بالنفس کے باب میں تحریر کیا گیا ہے۔[4]

۴۔ حالت کو بدلنا بھی غضب کا ایک علاج ہے۔ اگر کھڑے انسان کو غصہ آئے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھے ہوئے کو غصہ آئے تو کھڑا ہوجائے یا اس جگہ سے دور ہوجائے اور اپنے آپ کو کسی کام میں مشغول کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کَانَ النَّبِیُّ اِذا غَضِبَ وَ هُوَ قائِمٌ جَلَسَ وَ اِذا غَضِبَ وَ هُوَ جالِسٌ اِضْطَجَعَ، فَیَذْهَبُ غَیْضُهُ.[5]

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آتا تو اگر کھڑے ہوتے تو بیٹھ جاتے تھے اور اگر بیٹھے ہوتے تو پہلو میں سو جاتے تھے جس سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہوجاتا تھا۔

---

[1] سفینۃ البحار، مادہ غضب، المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 307.

[2] جامع الاحادیث، جلد 13، صفحہ 472.

[3] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 308.

[4] وسائل الشیعہ، جلد 11، صفحہ 291، (باب 54 از ابواب جہاد النفس)

[5] المحجۃ البیضاء، جلد 5، صفحہ 308، بحار الانوار، جلد 70، صفحہ 272.

بحارالانوار میں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

وَ ايُّما رَجُل غَضِبَ وَ هُوَ قائِمٌ فَلْيَجْلِس فَإِنَّهُ سَيَذْهَبُ عَنْه رِجزُ الشَّيْطانِ وَإِنْ كانَ جالِساً فَلْيَقُمْ. [1]

جس آدمی کو غصہ آجائے اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے کیونکہ شیطان کی پلیدگی اس سے دور ہوجاتی ہے اور اگر بیٹھا ہوا ہے تو کھڑا ہوجائے۔

روایات میں ملتا ہے کہ اگر انسان اپنے رشتہ داروں سے غصہ کرے تو اپنے ہاتھوں کو ملے اور یہ اس کا ملنے سے غصہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ [2]

۵۔ وضو کرنا، پانی پینا اور چہرے پر ڈالنے میں غصہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوضَّأ. [3]

جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کیا کرو۔

مرحوم علامہ مجلسی نے تفسیر میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ بعید نہیں کہ یہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے۔ بعض روایات میں وضو کے علاوہ غسل کا ذکر بھی آیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاِذا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأ وَلْيَغْتَسِلْ فَاِنَّ الْغَضَبَ مِنَ النّارِ. [4]

جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کرو اور غسل کرو کیونکہ غضب آگ ہے اور آگ کو پانی بجھاتا ہے۔

دوسری تعبیر بھی ملتی ہے کہ غضب شیطانی کام ہے اور شیطان آگ سے خلق ہوا ہے اور آگ کو پانی بجھاتا ہے میں جب تم میں کسی کو غصہ آئے تو وضو کرو۔ [5]

---

[1] بحارالانوار (ط - بیروت) / ج 70 ص: 262

[2] بحارالانوار، جلد 70، صفحہ 272.

[3] بحارالانوار، جلد 77، صفحہ 312.

[4] بحارالانوار، جلد 70، صفحہ 272.

[5] بحارالانوار، جلد 70، صفحہ 272.

اقسام غضب

غصہ وغضب ہمیشہ منفی پہلو نہیں رکھتا بلکہ اس کا مثبت پہلو بھی ہوتا ہے جو انسان کی مادی اور معنوی زندگی میں ضروری ہے۔ لہٰذا، غصہ وغضب کی دو تقسیم منفی ومثبت کی جاسکتی ہیں اور اگر غضب الٰہی اس کا اضافہ کریں تو غضب کی تین اقسام بنتی ہیں۔

ا۔ غضب الٰہی

بہت سی آیات میں غضب الٰہی کا ذکر ہوا ہے۔ خاص کر بنی اسرائیل کے بارے میں کہ ان پر غضب خدا ہوا بلکہ غضب کے بعد غضب ہوتا تھا۔ بعض مفسرین **مغضوب علیہم** جو کہ سورہ حمد میں آیا ہے کہ تفسیر میں بنی اسرائیل کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ بے شک غضب ایک اندرونی حالت کا نام ہے جس میں انسان انتقام جو ہوتا ہے۔ اس میں غصہ کی آگ بھڑکتی ہے اور رگیں خون کی شدت سے پھول جاتی ہیں اور لہٰذا مفسرین نے غضب کا معنی یہ لکھا ہے کہ عادلانہ فیصلہ مراد ہے۔ مرا غضب اپنی کتاب مفردات میں صراحت سے کہتا ہے: جب غضب خدا کی صفات میں سے ایک صفت کے طور پر ذکر ہو وہاں مراد انتقام اور عادلانہ فیصلہ ہوتا ہے۔

احادیث میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ غضب خدا سے مراد کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:

غَضَبَ اللهُ تَعالى عِقابُهُ. يا عَمرو![1] مَنْ ظَنَّ اَنَّ اللهَ يُغَيِّرُهُ شَئٌ فَقَدْ كَفَرَ.[2]

---

[1]

[2] بحار الانوار، جلد 4، صفحہ 68.

اے عمر! غضب خدا سے مراد اس کا عذاب ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ کوئی چیز خدا کو دگرگوں کر دیتی ہے اور وہ کافر ہے۔

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

غضب خدا اس کا کیفر ہے جس طرح اس کی رضا ثواب ہے۔

۲۔غضب منفی

وہ غضب جس سے تباہی ہو، اس کے آثار پہلے بیان ہو چکے ہیں لہٰذا مزید بحث نہیں کرتے۔

۳۔غضب مثبت

خدا نے کوئی بھی چیز انسان میں حکمت سے خالق خلق نہیں فرمائی بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہے انسان کی خدا داد طاقتیں صرف تباہی کے لئے نہیں ہیں اگر ایسا ہے تو خدا کی توحید افعال ناقص ہوتی ہے، یہ محال ہے کہ ایک عضو انسان میں موجود ہوں اور اثر مثبت نہ رکھتا ہو جیسا کہ غضب کے بارے میں بیان ہو چکا ہے جب انسان غصے میں ہوتا ہے تو اس کے بدن کی طاقت زیادہ ہوتی ہے اس غضب کا انسانی بدن میں خلق کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال و جان کا دفاع کر سکے اس وقت اگر غصہ نہ ہوتا تو انسان کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا تھا لہٰذا یہ خدا کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ پرندوں اور حیوانوں میں یہ دیکھا گیا کہ وہ ایک اشارے میں فرار کر جاتے ہیں لیکن اپنے دفاع کے وقت وہ خوب دفاع کرتے ہیں۔ مرغی کے بچوں کو جب چیل اٹھانے آتی ہے تو یہی مرغی اس چیل پر حملہ کر دیتی ہے۔ اس طرح جنگل میں بعض حیوان جب شکار کرتے ہیں تو شکار ہونے والے اپنا اچھی طرح دفاع کرتے ہیں اور طاقت بھی پہلے سے زیادہ ہوتی ہے۔

لہٰذا غضب کی قدرت ایک اہم نعمت الٰہی ہے۔

آیات و روایات میں غضب کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔

ا۔ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان یاد ہے کہ جب وہ پیام الٰہی لینے کوہ طور پر گئے اور ان کے بعد ساحری نے لوگوں کو ایک بچھیا کی پوجا میں گمراہ کر دیا۔ اللہ نے اس کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں کوہ طور پر پہنچا دی۔

لہٰذا حضرت موسیٰ غصہ وغضب کی حالت میں اپنی قوم کی طرف آئے۔ ان کے ہاتھوں میں بنی اسرائیل کے لئے احکام کی ایک تختی موجود بھی جو گر گئی اور اپنے بھائی کے سر اور داڑھی کے بال پکڑے اور کھینچے اور اس پر فریاد کی کہ تو اتنے بڑے سامری کے کام پر کیوں خاموش رہا؟ کیا تو نے میرا فرمان بھلا دیا۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ.[1]

اور جب موسیٰؑ پلٹ کر اپنی قوم کی طرف آئے تو (یہ حالت دیکھ کر) رنج وغصّہ میں (اپنی قوم سے) کہنے لگے کہ تم لوگوں نے میرے بعد بہت بری حرکت کی۔ تم لوگ اپنے پروردگار کے حکم (میرے آنے) میں کس قدر جلدی کر بیٹھے اور (توریت کی) تختیوں کو پھینک دیا اور اپنے بھائی (ہارونؑ) کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

اس قسم کا غصہ جو انحراف کو روکنے کے لئے ہے مثبت پہلو رکھتا ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپ سخت غصے میں ہوتے اور غصہ و غضب کے آثار آپؐ کے چہرے سے نمایاں نظر آنے لگے۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو پر جو قریش کا نمائندہ تھا صلح نامہ کے نادرست شقوں پر آپؐ کو بہت غصہ آیا۔[2]

۳۔ حضرت علی علیہ السلام کے حالات زندگی میں ملتا ہے کہ جب مسلمانوں نے جناب زہرا سلام اللہ علیہا کا حق غصب کیا اور آپؑ کے دروازے کو آگ لگانے جیسے واقعات میں آپ سخت ناراض ہوئے اور غصہ وغضب کی حالت میں تلوار اٹھائی اور فرمایا: میں تجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں۔[3]

۴۔ ابوذر غفاریؓ کے بارے میں بھی ملتا ہے کہ حضرت عثمان نے ابوذرؓ کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو برداشت نہ کیا اور اسے ملک بدر کر دیا اور وہ زندہ چلے گئے حضرت علی علیہ السلام نے انہیں الوداع کیا اور فرمایا:

يا اَبَاذَرَ اِنَّكَ غَضِبْتَ لِلّٰهِ (عزّ وجل) فَارْجُ مَنْ غَضِبْتَ لَهُ اِنَّ الْقَوْمَ خافُوكَ عَلى دُنْياهُمْ وَ خِفْتَهُمْ عَلى دِينِكَ, فَاتْرُكْ فِي اَيدِيهِمْ ما خافُوكَ عَلَيهِ

---

[1] سورۂ اعراف: 150

[2] بحارالانوار، جلد 20، صفحہ 360.

[3] بحارالانوار، جلد 40، صفحہ 113.

وَاهْرُبْ مِنْهُمْ بِمَا خِفْتَهُمْ عَلَيْهِ.[۱]

ابوذر کا غصہ ان لوگوں کے بارے میں تھا جو لوگوں کا ناحق مال کھاتے تھے اور لوگوں پر ظلم وستم کرتے تھے۔ لہٰذا ایسا غصہ وغضب الٰہی شمار ہوتا ہے۔

ایک واقعہ میں ملتا ہے کہ جب ابوذرؓ نے معاویہ پر اعتراضات کئے جس کی بنا پر معاویہ اسے شام سے نکالنا چاہتا تھا۔ جب وہ ملک بدر ہو رہے تھے تو شام کے کچھ مومنین سے ابوذرؓ نے یوں خطاب کیا:

اَيُّهَا النّاسُ اِجْمَعُوا مَعَ صَلاتِكُم وَ صَومِكُمْ غَضَباً لِلّٰهِ عَزَّوَجَلّ اِذا عُصِیَ فِی الاَرْضِ.[۲]

اے لوگو! اپنے نماز و روزہ کے ساتھ گناہوں کی خاطر خدا کے لئے غصہ بھی کرو۔

۵۔ ایک حدیث امام حسین علیہ السلام سے ہے:

جب مدینہ کا حاکم ولید بن عتبہ تھا امام نے اس کے سر کا عمامہ اس کے گلے میں ڈالا۔[۳] ساتھ بیٹھے ہوئے مروان نے کہا: میں نے آج تک اتنی جرأت و جسارت نہیں دیکھی۔ آج تک کسی حاکم کی اتنی ذلت نہیں ہوئی۔

ولید نے کہا: تو میری حمایت نہیں کر رہا بلکہ میرے حلم و بردباری پر حسد کر رہا۔ یہ مال حسینؑ کا مال تھا۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے ولید! میں نے یہ مال تیرے سپرد کیا اور یہ کہہ کر آپ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ کا غصہ دنیا کے لئے نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ یہ ثابت کریں وہ امام کے ساتھ زبردستی سے پیش نہ آئیں۔

۶۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنایا اور خط لکھا کہ آغاز اس طرح کریں۔

مِنْ عَبْدِاللّٰهِ عَلِی اميرِالمُؤمِنِينَ(عليه السلام) اِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ 130.

[۲] میزان الحکمہ، جلد 3، صفحہ 2270.

[۳] بحارالانوار، جلد 44، صفحہ 191.

غَضِبُوا لِلّٰهِ حِينَ عُصِيَ فِي أَرْضِهِ وَ ذُهِبَ بِحَقِّهِ. [1]

یہ خط علی بن ابی طالب امیر المومنینؑ کی طرف سے اس قوم کے نام ہے کہ جو اللہ کے لئے غضب ناک ہوتی ہے جب زمین پر اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور ان کا حق چھینا جاتا ہے۔

۷۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ خدا نے حضرت شعیاء علیہ السلام سے وحی فرمائی:

میں ایک لاکھ افراد تیری قوم کا ہلاک کروں گا ان میں چالیس ہزار گناہ گار اور ساٹھ ہزار نیک ہیں۔ شعیاء علیہ السلام نے عرض کیا: گناہ گار تو عذاب کے مستحق ہیں لیکن نیک افراد کا کیا گناہ ہے؟

اللہ نے فرمایا:

داهَنُوا أَهْلَ الْمَعاصِي فَلَمْ يَغْضِبُوا لِغَضَبِي.

ان لوگوں نے گناہ گاروں سے لاپرواہی برتی اور انہیں گناہ سے نہیں روکا۔ [2]

آیات و روایات میں بیان ہو چکا ہے کہ غضب اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ حق کا دفاع کرنا اور غضب کرنا اچھا ہے۔ مقدس غضب عقل و شرع کی حدود میں رہ کر ہوتا ہے اور برائیوں سے روکنے کے لئے ہوتا ہے لیکن شیطانی غضب عقل کے کنٹرول بھی نہیں ہوتا غضب مقدس میں ایک خاص ہدف ہوتا ہے۔ اچھا غضب اس سیلاب کی مانند ہے جو پہاڑوں سے آتا ہے لوگ اس کا پانی جمع کر لیتے ہیں تاکہ کھیتی باڑی کے لئے مفید ہو لیکن غضب شیطانی ایسا سیلاب ہے جو پہاڑ سے آتا ہے اور ہر چیز کو تباہ کر دیتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُ الَّذِي إِذَا غَضِبَ لَمْ يُخْرِجْهُ غَضَبُهُ مِنْ حَقٍّ، وَ إِذَا رَضِيَ لَمْ يُدْخِلْهُ رِضَاهُ فِي بَاطِلٍ. [3]

مومن وہ ہے کہ جب بھی اسے غصہ آتا ہے وہ حق کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا اور جب بھی خوش ہوتا ہے تو باطل نہیں ہوتا ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ 38۔

[2] بحار الانوار، جلد 14، صفحہ 161۔

[3] بحار الانوار، جلد 64، صفحہ 354۔

حلم و بردباری

غصہ وغضب کے مقابلے میں حلم و بردباری ہے۔ امام حسن علیہ السلام سے حلم و بردباری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

كَظْمُ الْغَيْظِ وَمِلْكُ النَّفْس.[۱]

حلم درحقیقت غصے کو پی کر اپنے نفس پر مسلط ہوا جاتا ہے۔

لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا حلم و بردباری ہے۔ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لَيْسَ بِحَلِيمٍ مَنْ لَمْ يُعَاشِرْ بِالْمَعْرُوفِ مَنْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُعَاشَرَتِهِ.[۲]

جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش نہیں آتا وہ حلیم و بردبار نہیں ہے۔

بعض لوگ عاجز ہوتے ہیں اور غصہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ایسے افراد کو بھی حلیم و بردبار سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ جب ان کو موقع ملتا ہے اور اپنے سے چھوٹے پر غصہ نکالنا خوب جانتے ہیں جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ الْحَلِيمُ مَنْ عَجَزَ فَهَجَمَ وَإِذَا قَدَرَ انْتَقَمَ. إِنَّمَا الْحَلِيمُ مَنْ إِذَا قَدَرَ عَفَى.[۳]

جو شخص عاجز ہو وہ حلم و بردبار نہیں ہے حلم وہ ہے جو قدرت رکھتے ہوئے بھی بخش دے۔

بہرحال حلم و بردباری، آفیسرز حضرات، انچارج اور فیملی کے سرپرست کے لئے ایک بہترین فضیلت ہے۔ اس سے ترقی ہوتی ہے اور عہدوں میں حسن کردار ادا ہوتا ہے اور بڑی بڑی مشکلات کا حل ہوتا ہے۔ اس فضیلت کی

---

[۱] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 102۔

[۲] کنزالعمال، حدیث 5815، جلد 3، صفحہ 130۔

[۳] غرر الحکم، حدیث 7529۔

اہمیت کے لئے ہم چند روایات نقل کرتے ہیں توجہ فرمائیں۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آلا اُخبِرُکُم بِاَشبَهِکُم بِی اَخلاقاً؟

قالُوا بلی یارَسُولَ الله

فَقالَ اَحسَنُکُم اَخلاقاً وَ اَعظَمُکُم حِلماً وَ اَبَرَّکُم بِقَرابَتِهِ وَ اَشَدَّکُم اِنصافاً مِن نَفسِهِ فِی الغَضَبِ وَالرِّضا.[۱]

کیا تمہیں آگاہ کروں کہ تم میں سے اخلاق کے لحاظ سے زیادہ میرے مشابہ کون ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: ہاں اے اللہ کے رسولؐ۔

آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہے، بردبار اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والا خوشی وغصہ کی حالت میں باانصاف ہو۔

۲۔ آپؐ ہی کا فرمان ہے:

ما جُمِعَ شَیءٌ اِلی شَیءٍ اَفضَلُ مِن حِلمٍ اِلی عِلمٍ.[۲]

کوئی چیز کسی چیز سے مل کر برتر نہیں ہوئی کہ جتنا حلم علم کے ساتھ۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَشجَعُ النّاسِ مَن غَلَبَ الجَهلَ بِالحِلمِ.[۳]

لوگوں میں سب سے زیادہ شجاع و دلیر وہ ہے کہ جس کا علم اس کی جہالت پر غالب ہو۔

اس کی مثل ایک دوسری حدیث میں ہے:

اَقوَی النّاسِ مَن قَوِیَ عَلی غَضَبِهِ بِحِلمِهِ.[۴]

---

[۱] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 152، تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس کی مثل ایک حدیث وسائل الشیعہ جلد 11، صفحہ 211 میں بھی آئی ہے۔

[۲] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 212.

[۳] شرح فارسی غرر، جلد 2، صفحہ 450.

[۴] شرح فارسی غرر، جلد 2، صفحہ 435.

لوگوں میں سب سے طاقتور وہ ہے جس کا علم اس کے غضب پر غالب ہو۔

۴۔ آپ ہی کا فرمان ہے:

اِنَّ اَفْضَلَ اَخْلاقِ الرِّجالِ اَلْحِلْمُ.[۱]

مردوں کا بہترین اخلاق ان کا حلم ہے۔

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمُؤمِنَ لَیُدْرِكُ بِالْحِلْمِ وَاللّیِنَ دَرَجَةَ الْعابِدِ الْمُتَهَجِّدِ.[۲]

مومن وحلیم شخص اپنے علم سے شب زندہ دار کا درجہ پاتا ہے۔

۶۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ اَحَبِّ السَّبيلِ اِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ جُرْعَتانِ جَرْعَةُ غَيظٍ تَرُدُها بِحِلْمٍ وَ جُرْعَةُ مُصيبَةٍ تَرُدُّها بِصَبْرٍ.[۳]

خدا کے نزدیک دو گھونٹ محبوب ترین گھونٹ ہیں غصے کا گھونٹ پینا علم کے ساتھ اور مصیبت کا گھونٹ صبر کے ساتھ پینا۔

۷۔ ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے سنا کہ کسی شخص نے قنبر کو گالیاں دیں۔ قنبرؓ بھی اس کا جواب دینا چاہتے تھے۔

امامؑ نے فرمایا: اے قنبرؓ! اسے چھوڑ دو اس سے تمہارا خدا راضی اور شیطان غمگین ہوگا۔

پھر فرمایا:

فَوَالَّذِیْ خَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَءَ النَّسَمَةَ مَا اَرْضَى الْمُؤمِنُ رَبَّهُ بِمِثْلِ الْحِلْمِ، وَ لَا اَسْخَطَ الشَّيْطانَ بِمِثْلِ الصَّمْتِ، وَلَا عُوْقِبَ الْاَحْمَقَ بِمِثْلِ السَّكُوتِ عَنْهُ.[۴]

قسم باخدا! جو ذات زیر زمین دانے کو شگافتہ کرتی ہے کوئی چیز مومن کے دل کو حلم کی

---

[۱] شرح فارسی غرر، جلد 2، صفحہ 488.

[۲] مستدرک الوسائل، جلد 11، صفحہ 288 (کتاب الجہاد).

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 110، حدیث 9.

[۴] سفینۃ البحار، مادہ حلم.

طرح خوشنود اور شیطان کو غضبناک نہیں کرسکتی اور احمق کو خاموشی سے زیادہ کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی۔

۸۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَظَمَ غَيْظاً وَ هُوَ قَادِرٌ عَلَى إِنْفَاذِهِ وَ حَلُمَ عَنْهُ، أَعْطَاهُ اللهُ أَجْرَ شَهِيدٍ.[۱]

جو شخص اپنا غصہ پی جاتا ہے حالانکہ جواب دینے کی قدرت بھی رکھتا تھا لیکن وحلم و بردباری سے کام لیتا ہے۔ خداوند عالم ایسے شخص کو شہید کا ثواب عطا فرمائے گا۔

۹۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّهُ لَيُعْجِبُنِي الرَّجُلُ أَنْ يُدْرِكَهُ حِلْمُهُ عِنْدَ غَضَبِهِ.[۲]

مجھے خوشی ہوتی ہے کہ جب انسان غصے کے وقت حلم و بردباری سے کام لیتا ہے۔

۱۰۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

ان کا ایک خط تھا اور اسے کسی کام کے لئے بھیجا لیکن اس نے دیر کردی۔ امام خود ان کے پیچھے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ایک کونے میں سویا ہوا تھا۔ آپ کچھ دیر کے لئے اسی کے اوپر کھڑے ہوگئے اور جب بیدار ہوا تو امام نے اس سے فرمایا: یہ کام اچھا نہیں ہے رات کو بھی سوجاؤ اور دن کو بھی رات کو سویا کرو اور دن کو ہمارے لئے کام کرو۔[۳]

یہ ہمارے لئے آپ کی سیرت عملی ہے۔ ہمیں اہل بیت علیہم السلام کو نمونہ علم بنانا چاہئے۔

---

[۱] مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل/ ج 11 / 291 / 26 باب استحباب الحلم ص:287

[۲] الکافی (ط- الاسلامیۃ) / ج 2 / 112 / باب الحلم ص:111

[۳] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 112، حدیث 3و7.

چند اہم نکات

ا۔انسانی زندگی پر حلم و بردباری کے آثار

انسان غضب کے خطرات سے نجات پاتا ہے۔

حلم و بردباری سبب عزت و آبرو ہے۔[۱]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ حَلُمَ سَادَ.[۲]

جو حلم ہوتا ہے وہ سرور ہوتا ہے۔

حلم و بردباری نادان افراد کے مقابلے میں اس بات کا سبب ہوتا ہے حلیم افراد نادان افراد کے خلاف قیام کرتے ہیں۔اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ عِوَضِ الْحَلِيمِ مِن خِصْلَتِهِ اَنَّ النَّاسَ كُلُّهُم اَعْوانُهُ عَلَى خَصْمِهِ.[۳]

سب سے پہلا نتیجہ جو حلم شخص کو اپنے حلم سے ملتا ہے یہ ہے کہ جاہل دشمن لوگوں کے مقابلے میں لوگ اس کی مدد کرتے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 208، حدیث 1.

[۲] غرر الحکم، جلد 2، ص 66،

[۳] شرح غرر الحکم، جلد 2، صفحہ 66.

مَا اَعَزَّ اللهُ بِجَهلٍ قَطُّ وَلا اَذَلَّ بِحِلمٍ قَطُّ.[۱]

خداوندعالم کسی کو اس کے جہل کی وجہ سے دوست نہیں رکھتا جس طرح حلم شخص کو اس کے حلم کی وجہ سے ذلیل وخوار نہیں کرتا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حلم و بردباری کے انسانی زندگی میں بہت آثار و برکات ہوتی ہیں اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاَمّا الحِلْمُ فَمِنْهُ رُكُوبُ الْجَمِيلِ، وَصُحْبَةُ الاَبْرارِ، وَرَفْعٌ مِنَ الضِّعَةِ، وَرَفْعٌ مِنَ الْخَسَاسَةِ، وَ تَشَهِّي الْخَيْرِ، وَ يُقَرِّبُ صاحِبَهُ مِنْ مَعالِي الدَّرَجاتِ، وَ الْعَفْوِ وَ الْمَهلِ وَالْمَعْرُوفِ وَالصَّمْتِ، فَهذا ما يَتَشَعَّبُ لِلْعاقِلِ بِحِلْمِهِ.[۲]

آپؐ نے اس حدیث میں حلیم کے دس نتائج بیان فرمائے حلم کے آثار ہیں:

۱۔ بردبار ہونا، ۲۔نیک افراد کی ہم نشینی،
۳۔ باعزت شخص ہونا، ۴۔پستی وذلت کا دور ہونا،
۵۔خیر کا طالب ہونا، ۶۔عالی مقام پانا
۷۔لوگوں کو معاف کردینا، ۸۔مقروض کو قرض کی مہلت دینا
۹۔نیک کاموں کا بجالانا ۱۰۔نادان کے جواب میں سکوت اختیار کرنا

یہ وہ امور ہیں کہ عاقل اپنے عمل کی خاطر بہرہ مند ہوتا ہے۔

۲۔حلم و بردباری کے اسباب

الف: اپنے نفس پر کنٹرول کرنا، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَا الْحِلْمُ كَظْمُ الْغَيْظِ وَمِلْكُ النَّفسِ.[۳]

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 112.

[۲] تحف العقول، صفحہ 19.

[۳] شرح غرر الحکم، جلد 3، صفحہ 741، حدیث 3859.

حلم یعنی غصے کو پینا اور مالکیت نفس۔

انہی معانی کی روایت امام حسن علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے۔ [1]

ب: بلند ہمت، انسان اپنی شخصیت کو بچانے کی خاطر اپنے غصہ پر قابو پاتا ہے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحِلْمُ وَ الْاَنَاةُ تُوْأمانِ یُنتجُهُما عُلُوُ الهِمَّةِ. [2]

بردباری اور خودسری دو جڑواں بھائی ہیں جو بلند ہمت سے پیدا ہوئے ہیں۔

ج: خدا پر ایمان بھی ایک سبب حلم و بردباری ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحِلْمُ سِراجُ اللهِ یَسْتَضیئی بِهِ صاحِبُهُ اِلی جوارِهِ وَ لا یَكُونُ حَلیماً اِلّا الْمُؤیِّدُ بِاَنْوارِ اللهِ وَ بِاَنْوارِ الْمَعْرِفَةِ وَ التَّوحیدِ. [3]

حلم اللہ کا روشن چراغ ہے کہ جس کے پاس ہے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ انسان اس وقت تک حلیم نہیں ہوسکتا جب تک اسے معرفت انوار الٰہی حاصل نہ ہوں۔

د: علم و عقل اور معرفت نتائج مثبت و منفی حلم۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحِلْمُ نورٌ جُوْهَرُهُ الْعَقْلُ. [4]

حلم و بردباری ایک ایسا نور ہے کہ جس کا جوہر عقل ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

---

[1] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 102.

[2] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 460.

[3] بحارالانوار، جلد 68، صفحہ 422، حدیث 61.

[4] شرح غرر الحکم، جلد 1، صفحہ 311، حدیث 1185.

بِوُفُورِ الْعَقْلِ يَتَوَفَّرُ الْحِلْمُ.[۱]

عقل کے بڑھنے سے حلم و بردباری بھی بڑھ جاتی ہے۔

نیز آپ ہی سے مروی ہے کہ:

عَلَيْكَ بِالْحِلْمِ فَإِنَّهُ ثَمَرَةُ الْعِلْمِ.[۲]

حلم و بردباری اختیار کرو کیونکہ یہ علم کے درخت کا میوہ ہے۔

۳۔ استثناء

حلم و بردباری کی بڑی تاکید کی ہے اور اس کی بڑی فضیلت بھی ہے لیکن بعض مقامات پر یہ پسندیدہ نہیں ہے اگر حلم و بردباری سے جاہل افراد کی حوصلہ افزائی ہورہی ہو۔ انسان فساد اور گناہ کی طرف جارہا ہو۔

ایسے موقع پر حلم پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ انسان کو غضبناک ہونا چاہتے تاکہ دوسرا چپ ہوجائے اگر حلم سے معاشرے کو نقصان پہنچ رہا ہو اور لوگوں کا عقیدہ خراب ہورہا ہو وہاں پر حلم کرنا مناسب نہیں ہے۔

---

[۱] شرح غرر الحکم، جلد 3، صفحہ 221، حدیث 4274.

[۲] شرح غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 285، حدیث 6084.

اِذا کانَ یَوْمُ الْقِیامَۃِ نادی مُناد
مَنْ کانَ اَجْرُہٗ عَلَی اللہِ فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّۃَ
فَیُقالُ مَنْ ذَا الَّذی اَجْرُہٗ عَلَی اللہِ، فَیُقالُ
الْعافُونَ عَنِ الناسِ فَیَدْخُلُونَ الْجَنَّۃَ
بِغَیْرِ حِساب.

جس روز قیامت ہوگی تو منادی ندا دے گا
جن کا اللہ پر کوئی اجر ہے وہ جنت میں داخل
ہوجائے۔ کہا جائے گا کس کا اجر خدا پر ہے؟
جواب میں کہا جائے گا۔ جو لوگ عفو کرتے ہیں
اور وہ بے حساب جنت میں داخل ہوجائیں گے۔

۱۵۔عفو اور انتقام

فضائل اخلاق میں سے ایک فضیلت عفو و درگزر ہے، البتہ جب قدرت رکھتا ہو۔ بہت سے لوگوں کے سینوں میں کینہ ہوتا ہے اور وہ ایسے موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ اپنے دشمن پر غصہ نکالے اور انتقام لے۔ وہ نہ صرف بدی کا جواب بدی میں دیتے ہیں بلکہ ایک بدی کا جواب چند بدیوں سے دیتے ہیں اس سے بھی بدتر یہ ہے کہ بعض لوگ اس پر افتخار کرتے ہیں۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ انتقام جوئی ایک زنجیر کی مانند ہے۔ ایک قبیلے کا فرد دوسرے قبیلے کے فرد کو قتل کر دیتا۔ دوبارہ دوسرا قبیلہ اٹھتا وہ دوسرے پانچ آدمی قتل کر دیتا۔ اسی طرح دوسرے کو موقع ملا تو وہ اس آدمی کو قتل کر ڈالے گا۔ جس سے ایک زنجیر بنتی چلی جاتی ہے۔

لیکن ائمہ و اہل بیت علیہم السلام کی سیرت یہ رہی کہ وہ فاتح ہوتے تو دشمن کو معاف کر دیتے تھے۔ دشمن دوست بن جاتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمایا تھا اب ہم ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جن میں عفو و درگزر کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔[1]

---

[1] شوریٰ:40

اور برائی کا بدلہ تو ویسی ہی برائی ہے اس پر بھی جو شخص معاف کر دے اور (معاملہ کی) اصلاح کر دے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۲۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ [۱]

اور جو لوگ تم میں سے مال و دولت اور وسعت والے ہیں وہ قسم نہ کھائیں کہ وہ قرابتداروں، مسکینوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ چاہئے کہ یہ لوگ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخش دے؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۳۔ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ [۲]

(اے رسولؐ) تم درگزر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

۴۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔ [۳]

اور اگر (مخالفین کے ساتھ) سختی کرو بھی تو ویسی ہی سختی کرو جیسی سختی ان لوگوں نے تم پر کی تھی اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے واسطے بہتر ہے۔

۵۔ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ۔ [۴]

اور بُری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو جو کچھ یہ لوگ (تمہاری نسبت) بیان کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں۔

---

[۱] نور:22

[۲] اعراف:199

[۳] نحل:126

[۴] مؤمنون:96

۶۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ
بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ. وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا
ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ.[1]

اور بھلائی برائی (کبھی) برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرو گے) تو (تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔ یہ بات بس ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب ور ہیں۔

۷۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ط فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ
وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ط ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ.[2]

اے مومنو! جو لوگ (ناحق) مار ڈالے جائیں ان کے بدلے میں تم کو جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس جس (قاتل) کو اس کے (ایمانی) بھائی (طالب قصاص) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے بھی اسی کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے (خون بہا) ادا کر دینا چاہیے یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے

۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ
فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.[3]

اے ایماندارو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں تو تم ان

[1] فصلت:34و35

[2] بقرہ:178

[3] تغابن:14

سے بچے رہو اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۹۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا۔

[۱]

اگر کھلم کھلا نیکی کرتے ہو یا چھپا کر یا کسی کی برائی سے طرح دیتے ہو تو خدا بھی بڑا طرح دینے والا (اور) قادر ہے۔

۱۰۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ [۲]

اور جو کچھ لوگ بکا کرتے ہیں اس پر صبر کرو اور اُن سے بعنوان شائستہ الگ تھلگ رہو۔

تفسیر وخلاصہ

پہلی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سزا و بدلہ اتنا لینا چاہیے جتنا کسی نے نقصان کیا ہے اور اسے مومنین کا شمار کیا گیا ہے پھر عفو و درگزر اور ترک انتقام کی طرف اشارہ ہے، خداوند عالم فرماتا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔

اور برائی کا بدلہ تو ویسی ہی برائی ہے اس پر بھی جو شخص معاف کر دے اور (معاملہ کی) اصلاح کر دے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

سورہ شوریٰ کی آیت ۳۹ میں دستور ہوتا ہے کہ ظلم کے مقابل تسلیم نہ ہونا۔ جب تم پر کوئی ظلم کرے تو دوسروں سے مدد لو اور ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ پھر آیت ۴۰ میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ اگر تمہارے دوست تم پر ظلم و ستم کریں تو اس کے بدلے میں حد سے تجاوز نہ کرنا بلکہ معاف کرنا بہتر ہے۔ یہاں پر عفو کے بعد اصلاح کا کلمہ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اصلاح سے اپنے اور خدا کے درمیان صلاح

---

[۱] نساء:149

[۲] مزمّل:10

مراد ہے۔بعض نے ظالم ومظلوم کے درمیان اصلاح مراد لی ہے اوربعض نے ترک قصاص کو ذکر کیا ہے۔[1]

دوسری آیت میں واقعہ افک کا ذکر ہوا ہے یعنی بعض منافقین نے رسول اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کی زوجہ محترمہ پر تہمت لگائی اور چاہتے تھے کہ رسول اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کو رسوا کریں۔آیت نازل ہوئی کہ اصحاب کے ایک گروہ نے واقعۂ افک کے بعد قسم کھالی ہے کہ بعض کی مالی مدد نہیں کریں گے یہ آیت نازل ہوئی کہ انہوں کے لئے عفو و درگزر کا دستور دیا خدا فرماتا ہے:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اورتم میں سے جو لوگ زیادہ دولت اور مقدر والے ہیں قرابت داروں اور محتاجوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ دینے لینے) سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔

ارشادقدرت ہوتا ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ.

انہیں چاہیے کہ (ان کی خطا) معاف کردیں اور درگزر کریں۔کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خداتمہاری خطا معاف کرے۔اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

یادرہے کہ واقعہ افک ایک خطرناک داستان تھی۔اس میں اصل منافقین کا ہاتھ تھا لیکن کچھ غافل مومنین نے دھوکہ کھایا اور وہ بھی اس قسم کی فکر کرنے لگے۔خدا نے اس غافل فریب خورگروہ کو عفو و درگزر کا دستور دیا۔لہٰذا شخصی مسائل میں تو لوگوں کو اور زیادہ معافی کا موقع دینا چاہتے۔''عفو'' اور ''صفح'' میں کیا فرق ہے؟ راغب لکھتا ہے:

عفو کا معنی درگزر اور ''صفح'' کا معنی ترک ملامت ہے۔

تیسری آیت میں رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کو خطاب ہوا ہے۔جس میں دوسروں کا وظیفہ بیان ہوا ہے۔خداوندعالم فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ.

(اے رسولؐ) تم درگزر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیرلو۔

---

[1] تفسیر المیزان وقرطبی واثنی عشری وروح البیان وفی ظلال، ذیل آیہ مورد بحث۔

یہ تین دستور خدا کی طرف سے بعنوان ایک رہبر کبیر کو دیئے گئے۔ پہلے دستور میں عفو ہے۔ دوسرے میں یہ اشارہ ہے کہ لوگوں کی طرف طاقت سے زیادہ وظیفہ نہ لو۔ تیسرے دستور میں جاہل افراد کی نسبت بے اعتنائی ذکر ہوئی ہے۔

معاشرے کی اصلاح کے لئے رہبر آئے جنہیں ہتک وتوہین کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک حدیث میں ملتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خداﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: اس سے کیا مراد ہے؟

جبرائیل علیہ السلام نے کہا: مجھے معلوم نہیں خدا سے سوال کرتا ہوں۔

دوبارہ جبرائیل آئے اور اس نے عرض کیا:

اِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ اَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَ تُعْطِى مَنْ حَرَمَكَ وَ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ.[1]

خداوندعالم فرماتا ہے کہ جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو، جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو، جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو۔

چوتھی آیت میں تمام مسلمانوں کو خطاب ہوا ہے۔ خداوندعالم فرماتا ہے

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ.

اور اگر (مخالفین کے ساتھ) سختی کرو بھی تو ویسی ہی سختی کرو جیسی سختی ان لوگوں نے تم پر کی تھی اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے واسطے بہتر ہے۔

روایات میں ہے کہ یہ آیت جنگ احد میں نازل ہوئی۔ جب رسول خداﷺ نے حضرت حمزہ علیہ السلام کی لاش خون سے آلودہ دیکھی اور دشمن نے ان کا سینہ چاک کر دیا تھا اور دل نکال لیا، ناک اور کان قطع کر لئے گئے تھے رسول اکرمﷺ بہت ناراحت ہوئے اور فرمایا: اگر میں غلبہ پاؤں گا تو ان کا بھی یہی حال کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں دشمن کے ستر افراد سے یہی سلوک کروں گا۔ یہ آیت نازل ہوئی اور حکم خدا ہوا کہ تعدی اور تجاوز جائز نہیں لہٰذا صبر کا دامن نہ چھوڑو۔ رسول خداﷺ نے عرض کیا:

---

[1] مجمع البیان، جلد 2، صفحہ 512.

اَصْبِرُ اَصْبِرُ.

صبر کروں گا، صبر کروں گا۔[1]

اس کے بعد والی آیت خداوندعالم فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۷﴾

اور (اے رسولؐ) تم صبر ہی کرو اور خدا (کی مدد) کے بغیر تو تم صبر کر بھی نہیں سکتے اور ان مخالفین کے حال پر تم رنج نہ کرو اور جو مکاریاں یہ لوگ کرتے ہیں اس سے تم تنگ دل نہ ہو۔

آیت کی ابتداء میں مقابلہ کی صورت میں مثل کو مثل قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ جتنا تجاوز ہوا تنا ہی تجاوز کیا جائے اور یہ عمل قتل عمد میں ہے۔مثلہ کرنا یعنی ناک کان یا دوسرے اعضاء کا قطع کرنا مثلہ میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ مثلہ ایک غیر انسان عمل ہے۔

روایات میں ملتا ہے کہ حتیٰ کتے کو بھی مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

پانچویں آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہوا۔خداوندعالم فرماتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ.

اور بُری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو جو کچھ یہ لوگ (تمہاری نسبت) بیان کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں۔

چھٹی آیت میں بھی یہی تعبیر آئی ہے، خداوندعالم فرماتا ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ. وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ.

اور بھلائی برائی (کبھی) برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرو گے) تو (تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔ یہ بات بس ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی

---

[1] تفسیر عیاشی والدّر المنثور، ذیل آیہ مورد بحث۔

لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب ور ہیں۔

سورہ رعد کی آیت ۲۲ میں ہم پڑھتے ہیں جب صاحبان عقل کے اوصاف بیان ہوتے ہیں تو خداوند عالم فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے جو مصیبت ان پر پڑی اسے جھیل گئے اور پابندی سے نماز ادا کی اور جو کچھ ہم نے انہیں روزی دی تھی اس میں سے چھپا کر اور دکھلا کر (خدا کی راہ میں) خرچ کیا اور یہ لوگ بُرائی کو بھی بھلائی سے دفع کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کی خوبی مخصوص ہے۔

اس سے مراد یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے گناہوں کو نیکیوں سے جبران کرتے ہیں اور یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ وہ بدی کا جواب بدی سے نہیں دیتے ہیں بلکہ بدی کا جواب نیکی سے دیتے ہیں تفسیر میں یہ احتمال بھی ہیں کہ ہر دو معنی مراد ہوں۔[۱]

ان تین آیات سے روشن ہوگیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے کہ عفو و درگزر سے بڑھ کر بدی کا جواب نیکی میں دیں اسی لئے بعد والی آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ. [۲]

یہ بات بس ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب ور ہیں۔

ساتویں آیت میں قصاص کا مسئلہ ذکر ہوا ہے۔ اسلام کے ایک اہم اجتماعی مسائل میں سے ہے۔ قرآن نے قصاص کو حیات کا سبب شمار کیا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ

اے مومنو! جو لوگ (ناحق) مارڈالے جائیں ان کے بدلے میں تم کو جان کے بدلے

---

[۱] تفسیر المیزان، جلد 16، ذیل آیہ مورد بحث رجوع کریں۔

[۲] سورہ فصلت: ۳۵

جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

پھر خداوند عالم فرماتا ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ

پس جس (قاتل) کو اس کے (ایمانی) بھائی (طالب قصاص) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے بھی اسی کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے (خون بہا) ادا کر دینا چاہیے یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔

آخر میں یہ بیان ہوا ہے کہ عفو و درگزر کے بعد یا قصاص کو دیت میں لینے کے بعد پشیمان ہونا اور قدرت کے ذریعے قاتل کو قتل کرنا گناہ ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ.

پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کیونکہ جب کوئی معاف کر دیتا ہے یا قصاص کے بدلے پر راضی ہو جاتا ہے تو پھر راستہ بند ہو جاتا ہے اور قاتل کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اس میں ''بھائی'' کا کلمہ استعمال ہوا ہے یعنی اگر کوئی مسلمان بھائی قتل ہو جاتا ہے تو پھر بھی برادری کا رابطہ قطع نہیں ہوتا۔ اسلام عفو و درگزر کو قصاص پر ترجیح دیتا ہے اس مضمون کی روایت ابن عباس سے نقل ہوئی ہے۔[1]

اسی طرح ''ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنكُمْ وَرَحْمَةٌ'' یعنی دوسری اس بات کی دلیل ہے عفو یا قصاص بجائے دیت لینا ترجیح ہے۔

آٹھویں آیت میں مومنین سے خطاب ہوا ہے۔ گھریلو جھگڑوں اور کشمکش کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد اول، صفحہ 285۔

اے ایماندارو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں تو تم ان سے بچے رہو۔

یہ عداوت مختلف نوع کی ہوسکتی ہے مثال کے طور پر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو اس سے منع کرنا یا بعض نیکی کے امور میں وصیت کرنا یا دوسرے معنوی مسائل میں نااہل اولاد یا بیویاں مانع بن سکتی ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ.

اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

بے شک ایک خاندان میں خوشگوار ماحول ہونا چاہیے۔ روایات میں ملتا ہے کہ جو شخص اپنے خاندان میں پرمسرت ماحول میں بیٹھ کر باتیں کرتا ہے تو اس کا اتنا ثواب ہے جتنا ایک اعتکاف میں بیٹھنے والے کو ملتا ہے۔

اگر گھر میں لڑائی جھگڑا ہو تو وہ گھر جہنم ہوتا ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے پہلے عفو پھر صفح اور اس کے بعد غفران کا حکم دیا ہے کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: کیا تم دوست نہیں رکھتے کہ خدا تمہیں بخش دے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عفو، صفح اور غفران میں کیا فرق ہے؟[1]

پہلے مرحلہ میں عفو ہوتا ہے یعنی درگزر کرنا

دوسرے مرحلہ میں ترک انتقام اور صفح کا قفس نظرانداز کردینا اور بھول جانے کے معنی میں ہے۔

اور غفران سے مراد گناہوں کو چھپانا ہے اور یہ آخری مرحلہ ہے اور بہترین مقام ہے۔

آیت نہم میں عفو کے ساتھ نیک اعمال بجالانے کا بھی ذکر ہوا ہے اور عفو کے ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَيۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا.

اگر کھلم کھلا نیکی کرتے ہو یا چھپا کر یا کسی کی برائی سے طرح دیتے ہو تو خدا بھی بڑا طرح دینے والا (اور) قادر ہے۔

لہٰذا انسان کو اس بات پر افتخار نہیں کرنا چاہیے کہ جب وہ قدرت رکھتا ہو تو انتقام لینا شروع کردے بلکہ افتخار یہ

[1] قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (جاثیہ، آیہ 4 1) و مانند وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ (شوریٰ، آیہ 37)

ہے کہ انسان اپنے اعصاب پر کنٹرول کرے اور عفو و درگزر سے کام لے۔

دسویں اور آخری آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے کہ لیکن تمام مسلمان بھی شامل ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا.

اور جو کچھ لوگ بکا کرتے ہیں اس پر صبر کرو اور اُن سے بعنوان شائستہ الگ تھلگ رہو۔

مشرکین اور دشمن اسلام افراد نے مختلف طریقوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی جس سے آپؐ کو سخت تکلیف ہوئی۔ ان سب مشکلات کے باوجود اللہ نے آپ کو صبر و تحمل کی نصیحت فرمائی کہ ہجر جمیل فرمائیں۔ یعنی خوش اخلاق دل سوزی سے حق کی دعوت دیں اور دستور ہوتا ہے کہ ہتک کرنے والوں کے مقابلے میں مقاومت کا مظاہرہ کریں۔ بعض نے یہ سوچا ہے کہ یہ دستور جہاد کی آیت نازل ہونے سے پہلے آیا اور جہاد کے دستور نے اسے منسوخ کر دیا حالانکہ ایسا نہیں مرحوم طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت تمام مبلغین کے لئے پیغام ہے وہ متعصب اور نادان افراد کے مقابلے میں مایوس نہ ہوں بلکہ ہمت سے کام لیں اور خوش اخلاقی سے پیش آنا۔[1]

مذکورہ آیات جس میں کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے اور بعض اوقات مسلمانوں کو شامل ہے۔ یہ خطاب رہبر کے عنوان سے ہے کہ انسان سخت حوادث کے مقابل درگزر کریں۔

عفو و انتقام روایات میں

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذا کانَ یَوْمُ الْقِیامَةِ نادی مُنادٍ مَنْ کانَ اَجْرُهُ عَلَی اللهِ فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَیُقالُ مَنْ ذَا الَّذی اَجْرُهُ عَلَی اللهِ، فَیُقالُ الْعافُونَ عَنِ النّاسِ فَیَدْخُلونَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسابٍ.[2]

---

[1] مجمع البیان جلد 10، صفحہ 379.

[2] مجمع البیان ذیل آیہ 40 سورہ شوری.

جس روز قیامت ہوگی تو منادی ندا دے گا جن کا اللہ پر کوئی اجر ہے وہ جنت میں داخل ہوجائے۔ کہا جائے گا کس کا اجر خدا پر ہے؟ جواب میں کہا جائے گا۔ جو لوگ عفو کرتے ہیں اور وہ بے حساب جنت میں داخل ہوجائیں گے۔

۲۔ آپؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

اَلا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ خَلائِقِ الدُّنْیا وَ الآخِرَۃِ اَلْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَالْإِحسانُ إِلی مَنْ اَساءَ إِلَیْكَ، وَإِعْطاءُ مَنْ حَرَمَكَ. [۱]

کیا میں تمہیں آگاہ کروں کہ دنیا و آخرت میں بہترین اخلاق کیا ہے؟ جس نے تم پر ستم کیا ہو اسے عفو کرنا بہترین اخلاق ہے۔ اس شخص سے نیکی کرنا جس نے تم سے بدی کی ہو اور اس کو بخش دینا جس نے محروم کیا ہو۔ اس حدیث میں عفو کے عالی ترین مرتب بیان ہوئے ہیں یعنی عفو و درگزر کرنا اور یہ مقام، مقام انبیاء و اولیائے کرام ہے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْعَفْوُ تاجُ الْمَكارِمِ. [۲]

عفو و درگزر اخلاقی فضیلت کا تاج ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تاج عظمت وقدرت کی نشانی اور ذہنیت کے لئے ہوتا ہے اور ایک بہترین عفو یعنی سر پر کھا جاتا ہے جسے سرتاج کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عفو و درگزر تمام فضائل میں سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

۴۔ ایک اور حدیث میں آپؑ نے فرمایا:

شَیْئانِ لا یُوزَنُ ثَوابُهُما اَلْعَفْوُ وَالْعَدْلُ. [۳]

دو چیزوں کا اتنا زیادہ ثواب ہے کہ جن کا وزن نہیں ہوسکتا وہ دو چیزیں عفو اور عدالت ہیں۔

---

[۱] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 107.

[۲] شرح غرر الحکم، جلد 1، صفحہ 140 (حدیث 520).

[۳] شرح غرر الحکم، مدرک، جلد 4، صفحہ 184 (حدیث 5769).

عفو کا عدالت کے ساتھ ذکر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ عفو کی بڑی اہمیت ہے۔ عدالت سے معاشرے میں نظم وضبط ایجاد ہوتا ہے لیکن عفو ایک فضیلت ہے جو کینہ کو برطرف کرتا ہے۔

۵۔ آپؑ ہی سے ایک روایت ہے کہ جس میں آپ نے بدترین لوگوں کا تعارف کروایا اور فرمایا:

شَرُّ النَّاسِ مَنْ لا يَعْفُ عَنِ الزَّلَّةِ وَلا يَسْتُرُ الْعَوْرَةَ.[۱]

بدترین وہ لوگ ہیں جو غلطی کو معاف نہیں کرے اور لوگوں کے عیوب کو نہیں چھپاتے۔

۶۔ ایک حدیث میں ہے کہ

ایک مجرم شخص مامون کے ہاں حاضر کیا گیا اور وہ قتل کرنا چاہتا ہے امام علی رضا علیہ السلام حاضرین میں موجود تھے۔ مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا:

ما تَقُولُ يا اَبَا الْحَسَنِ؟

اے ابوالحسنؑ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

امام نے فرمایا:

فَقالَ اَقُولُ اِنَّ اللهَ لا يَزِيدُكَ بِحُسْنِ الْعَفْوِ اِلّا عِزّاً فَعَفى عَنْهُ.[۲]

میں کہتا ہوں کہ عفو کر دیں کیونکہ اس میں تیری عزت ہے۔

مامون نے آپ کا کلام سن کر اس شخص کو معاف کر دیا۔

۷۔ ایک اور حدیث میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

قِلَّةُ الْعَفْوِ اَقْبَحُ الْعُيُوبِ, وَ التَّسَرُّعُ اِلَى الانْتِقامِ اَعْظَمُ الذُّنُوبِ.[۳]

عفو و درگزر کی کمی بدترین عیب ہے اور انتقام لینے میں جلد بازی گناہان کبیرہ میں سے ہے۔

۸۔ حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں کلمات قصار میں فرماتے ہیں:

---

[۱] شرح غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 175 (حدیث 5735).

[۲] بحارالانوار، جلد 49، صفحہ 172، حدیث 10.

[۳] شرح غرر، جلد 4، صفحہ 505، حدیث 6766.

إِذا قَدَرْتَ عَلَى عَدُوِّكَ فَاجْعَلِ الْعَفْوَ عَنْهُ شُكْراً لِلْقُدْرَةِ عَلَيْهِ.[۱]

جب تم دشمن پر غالب آجاؤ تو عفو کو کامیابی کے لئے شکر قرار دو۔

یہی معنی ایک دوسرے جملہ میں بھی ہے:

اَلْعَفْوُ زَكَاةُ الظَّفَرِ.[۲]

عفو و بخشش کامیابی کی زکوٰۃ ہے۔

۹۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

مَا الْتَقَتْ فِئَتَانِ قَطُّ إِلَّا نَصَرَ اللهُ أَعْظَمَهُمَا عَفْواً.[۳]

جب دو گروہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرتے ہیں تو خداوند عالم اس شخص کو فتح عطا کرتا ہے جو زیادہ عفو کرتا ہو۔

۱۰۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

دَعِ الْإِنْتِقَامَ فَإِنَّهُ مِنْ أَسْوَءِ أَفْعَالِ الْمُقْتَدِرِ.[۴]

انتقام لینا چھوڑ دو کیونکہ یہ قدرت مند افراد کے بدترین کام ہیں۔

اقسام عفو

عفو و درگزر اور ترک انتقام فضیلت کا ایک اہم باب ہے۔ قرآن و سنت اور عقل و شرع میں اس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اس کا استثناء نہ ہو بلکہ بعض موارد میں معاشرے کی حفاظت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر، پیش گیری از جرائم، عفو کو نظر انداز کر کے عادلانہ فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

---

[۱] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 11.

[۲] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 211.

[۳] بحار الانوار، جلد 68، صفحہ 424، حدیث 65.

[۴] شرح غرر الحکم، جلد 4، صفحہ 20، (حدیث 5139)

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ.[1]

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے برابر ہے (اور کچھ مہینہ کی خصوصیت نہیں) سب حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کے برابر ہیں پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم بھی اس پر کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور خوب سمجھ لو کہ خدا پرہیزگاروں کا ساتھی ہے۔

عفو کرنے کا بڑا ثواب ہے عفو وہاں ہوتا ہے جہاں بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہو لیکن معاف کر دے تو ضعف نہیں۔ البتہ عام امور میں معاف کرنا اور خطاؤں کے مطابق عفو ہوتا ہے۔ اگر عفو کرنے سے معاشرے میں خرابی کا خطرہ ہو تو معاشرے کو زندہ رکھنے اور اسے نجات دینے کیلئے حق کا فیصلہ زیادہ مناسب ہے۔ ایسے امور میں استثناء ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْعَفُوُ يُفْسِدُ مِنَ اللَّئِيمِ بِقَدْرِ اِصْلاحِهِ مِنَ الْكَرِيمِ.[2]

عفو پست آدمی کو فاسد کرتا ہے، جس قدر باشخصیت افراد کی اصلاح ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر آپؑ نے فرمایا:

اَلْعَفُو عَنِ الْمُقِرِ لاعَنِ الْمُصِرِّ عفو.[3]

عفو اس شخص کے بارے میں ہے جو گناہ کا اعتراف و اقرار کرلے نہ کہ اس شخص کے لئے جو گناہ میں اصرار کرتا ہو۔

آپؑ ہی کا فرمان ہے:

جازِ بِالْحَسَنَةِ وَ تَجاوَزْ عَنِ السَّيِّئَةِ ما لَمْ يَكُنْ ثَلْماً فِي الدين اَوْ وَهْناً فی

---

[1] کنزالفوائد، جلد 2، صفحہ 182، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد 20، صفحہ 270، حدیث 124.

[2] بحارالانوار (ط - بیروت) / ج 74 / 419 / باب 15 مواعظ امیر المومنینؑ وخطبہ أیضا وحکمہ ..... ص: 376

[3] بحارالانوار (ط - بیروت) / ج 75 / 89 / باب 16 ماجمع من جوامع کلم امیر المومنین صلی اللہ علیہ وعلی ذریتہ..... ص: 36

سُلْطَانِ الْاِسلامِ.[۱]

نیکی کا جواب نیکی میں دو اور بدی کو نظر انداز کرو جب دینی یا حکومت اسلامی پر کوئی حرف نہ آتا ہو۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

حَقُّ مَنْ اَسَائَكَ اَنْ تَعْفُوَ عَنْهُ، وَ اِنْ عَلِمْتَ اَنَّ الْعَفْوَعَنْهُ یُضِرُّ اِنْتَصَرْتَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِنْ سَبِیْلٍ.[۲]

اگر کسی نے تیرے حق میں بدی کی ہو تو اس سے نیکی کرو لیکن یہ سمجھو کہ معاف کر دینے سے ضرر ہوگا تو اس وقت تم اپنا بدلہ لے سکتے ہو۔ خداوند عالم فرماتا ہے کہ

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ.

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں کو کوئی الزام نہیں۔

لیکن استثناء کو بہانہ بنا کر اس سورہ سے استفادہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ مقام دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ چھوٹی سی غلطی کو معاف کر دیا یا ان افراد کو معاف کرنا جو معانی کے مقابل ہوں تو یہ عادلانہ فیصلہ ہے۔ اگر ہر آدمی انتقام لینے پر اتر آئے تو بھی عفو کا درجہ ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ حدود اور تعزیرات واجب ہیں اور ان کا جاری کرنا واجب ہے۔

آثار، ثمرات و اسباب عفو

آیات و روایات میں عفو و درگزر کے بہت سے مطلوب آثار و برکات پائے جاتے ہیں جن کا خاصہ یہ ہے۔

۱۔ عفو و درگزر سے دشمنی دوستی میں بدل جاتی ہے۔

۲۔ یہ فضیلت حکومت اسلامی اور قدرت کی بقا کا سبب ہے اس سے دشمنی کم ہوتی ہے اور دوستی زیادہ ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] غرر الحکم، حدیث 4788۔

[۲] میزان الحکمہ، جلد 3، صفحہ 2015، حدیث 13225۔

عَفْوُ الْمُلُوكِ بَقَاءُ الْمُلْكِ۔[1]

بادشاہوں کا معاف کرنا حکومت کی بقا کا سبب ہے۔

۳۔ عفو و درگزر عزت و آبرو کا سبب ہے۔عفو شرح صدر اور انتقام نفس پر عدم تسلط کی نشانی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بالعفو فَإِنَّ الْعَفْوَ لا یَزِیدُ إِلّا عِزّاً۔[2]

عفو و درگزر سے کام لو کیونکہ عفو سے شان اور عزت و آبرو میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ عفو و درگزر بہت سے کینہ، عداوت اور قتل جیسے جرائم کا خاتمہ ہوتا ہے۔کیونکہ انتقام جوئی سے لوگوں کے سینوں میں کینہ کی آگ روشن ہوجاتی ہے۔بعض اوقات سینوں میں کینہ کی آگ روشن ہوجاتی ہے۔بعض اوقات جنگ تک چھڑ جاتی ہے جس سے ناحق خون ہوجاتا ہے۔اس کے علاوہ مال ومتاع تباہ ہوجاتا ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَعَافُوا تَسْقُطُ الضَّغَائِنُ بَیْنَکُمْ۔[3]

ایک دوسرے سے عفو کرو کیونکہ اس سے دشمنی اور کینہ کا خاتمہ ہوتا ہے۔

۵۔ عفو روح و جان کی سلامتی کا سبب ہے۔جس سے عمر طولانی ہوتی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کَثُرَ عَفْوُهُ مُدَّ فِی عُمْرِهِ۔[4]

جو شخص زیادہ عفو کرتا ہے اس کی عمر طولانی ہوتی ہے۔

جو کچھ اجتماعی آثار و برکات کا ذکر ہوئے ہیں وہ مادی تھے ان کے علاوہ معنوی اور آخرت میں ثواب کے بارے میں بھی روایات ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] بحارالانوار، جلد 74، صفحہ 168۔

[2] اصول کافی، جلد 2، صفحہ 108۔

[3] کنزالعمال، جلد 3، صفحہ 373، حدیث 7004۔

[4] میزان الحکمۃ، جلد 3، حدیث 13184۔

العفو مع القدرة جُنّةٌ مِنْ عَذابِ اللهِ سُبْحانَهُ.[1]

قدرت رکھتے ہوئے عفو کرنا عذاب الٰہی سے ڈھال ہے۔

انتقام جوئی کے اسباب میں کئی ایک ہو سکتے ہیں جیسے تنگ نظری، حسد، کینہ، ضعف نفس، شہوت پرستی اور اس قسم کی دیگر برائیاں جو معاشرے کے لئے خطرناک ہیں۔

کسب فضیلت عفو اور انتقام کا علاج

عفو جیسی فضیلت کو حاصل کرنا اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی بہترین راہ یہ ہے کہ اس صفت کے انجام پر غور کریں۔ جب انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ عفو و درگزر کے کیا کیا آثار و برکات ہیں؟ اور کیسے یہ صفت انسان کو عروج تک لے جاتی ہے۔ انسان کتنی مشکلات سے نجات پاتا ہے اور لوگوں میں محبوب ہوتا ہے۔

اس کے برعکس انتقام سے زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ جان و مال و آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اگر انسان کو یہ پتہ چل جائے کہ انتقام کا اصل سبب کیا ہے اور کس چیز سے پیدا ہوا ہے تو اس کا علاج آسان ہوتا ہے۔

---

[1] غرر الحکم، جلد 1، صفحہ 398، حدیث 1547.

۱۶۔غیرت و بے غیرتی

روایات میں ایک اخلاقی فضیلت کے طور پر ذکر ہونے والی ایک فضیلت غیرت ہے۔غیرت کا اصل معنی عزت و آبرو پامال و مملکت یا دین و آئین کا شدت سے دفاع کرنا ہے۔یہ لفظ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کا حق ہو اور دوسرا اس میں مداخلت کرے جس سے صاحب حق دفاع کرتا ہے۔

بہرحال اگر یہ صفت انسان میں اعتدال کی حد تک ہو تو بڑی فضیلت ہے۔اس سے بڑھ کر اور فضیلت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان کسی غیر سے اپنی ناموس یا کشور و دین کا دفاع کرے۔افسوسناک بات یہ ہے کہ یورپ میں یہ فضیلت ختم ہوکر رہ گئی ہے۔مردوں اور عورتوں کے نامشروع رابطہ ہیں اور اس سے بھی بدتر یہ کہ وہ اسے عیب نہیں سمجھتے۔غیرت کا لفظ آہستہ آہستہ بھلایا جارہا ہے۔اس کے موضوع پر قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں توجہ فرمائیں:

①۔ لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔[1]

---

[1] احزاب:60 تا 62

(اے رسولؐ) منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے اور جو لوگ مدینہ میں بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم ہی کو (ایک نہ ایک دن) ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ تمہارے پڑوس میں چند روزوں کے سوا ٹھہرنے (ہی) نہ پائیں گے۔لعنت کے مارے جہاں کہیں ہتھے چڑھے پکڑے گئے اور پھر بُری طرح مار ڈالے گئے۔ جو لوگ پہلے گزر گئے ان کے بارے میں (بھی) خدا کی (یہی) عادت (جاری) رہی۔اور تم خدا کی عادت میں ہرگز تغیّر و تبدّل نہ پاؤ گے۔

۲۔ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ.[1]

(یوسفؑ نے) عرض کی اے میرے پالنے والے جس بات کی یہ عورتیں مجھ سے خواہش رکھتی ہیں اس کی بہ نسبت قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔اور اگر تو اُن عورتوں کے فریب مجھ سے دفع نہ فرمائے گا تو مبادا میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں سے شمار کیا جاؤں۔

۳۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.[2]

اور (اے رسولؐ) ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگار کے مقامات کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں۔مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے (چھپ نہ سکتا ہو اس کا گناہ نہیں) اور اپنی اوڑھنیوں کو (گھونگٹ مار کے)

---

[1] یوسف:33

[2] نور:31

اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنے شوہروں یا اپنے باپ داداؤں یا اپنے شوہر کے باپ داداؤں یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا (گھر کے) وہ نوکر چاکر جو مرد صورت ہیں مگر (بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے) عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ کم سن لڑکے جو عورتوں کے پردے کی بات سے آگاہ نہیں ہیں ان کے سوا (کسی پر) اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ ہونے دیا کریں اور چلتے میں اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے پوشیدہ بناؤ سنگار (جھنکار وغیرہ) کی خبر ہو جائے۔ اور اے ایماندارو تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

تفسیر و خلاصہ

پہلی آیت میں خدا نے تین گروہوں کو تنبیہ کی ہے۔ منافقین، بدمعاش، غلط خبریں پھیلانے والا اور تہمت لگانے والا خداوند عالم فرماتا ہے:

لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لَنُغۡرِیَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَكَ فِیۡهَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۰﴾ مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚۛ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ﴿۶۱﴾

(اے رسولؐ) منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے اور جو لوگ مدینہ میں بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم ہی کو (ایک نہ ایک دن) ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ تمہارے پڑوس میں چند روز کے سوا ٹھہرنے (ہی) نہ پائیں گے۔

یہ غیرت الٰہی ہے کہ جو مسلمانوں کی عزت و آبرو کی دفاع کا سبب بنی ہے۔ غیرت دینی اور ناموس کے معاملے میں منافقین اور بدمعاش افراد کے مقابلے میں خاموشی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ آیت میں تین گروہ کی طرف اشارہ ہے:

مَلۡعُوۡنِیۡنَ ۚۛ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا.

لعنت کے مارے جہاں کہیں ہتھے چڑھے پکڑے گئے اور پھر بُری طرح مار ڈالے

گئے۔ جولوگ پہلے گزر گئے ان کے بارے میں (بھی) خدا کی (یہی) عادت (جاری) رہی۔ اور تم خدا کی عادت میں ہرگز تغیّر وتبدل نہ پاؤ گے۔

ظاہر آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین جدا جدا گروہ تھے۔

منافقین جو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قضاوت کے بارے میں غلط خبریں مدینہ میں پھیلاتے تھے تا کہ مسلمانوں کی روحانی حالت کمزور پڑ جائے۔

ایک گروہ بدمعاش افراد کا تھا جو مسلمانوں کی عورتوں کو پریشان کرتے تھے اور ان کی ناراحتی کا سبب بنتے تھے۔

اور ایک گروہ وہ ہے تھا جو باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے تھے۔

آیت مذکور میں تینوں گروہوں کی سخت سرزنش ہوئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کی تعبیر سے مختلف معانی مراد ہیں، کبھی نفاق مراد ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۱۰ میں آیا ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

ان کے دلوں میں مرض تھا ہی اب خدا نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا۔

اور بعض اوقات ہوس باز افراد مراد ہوتے ہیں جو شہوت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ کی آیت ۳۲ میں رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو دستور دیا گیا کہ ایسے افراد کے ساتھ سنجیدہ ہوکر بات کریں:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲

اے نبی کی عورتو! تم اور معمولی عورتوں کی سی تو ہو نہیں (پس) اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو (اجنبی آدمی سے) بات کرنے میں نرم نرم (لگی لپٹی) بات نہ کرو تا کہ جس کے دل میں (شہوت زنا کا) مرض ہے وہ (کچھ) اور آرزو (نہ) کرے اور (صاف صاف) عنوان شائستہ سے بات کیا کرو۔

اس آیت کے بعد (آیت ۶۰-۶۱) میں خداوند عالم فرماتا ہے: یہ ایک سنت الٰہی پہلی اقوام میں بھی تھی اور سنت الٰہی میں تبدیل ممکن نہیں ہے۔

دوسری آیت میں ایک نبی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی غیرت کا نمونہ ذکر ہوا ہے۔ ہوس باز عورتوں نے زلیخا کو برا بھلا کہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جوانی میں شہوت کے طوفان کے مقابلے میں مقاومت کا اظہار کیا۔ وہ خدا سے اس طرح عرض کرتے ہیں:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ.

عرض کی اے میرے پالنے والے جس بات کی یہ عورتیں مجھ سے خواہش رکھتی ہیں اس کی بہ نسبت قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور اگر تو اُن عورتوں کے فریب مجھ سے دفع نہ فرمائے گا تو مبادا میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں سے شمار کیا جاؤں۔

تیسری آیت میں خداوند عالم مومنین عورتوں کو حجاب کے علاوہ دستور دیتا ہے:

۳۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

اور (اے رسولؐ) ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگار کے مقامات کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں۔ مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے (چھپ نہ سکتا ہو اس کا گناہ نہیں) اور اپنی اوڑھنیوں کو (گھونگٹ مار کے) اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنے شوہروں یا اپنے باپ داداؤں یا اپنے شوہر کے باپ داداؤں یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا (گھر کے) وہ نوکر چاکر جو مرد صورت ہیں مگر (بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے) عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ کم سن لڑکے جو عورتوں کے پردے کی بات

سے آگاہ نہیں ہیں ان کے سوا (کسی پر) اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ ہونے دیا کریں اور چلتے میں اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے پوشیدہ بناؤ سنگار (جھنکار وغیرہ) کی خبر ہوجائے۔ اور اے ایماندارو! تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت میں عفت وغیرت کو بیان کیا جارہا ہے۔عورتوں کو زمین پر زور سے پاؤں مارنے کی اجازت نہیں جس سے خلخال کی آواز آئے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عورتوں سے خطاب ہوا کہ وہ نامحرموں سے سنجیدہ ہوکر گفتگو کریں۔

غیرت روایات کے آئینے میں

روایات میں اس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔غیرت کا مسئلہ ایک فضیلت کے عنوان سے ذکر ہوا ہے۔

۱۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ غَيُورٌ يُحِبُّ كُلَّ غَيُور وَلِغَيرَتِهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ ظَاهِرَهَا وَ بَاطِنَهَا.[۱]

خداوند عالم غیور ہے اور غیور ہونے کو دوست رکھتا ہے اور غیرت کی وجہ سے تمام برے اعمال کو حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ آپؑ ہی کا فرمان ہے:

اِذَا لَمْ يَغِرِ الرَّجُلُ فَهُوَ مَنْكُوسُ الْقَلْبِ.[۲]

اگر کوئی انسان غیرت مند نہ ہو تو اس کا دل الٹا اور معکوس ہے۔

علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں کہ معکوس دل سے مراد یہ ہے کہ جس طرح برتن الٹا ہو تو اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی بلکہ

---

[۱] فروع کافی، جلد 5، صفحہ 535، باب الغیرہ، حدیث 1.

[۲] فروع کافی، جلد 5، صفحہ 536، حدیث 2.

باہرنکل جاتی ہے اس طرح جن کے دلوں میں غیرت نہیں ہوتی وہ صفات واخلاق سے خالی ہوتے ہیں۔[۱]

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كانَ اِبْراهيمُ اَبي غَيُوراً وَ اَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَ اَرْغَمَ اللهُ اَنْفَ مَن لايُغارُ مِنَ الْمُؤمِنينَ.[۲]

میرے باپ ابراہیم غیور تھے اور میں ان سے زیادہ غیور ہوں۔ جن افراد میں غیرت نہیں خدا ان کی ناک زمین پر رگڑتا ہے۔

۴۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنّي لَغَيُورٌ وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ اَغْيَرُ مِنّي وَ اِنَّ اللهَ تَعالى يُحِبُّ مِنْ عِبادَهِ الْغَيُورَ.[۳]

میں غیور ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ خداوند عالم غیور لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

۵۔ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ الْغيرَةَ مِنَ الْاِيمانِ.[۴]

غیرت ایمان میں سے ہے۔

۶۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

قَدْرُ الرَّجُلِ عَلى قَدْرِ هِمَّتِهِ... وَ شَجاعَتُهُ عَلى قَدْرِ اَنَفَتِهِ وَ عِفَّتُهُ عَلى قَدْرِ غَيْرَتِهِ.[۵]

انسان کی قیمت اس کی ہمت کے برابر ہے۔ اس کی شجاعت اس کی عزت نفس کے برابر

---

[۱] مرأت العقول، ذیل حدیث مورد بحث۔

[۲] بحارالانوار، جلد 100، صفحہ 248، حدیث 33۔

[۳] کنزالعمال، حدیث 7076، (جلد 3، صفحہ 387)۔

[۴] کنزالعمال، صفحہ 385، حدیث 7065۔

[۵] نہج البلاغہ، کلمات قصار، حدیث 47۔

اوراس کی عفت اس کی غیرت کے اندازے کے مطابق ہے۔

۷۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ایک اسیر گروہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور صرف ایک شخص کو آزاد فرمایا:

اس ایک آزاد ہونے والے آدمی نے آپؐ سے پوچھا: آپؐ نے مجھے کیوں آزاد فرمایا۔

آپؐ نے فرمایا: مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے کہ تیرے اندر پانچ خوبیاں ہیں کہ جنہیں خداوند عالم اور اس کا رسولؐ دوست رکھتے ہیں فرمایا:

اَلْغيرَةُ الشَّديدَةُ عَلى حَرَمِكَ وَالسَّخاءُ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ وَ صِدْقُ اللِّسانِ وَ الشَّجاعَةِ.[1]

وہ پانچ صفات یہ ہیں:

(۱) ____________ اپنے خاندان کے بارے میں غیرت مند ہونا۔

(۲) ____________ سخاوت

(۳) ____________ حسن اخلاق

(۴) ____________ صداقت

(۵) ____________ شجاعت

جب اس مرد نے سنا تو فوراً اسلام لے آیا اور بعد میں ایک اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں وہ شہید ہوا تھا۔

۸۔ حضرت علی علیہ السلام نے عراق کے بعض افراد کی مذمت فرمائی جن کی عورتیں نامحرم لوگوں سے روابط رکھتی تھیں۔ آپؑ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لا يُغارُ.[2]

لعنت ہو ایسے افراد پر جو غیرت مند نہیں۔

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد 14، صفحہ 109 (باب 77 حدیث 10).

[2] بحار الانوار، جلد 76، صفحہ 115، حدیث 7.

اقسام غیرت

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ غیرت انسان کی ایک ایسی صفت ہے جس سے انسان اپنے دین، ناموس اور ملک کا دفاع کرتا ہے۔ اگرچہ یہ کلمہ اکثر ناموس کی غیرت کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا مفہوم اس سے بھی وسیع ہے۔ اس صفت میں شدت نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ آج کل غیرت کے نام پر عورتوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ایک عورت جب کسی دوسرے مرد سے ہنس کر بات کرنے لگے تو دوسری طرف سے گولی آجاتی ہے اور اسے ہمیشہ کی نیند سلا دیا جاتا ہے ایسی غیرت کی مذمت کی گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِنَ الْغيرَةِ ما يُحِبُّ اللهُ وَ مِنْها ما يَكْرَهُ اللهُ فَاَماما يُحِبُّ فَالْغيرَةُ فِي الرِّيْبَةِ وَاَماما يَكْرَهُ فَالغيرَةُ فِي غَيْرِ الرِّيْبَةِ.[1]

ایک قسم کی غیرت کو خدا دوست رکھتا ہے اور ایک قسم کی غیرت کو خدا دوست نہیں رکھتا۔ جس غیرت کو خدا دوست رکھتا ہے وہ غیرت ہے جو مشکوک ہو لیکن اس کے علاوہ غیرت کو خدا دوست نہیں رکھتا جیسا کہ بدگمانی میں لوگ دوسروں پر تہمت لگاتے ہیں۔

ایک اور حدیث ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند حسن علیہ السلام کو خط لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

وَ اِيّاكَ وَ التَّغايُرَ فِي غَيْرَ مَوْضِعِ غَيْرَةٍ فَإِنَّ ذلِكَ يَدْعُوا الصَّحِيحَةَ إِلَى السَّقَمِ وَالْبَرِيَّةَ إِلَى الرِّيَبِ.[2]

غیرت کے علاوہ موارد میں غیرت سے پرہیز کرو کیونکہ یہ سبب بن جاتا ہے کہ صحیح و سالم افراد اور بے گناہ تہمت کا نشانہ بن جاتے ہیں۔

---

[1] کنز العمال، جلد 3، صفحہ 385، حدیث 7067.

[2] نہج البلاغۃ، نامہ 31.

چھوٹی چھوٹی باتوں میں بدگمانی اور شبہات میں آ کر غیرت کا نام دینا اور لوگوں پر تہمت لگانا غیرت کے نام پر ان کو قتل کر دینا حرام ہے۔اس طرح معاشرے میں فساد عام ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی دوسرے آدمی پر شک کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا ایسے موارد میں پرہیز کرنا چاہیے۔ اسلام سے پہلے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے اور یہ ایک قسم کی منحرف غیرت تھی۔شاید وہ لوگ یہ سوچتے تھے کہ ہماری عورتیں دشمن کے ہاتھ آئیں گی اور وہ اس کو غیرت سمجھتے تھے۔

انسانی زندگی میں غیرت کے آثار

صحیح اور مثبت ایک دفاعی طاقت ہے کہ جس سے انسان اپنے دشمن اور مخالف پر غالب آتا ہے۔ جب انسان کی جان، مال، عزت، دین اور ملک کو خطرہ ہو تو انسان میں غیرت کا جذبہ ابھرتا ہے اور انسان میں عام حالت سے کئی گنا زیادہ طاقت آجاتی ہے کہ جن سے وہ اپنا دفاع کرتا ہے۔

غیرت عزت وسربلندی اور اقتدار ایک سبب ہے کہ بے غیرت افراد غیرت مند افراد کے سامنے اپنی ملامت کرتے ہیں۔غیرت سے اسلامی معاشرہ برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ملتا ہے:

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ۔[1]

اور ان کی قوم (لڑکوں کا آنا سن کر بُرے ارادے سے) ان کے پاس دوڑتی ہوئی آئی اور یہ لوگ اس کے قبل بھی بُرے بُرے کام کیا کرتے تھے لوطؑ نے (جب ان کو آتے دیکھا تو) کہا اے میری قوم یہ میری (قوم کی) بیٹیاں (موجود) ہیں (ان سے نکاح کرلو) یہ تمہارے واسطے (جائز اور) صاف ستھری ہیں تو خدا سے ڈرو اور مجھے میرے مہمان کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی سمجھ دار آدمی نہیں ہے۔

---

[1] ہود:۸۷

لیکن جب اس کلام کا ان پر اثر نہ ہوا تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، وہ جلد ہی عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے اور نیست و نابود ہوکر رہ جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الْمَرْءَ یَحْتاجُ فِی مَنْزِلِهِ وَ عِیالِهِ اِلی ثَلاثِ خَلالٍ یَتَکَلَّفُها وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ فِی طَبْعِهِ ذٰلِكَ; مَعاشَرَةٌ جَمِیلَةٌ، وَ سِعَةٌ بِتَقْدِیر، وَ غَیْرَةٌ بِتَحَصِین. [1]

انسان اپنے گھر میں اہل وعیال کے ساتھ رہنے کے لئے تین صفات کا محتاج ہے۔

اگر یہ تین صفات نہیں تو اسے زحمت کا سامنا کرنا ہوگا۔

وہ تین صفات یہ ہیں:

۱۔ ____________ حسن اخلاق سے پیش آنا

۲۔ ____________ وسعت قلبی

۳۔ ____________ غیرت

---

[1] بحارالانوار، جلد 75، صفحہ 236.

لَصَبْرُ اَحَدِكُمْ ساعَةً عَلی ما یَکْرَهُ
فِي بَعْضِ مَواطِنِ الْإِسْلامِ خَيْرٌ مِنْ
عِبادَتِهِ خالِياً اَرْبَعِينَ سَنَةً..

تم میں کسی ایک کا صبر کرنا کسی مومن بھائی
کی ناراضگی پر اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہو یہ
چالیس سال کی رہبانیت کی عبادت سے افضل
ہے۔

۱۷۔ اجتماعی زندگی یا گوشہ نشینی

علمائے اخلاق نے اپنی کتابوں میں یہ عنوان بھی لکھا ہے کہ آیا اجتماعی زندگی بہتر ہے یا گوشہ نشینی، بعض اس بات کے قائل ہیں کہ گوشہ نشینی بہتر زندگی ہے اور بعض نے اجتماعی زندگی کو افضل لکھا ہے لیکن بعض اوقات اجتماعی اور بعض اوقات گوشہ نشینی مطلوب ہے، شرط کو دیکھنا چاہیے۔ لیکن معاصر محققین نے قرآن وسنت اور عقل کی روشنی میں اجتماعی زندگی کو افضل سمجھا ہے۔ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان ایک اجتماعی موجود ہے۔ انسان اپنی مشکلات کو اجتماع کے ذریعے بہتر حل کر سکتا ہے اور سعادت وکمال کی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ گوشہ نشینی کی زندگی انسانی فطرت کے سازگار نہیں ہے اور نہ ہی روح تعلیم اسلام کے مطابق ہے بلکہ اجتماعی زندگی روح تعلیم اسلام کے مطابق ہے۔ عبادت اجتماعی زیادہ افضل ہے۔

اسلام نے خدا کے ہاتھ کو جماعت سے تعبیر کیا ہے اور مسلمانوں کی صفوں سے جدا ہونا نفوذ شیطان کا سبب ہوتا ہے۔ اب ہم ایسی آیات کو ذکر کرتے ہیں جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں:

۱۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ.[1]

اور تم سب کے سب (مل کر) خدا کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے حال (زار) پر خدا کے احسان کو (تو) یاد کرو جب تم آپس میں (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو خدا نے تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) اُلفت پیدا کر دی تو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم (گویا) سلگتی ہوئی آگ کی بھٹی (دوزخ) کے لب پر (کھڑے تھے) اور گرا ہی چاہتے تھے کہ خدا نے تم کو اس سے بچا لیا تو خدا اپنے احکام یوں واضح بیان کرتا ہے تا کہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔

②۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا.[2]

اور جو شخص راہِ راست کے ظاہر ہونے کے بعد رسولؐ سے سرکشی کرے اور مومنین کے طریقہ کے سوا کسی اور راہ پر چلے تو جدھر وہ پھر گیا ہے ہم بھی اِسے اُدھر ہی پھیر دیں گے اور (آخر) اُسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ تو (بہت ہی) بُرا ٹھکانا ہے۔

③۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.[3]

اور اگر وہ لوگ تمہیں فریب دینا چاہتے ہیں تو (کچھ پروا نہیں) خدا تمہارے واسطے یقینی کافی ہے (اے رسولؐ) وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی۔ اور اسی نے ان (مسلمانوں) کے دلوں میں باہم ایسی اُلفت پیدا کر دی کہ اگر تم جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی اُلفت پیدا نہ کر سکتے مگر خدا ہی تھا جس نے ان میں باہم اُلفت پیدا کی بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

---

[1] آل عمران:103

[2] نساء:115

[3] انفال:62 و 63

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔[۱]

خدا تو ان لوگوں سے اُلفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کے لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

۵۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔[۲]

پھر ان کے پیچھے ہی ان کے قدم بقدم اپنے اور پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی اور رہبانیت (لذات سے کنارہ کشی) ان لوگوں نے خود ایک نئی بات نکالی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔مگر (ان لوگوں نے) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے (ایجاد کیا) تو اس کو بھی جیسا بنانا چاہیے تھا نہ بنا سکے۔تو جو لوگ ان میں ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اَجر دیا اور ان میں کے بہتیرے تو بدکار ہی ہیں۔

تفسیر اور خلاصہ

مذکورہ آیات میں ایک اہم موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہے وحدت و اتحاد پہلی آیت میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور تفرقہ نہ کرنے کے بعد خداوند عالم فرماتا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا

---

[۱] صف:4

[۲] حدید:27

حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ.

اور تم سب کے سب (مل کر) خدا کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے حال (زار) پر خدا کے احسان کو (تو) یاد کرو جب تم آپس میں (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو خدا نے تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) اُلفت پیدا کر دی تو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم (گویا) سلگتی ہوئی آگ کی بھٹی (دوزخ) کے لب پر (کھڑے تھے) اور گرا ہی چاہتے تھے کہ خدا نے تم کو اس سے بچالیا تو خدا اپنے احکام یوں واضح بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔

یہاں پر حبل اللہ سے کیا مراد ہے؟

مفسرین نے مختلف تفاسیر لکھی ہیں۔بعض روایات میں آیا ہے کہ حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔بعض روایات میں خاندان نبوت مراد ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب ایک ہی حقیقت ہے۔حبل اللہ یعنی خدا سے ارتباط قرآن و خاندان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے۔قرآن نے آیت مذکورہ میں دشمن و عداوت کو زمانہ جاہلیت کی رسم اور محبت و دوستی کو اسلام کی ایک صفت شمار کیا ہے۔خداوند عالم فرماتا ہے:

وَ كُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ

اور تم (گویا) سلگتی ہوئی آگ کی بھٹی (دوزخ) کے لب پر (کھڑے تھے) اور گرا ہی چاہتے تھے۔

یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام میں مسلمان کی ایک دوسرے سے رابطہ کی دوستی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں میں برادری کا رشتہ ہے۔ظاہر ہے کہ برادری کی بنا پر ایک دوسرے سے بے خبر نہیں رہ سکتے بلکہ آپس میں ایک عاطفی پیوند رکھتے ہیں اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ مادی مسائل وحدت کی رمز نہیں ہو سکتے کیونکہ مادی امور میں ہمیشہ تنازع و جھگڑا ہوتا ہے۔لوگوں کے تقاضے لامحدود اور مادی مسائل محدود ہیں، لیکن حبل اللہ اور خدا سے رابطہ ایک معنوی امر ہے جس سے معاشرے میں بہتر عاطفی رابطہ بن سکتا ہے۔

دوسری آیت میں ایک دردناک انجام کا ذکر ہوا ہے یعنی جو اسلامی معاشرے اور مسلمانوں سے کٹ جائے۔

خداوند عالم فرماتا:

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا.

اور جو شخص راہِ راست کے ظاہر ہونے کے بعد رسولؐ سے سرکشی کرے اور مومنین کے طریقہ کے سوا کسی اور راہ پر چلے تو جدھر وہ پھر گیا ہے ہم بھی اِسے اُدھر ہی پھیر دیں گے اور (آخر) اُسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ تو (بہت ہی) بُرا ٹھکانا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو واضح طور پر دستور دیتا ہے کہ اسلامی معاشرے سے کٹ نہ جاؤ۔ بے شک رسول اکرمؐ ہمیشہ ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ آپ پانچ وقت کی نمازیں مسلمانوں کے ساتھ پڑھتے تھے نماز جمعہ اور حج جیسے عظیم اجتماع میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ آپؐ نے گوشہ نشین ہونے سے منع فرمایا۔ بعض اہل سنت کے علماء نے اس آیت کو اجماع کی حجیت کے لئے دلیل لائے ہیں۔ ہم بھی اجماع کو قبول کرتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں وہ اجماع حجت ہے جو کشف فعل معصوم علیہ السلام ہو۔

تیسری آیت میں خداوند عالم نے رسول اکرمؐ پر ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے مومنین کو جمع کیا اور ان کے درمیان الفت ومحبت قائم کی۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

اور اگر وہ لوگ تمہیں فریب دینا چاہتے ہیں تو (کچھ پروانہیں) خدا تمہارے واسطے یقینی کافی ہے (اے رسولؐ) وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی۔ اور اسی نے ان (مسلمانوں) کے دلوں میں باہم ایسی اُلفت پیدا کر دی کہ اگر تم جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی اُلفت پیدا نہ کر سکتے مگر خدا ہی تھا جس نے ان میں باہم اُلفت پیدا کی بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

اگر اسلام کی نظر میں گوشہ نشینی جائز ہوتی تو پھر خداوند عالم ہرگز مومنین کے درمیان تالیف قلوب کا ذکر نہ فرماتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف اجتماعی زندگی مطلوب ہے بلکہ اجتماعی ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں پیوند و خدمت بھی ہو۔ یہ بھی روشن ہے کہ یہ صرف رسول اکرمؐ کے زمانے سے مربوط نہیں کے اس کی ہر زمانے میں ضرورت ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ خداوند عالم نے تالیف قلوب کی نسبت اپنی طرف دی اور فرمایا: خدا نے تمہارے

دلوں میں الفت ایجاد فرمائی ہے۔ جس طرح سورہ آل عمران آیت ۱۰۳ میں بھی خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور وحدت قائم فرمائی وگرنہ اسلام سے پہلے بے حد متعصب، ہٹ دھرم، ضدی اور دشمنی و کینہ رکھنے والے تھے جن کو ایک دوسرے کے قریب لانا بہت مشکل تھا۔ اگرچہ وہ تمام مادی مسائل میں تمام دولت بھی خرچ کردیتے تو بھی ممکن نہ تھا لیکن اللہ کے فضل و کرم سے خدا نے رسولؐ کے ذریعے یہ کام کرکے دکھایا۔

چوتھی آیت میں مسلمانوں کی وحدت کا ذکر ہوا ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ.

خدا تو ان لوگوں سے اُلفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کے لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

''بنیان'' کا معنی ہر قسم کی بنیاد ہے اور بند بنانے کے معنی کو بھی شامل ہے۔ ''مرصوص'' ''رصاص'' کے مادہ سے ہے۔ بنیاد کو مستحکم و مضبوط بنانے کے لئے مختلف اشیاء کو جمع کر کے مواد بنایا جاتا تھا تاکہ بنیاد ''مرصوص'' یعنی مستحکم و مضبوط ہو۔

پانچویں اور آخری آیت میں رہبانیت یعنی ترک دنیا اور گوشہ نشینی کا ذکر ہوا ہے۔

رہبانیت عیسائیوں سے لی گئی ہے۔ اس کی سخت مذمت ہوئی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ.

پھر ان کے پیچھے ہی ان کے قدم بقدم اپنے اور پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی اور رہبانیت (لذات سے کنارہ کشی) ان لوگوں نے خود ایک نئی بات نکالی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر (ان لوگوں نے) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے (ایجاد کیا) تو اس کو بھی جیسا بنانا چاہیے تھا نہ بنا سکے۔ تو جو لوگ ان میں ایمان لائے ان کو ہم نے

ان کا اَجر دیا اور ان میں کے بہتیرے تو بدکار ہی ہیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج عیسائی تارک دنیا ہیں اور ان میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں وہ علیحدہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ دنیا کو پشت کر کے صرف اور صرف عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ آج کل تو ایسے بہت سے مراکز قائم ہو چکے ہیں۔

یہ آج کی بدعت نہیں بلکہ تیسری صدی میلادی میں جب رومیوں کا عیسائیوں سے مبارزہ ہوا۔ رومیوں نے شکست دی جس کی وجہ سے عیسائی بیابانوں میں چلے گئے اور انہوں نے رہبانیت اختیار کرلی۔ بعد میں کچھ نادان افراد نے ان کی پیروی کی جو آج تک جاری ہے۔ رہبانیت انبیاء کی تعلیم سے سازگار نہیں ہے۔ رہبانیت میں لوگوں نے شادی کرنا چھوڑی دی اور عبادت و ریاضیت میں ہی رہتے ہیں۔ وہ اجتماعی زندگی کو پسند نہیں کرتے۔ یہ فطرت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس سے زندگی پر منفی اثرات پڑتے ہیں اور انسان نفسیاتی مریض ہوجاتا ہے۔ بعض عیسائی محققین نے اسے فحشا شمار کیا ہے۔

رہبانیت دراصل "رهبة" بروزن "ضربة" کے مادہ سے لیا گیا ہے اس کا معنی خوف اور ڈر کے ہے۔ یہاں خوف سے مراد خوف خدا ہے۔ راغب کے قول کے مطابق ایسا ڈر او خوف ہے جس میں پرہیز اور اضطراب ہو۔ اس کے بعد گوشہ نشینی عیسائیوں نے اپنی رہبانیت اپنی عبادت کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا۔ ان میں شادی حرام ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ رہبانیت دو قسم کی ہیں۔ مطلوب وغیر مطلوب

غیر مطلوب رہبانیت وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور رہبانیت مطلوب سے مراد سادہ زندگی گزارنا ہے مقام و مال میں رغبت نہ ہو۔ اجتماعی زندگی ہو۔ بہرحال اسلام میں رہبانیت کی مذمت ہوئی ہے۔ ایک مشہور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ.[1]

یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

رہبانیت کی مزید تاریخ وتفصیل کے لئے آیت مذکورہ کی تفسیر کی طرف رجوع کریں۔

---

[1] جامع احادیث الشیعة (للبروجردی) / ج 25 / 104 / .....ص: 72

اجتماعی و گوشہ نشین زندگی روایات کے آئینے میں

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اسلام میں اجتماعی زندگی کی بڑی فضیلت ہے۔ اذان اور اقامت میں دعوت عام ہے کہ نماز و فلاح کی طرف آئیں۔

حَیَّ عَلَی الصَّلاۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلاحِ.

سورہ حمد میں ساری ضمیریں جمع کی آئیں ہیں۔ نماز کے آخر میں تمام مومنین و نماز گزار لوگوں پر سلام بھیجا گیا ہے۔ اس مطلب پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے ہم بعض کو ذکر کرتے ہیں:

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَیُّها النّاسُ عَلَیْکُمْ بِالْجَماعَۃِ وَاِیّاکُمْ وَ الْفُرْقَۃَ.[۱]

اے لوگو! جماعت کی صورت میں اکٹھے رہو اور جدائی سے پرہیز کرو۔

۲۔ آپؐ نے فرمایا:

اَلْجَماعَۃُ رَحْمَۃٌ، وَ الْفُرْقَۃُ عَذابٌ.[۲]

اجتماع رحمت اور تفرقہ عذاب ہے۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

یَدُاللهِ عَلَی الْجَماعَۃِ فَاِذَا اشْتَدَّ (شَذَّ) الشّاذُّمِنْهُمْ اِخْتَطَفَهُ الشَّیْطانُ کَما یَخْتَطِفُ الذِّئْبُ الشّاتَ الشّاذَّۃَمِنَ النِّعَمِ.[۳]

خدا کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جب جماعت میں سے کوئی جدا ہوتا ہے شیطان اسے دبوچ

---

[۱] تفسیر نمونہ، جلد 23، صفحہ 381-390.

[۲] کنز العمال، جلد 1، حدیث 1028، صفحہ 206.

[۳] میزان الحکمۃ، جلد اوّل، حدیث 2438، صفحہ 406.

لیتا ہے جس طرح جدا ہونے والی بھیڑ کو بھیڑیا دبوچ لیتا ہے۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

وَ اَلْزَمُوا السَّوادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ یَدَاللہِ مَعَ الْجَماعَةِ، وَ اِیّاکُمْ وَ الْفُرْقَةَ فَاِنَّ الشّاذَ مِنَ النّاسِ لِلشَّیْطانِ، کَما اَنَّ الشّاذَ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ، اَلا مَنْ دَعا اِلی هٰذَا الشِّعارِ فَاقْتُلُوهُ وَلَوْ کانَ تَحْتَ عِمامَتی هٰذِهِ۔[۱]

اور اسی نظریہ جماعت کے ساتھ ہو جاؤ کہ اللہ کا ہاتھ اسی جماعت کے ساتھ ہے اور خبردار تفرقہ کی کوشش نہ کرنا کہ جو ایمانی جماعت سے کٹ جاتا ہے وہ اسی طرح شیطان کا شکار ہوجاتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہوجانے والی بھیڑ بھیڑیے کی نذر ہوجاتی ہے تو آگاہ ہوجاؤ کہ جو بھی اس انحراف کا نعرہ لگائے اسے قتل کردو چاہے وہ میرے ہی عمامہ کے نیچے کیوں نہ ہو۔

۵۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ الشَّیْطانَ ذِئْبُ الْاِنْسانِ کَذِئْبِ الْغَنَمِ یَأْخُذُ الْقاصِیَةَ وَ النّاحِیَةَ وَ الشّارِدَةَ، اِیّاکُمْ وَ الشِّعابَ، وَعَلَیْکُمْ بِالْعامَّةِ وَالْجَماعَةِ وَالْمَساجِدِ۔[۲]

شیطان انسان کا بھیڑیا ہے اور اس بھیڑیے کی مانند ہے جو ریوڑ سے جدا ہونے والی اور فرار کرنے والی بھیڑ کو کھا جاتا ہے۔ جدائی اور تفرقہ سے بچو اور ہمیشہ لوگوں کے ساتھ جماعت کی صورت میں زندگی بسر کرو۔

۶۔ آپ ہی کا فرمان ہے:

لا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَهْجُرَ اَخاهُ فَوْقَ ثَلاثَةِ (اَیّام)، وَ السّابِقُ بِالصُّلْحِ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ۔[۳]

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے مومن بھائی سے تین دن سے زیادہ دوری اختیار کرے اور جو شخص صلح میں پہل کرتا ہے جنت میں داخل ہوگا۔

---

[۱] نہج البلاغۃ، خطبہ 127.

[۲] المجازات النبویۃ/ 313 / المجاز(268)

[۳] المحجۃ البیضاء، جلد 4، صفحہ 8.

۷۔ اس مضمون کی ایک روایت میں آپ فرماتے ہیں:

لا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخاهُ فَوْقَ ثَلاثَةِ اَيّامٍ اِلّا اَنْ يَكُونَ مِمَّنْ لا يُؤمِنُ بَوائِقَهُ.[۱]

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ ناراض رہے سوائے اس کے کہ انسان اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ

اگر دو آدمی ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور ان میں سے کوئی فوت ہو جائے وہ مسلمان نہیں مرتا۔[۲]

۸۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص پہاڑ پر جا کر رہبانیت اختیار کرنا چاہتا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا:

لَصَبْرُ اَحَدِكُمْ ساعَةً عَلى ما يَكْرَهُ فِي بَعْضِ مَواطِنِ الْاِسْلامِ خَيْرٌ مِنْ عِبادَتِهِ خالِياً اَرْبَعِينَ سَنَةً.[۳]

تم میں کسی ایک کا صبر کرنا کسی مومن بھائی کی ناراضگی پر اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہو یہ چالیس سال کی رہبانیت کی عبادت سے افضل ہے۔

۹۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ فِي اُمَّتِي رَهْبانِيَّةٌ وَلا سِياحَةٌ.[۴]

میری امت میں رہبانیت اور سیاحت نہیں ہے۔

رہبانیت سے مراد گوشہ نشینی کرنا عبادت کے لئے ہے اور سیاحت سے سیار یعنی گردش کی گوشہ نشینی، پرانے زمانے میں بعض لوگ بطور کلی ترک دنیا کرتے اور بعض دائماً گردش کی صورت گوشہ نشین تھے۔

---

[۱] المحجّۃ البیضاء، جلد 4، صفحہ ۷.

[۲] المحجّۃ البیضاء، جلد 4، صفحہ ۷.

[۳] سفینۃ البحار، مادہ ہجر.

[۴] میزان الحکمۃ، جلد 3، صفحہ 1966، حدیث 12914.

۱۰۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک صحابی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شدید غمگین ہوا حتیٰ کہ سارے کام چھوڑ کر گھر میں ہی بیٹھ کر عبادت کرنے لگا۔ جب یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اسے آواز دی اور فرمایا:

يا عُثمانُ اِنَّ اللهَ تَبارَكَ وَ تَعالى لَمْ يَكْتُبْ عَلَيْنا الرَّهْبانِيَّةَ، اِنَّما رَهْبانِيَّةُ اُمَّتِي الْجِهادُ في سَبيلِ اللهِ.[1]

اے عثمان! خدا نے ہمارا وظیفہ رہبانیت قرار نہیں دیا۔ میری امت میں رہبانیت راہِ خدا میں جہاد ہے۔

پھر اس سے فرمایا: کیا تو خوش نہیں کہ روز قیامت جنت کے ہر دروازہ پر تو پہنچے گا تو اپنے باپ کو دیکھے گا وہ تیرا دامن پکڑے گا اور خدا سے تیری شفاعت کرے گا۔

۱۱۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت علی علیہ السلام کی حیات میں بھی نظر آتا ہے جس کی طرف نہج البلاغہ میں اشارہ موجود ہے۔ روایت میں ہے کہ جب بصرہ میں اپنے صحابی علاء بن زیاد حارثی کے گھر عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور ان کے گھر کی وسعت کا مشاہدہ کیا اور فرمایا:

مَا كُنْتَ تَصْنَعُ [بِسَعَةِ] بِسِعَةِ هَذِهِ الدَّارِ فِي الدُّنْيَا- [أَمَا] وَ أَنْتَ إِلَيْهَا فِي الْآخِرَةِ كُنْتَ أَحْوَجَ وَ بَلَى إِنْ شِئْتَ بَلَغْتَ بِهَا الْآخِرَةَ تَقْرِي فِيهَا الضَّيْفَ وَ تَصِلُ فِيهَا الرَّحِمَ وَ تُطْلِعُ مِنْهَا الْحُقُوقَ مَطَالِعَهَا فَإِذاً أَنْتَ قَدْ بَلَغْتَ بِهَا الْآخِرَةَ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَشْكُو إِلَيْكَ أَخِي عَاصِمَ بْنَ زِيَادٍ قَالَ وَ مَا لَهُ قَالَ لَبِسَ الْعَبَاءَةَ [الْعَبَاءَ] وَ تَخَلَّى [مِنَ] عَنِ الدُّنْيَا قَالَ عَلَيَّ بِهِ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ يَا عُدَيَّ نَفْسِهِ لَقَدِ اسْتَهَامَ بِكَ الْخَبِيثُ أَمَا رَحِمْتَ أَهْلَكَ وَ وَلَدَكَ أَ تَرَى اللهَ أَحَلَّ لَكَ الطَّيِّبَاتِ وَ هُوَ يَكْرَهُ أَنْ تَأْخُذَهَا أَنْتَ أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ ذَلِكَ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا أَنْتَ فِي خُشُونَةِ مَلْبَسِكَ وَ جُشُوبَةِ مَأْكَلِكَ قَالَ وَيْحَكَ إِنِّي لَسْتُ كَأَنْتَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى أَئِمَّةِ [الْحَقِّ] الْعَدْلِ أَنْ يُقَدِّرُوا أَنْفُسَهُمْ بِضَعَفَةِ النَّاسِ كَيْلَا يَتَبَيَّغَ

---

[1] بحارالانوار، جلد 67، صفحہ 115.

بِالْفَقِيرِ فَقْرُه.[1]

تم دنیا میں اس گھر کی وسعت کو کیا کرو گے؟ درآنحالیکہ آخرت میں تم گھر کی وسعت کے زیادہ محتاج ہو (کہ جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) ہاں! اگر اس کے ساتھ تم آخرت میں بھی وسیع گھر چاہتے ہو تو اس میں مہمانوں کی مہمان نوازی قریبوں سے اچھا برتاؤ اور موقع و محل کے مطابق حقوق کی ادائیگی کرو اگر ایسا کیا تو اس کے ذریعے آخرت کی کامرانیوں کو پا لو گے۔

علاء ابن زیاد نے کہا: یا امیر المومنینؑ مجھے اپنے بھائی عاصم ابن زیاد کی آپ سے شکایت کرنا ہے۔

حضرتؑ نے پوچھا: کیوں اسے کیا ہوا؟

علاء بن زیاد نے کہا کہ اس نے بالوں کی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے بالکل بے لگاؤ ہو گیا ہے

حضرتؑ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔

جب وہ آیا تو آپؑ نے فرمایا: اے اپنی جان کے دشمن تمہیں شیطان خبیث نے بھٹکا دیا ہے تمہیں اپنی آل اولاد پر ترس نہیں آتا؟ اور کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال کیا ہے اگر تم انہیں کھاؤ، برتو گے نہیں تو اسے ناگوار گزرے گا تم اللہ کی نظروں میں اس سے کہیں زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لیے یہ چاہے۔

اس نے کہا: یا امیر المومنینؑ! آپ کا پہناوا بھی تو موٹا جھوٹا اور کھانا روکھا سوکھا ہوتا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم پر حیف ہے میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ خدا نے ائمہ حق پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ مفلوک الحال اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔

۱۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت جو کہ عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس سے استفادہ ہوتا ہے کہ مسئلہ رہبانیت اور اجتماع سے دوری بنی اسرائیل میں کب ہوا۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ 209.

ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سواری پر کہیں جا رہے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو کہ رہبانیت کا مسئلہ بنی اسرائیل میں کب در آیا۔

ابن مسعود نے عرض کیا: خدا و پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ظَهَرَتْ عَلَيْهِمُ الْجَبَابِرَةُ بَعْدَ عِيسَى عليه السلام يَعْمَلُونَ بِمَعَاصِي اللهِ فَغَضِبَ أَهْلُ الْإِيمَانِ فَقَاتَلُوهُمْ فَهُزِمَ أَهْلُ الْإِيمَانِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا الْقَلِيلُ فَقَالُوا إِنْ ظَهَرْنَا هَؤُلَاءِ أَفْنَوْنَا وَ لَمْ يَبْقَ لِلدِّينِ أَحَدٌ يَدْعُو إِلَيْهِ فَتَعَالَوْا نَتَفَرَّقْ فِي الْأَرْضِ إِلَى أَنْ يَبْعَثَ اللهُ النَّبِيَّ الَّذِي وَعَدَنَا بِهِ عِيسَى عليه السلام يَعْنُونَ مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَتَفَرَّقُوا فِي غِيرَانِ الْجِبَالِ وَ أَحْدَثُوا رَهْبَانِيَّةً فَمِنْهُمْ مَنْ تَمَسَّكَ بِدِينِهِ وَ مِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ وَ رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا.[1]

جابروں کا ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوا کہ جو بہت زیادہ گناہ کیا کرتا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے ان سے شدید غصہ ہوا کرتے اور لڑتے تھے یہاں تک کہ تین بار گرفتار شکست ہوا یہاں تک کہ زیادہ تر مومنین کے افراد شہید ہو گئے اور بہت ہی کم افراد بچے تو انہوں (باقی بچ جانے والے افراد) نے فیصلہ کیا کہ اگر ہم اسی طرح لڑتے رہے تو باقی بچ جانے والے افراد بھی ختم ہو جائیں گے اور دین کی طرف دعوت دینے والا کوئی باقی نہ بچے گا لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم بکھر جائیں جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وعدہ کا ظہور نہ ہو یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت نہ ہو جائے۔ لہٰذا وہ غاروں میں جا چھپے اور اس صورت ان میں رہبانیت در آئی۔

رہبانیت عیسائیت کا آئین و قانون نہ تھا۔ ایک روش تھی جو کہ ایک شرط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے خود کو تحفظ دینے کے لئے اختیار کیا تھا جو آہستہ آہستہ ان کے دین کا جز بن کر رہ گئی۔

---

[1] بحار الانوار (ط - بیروت) / ج 14 / 277 / باب 20. ص: 272

کچھ روایات گوشہ نشینی کے بارے میں

کچھ روایات ایسی ہیں کہ جن میں گوشہ نشینی کی تعریف کی گئی ہے اگرچہ یہ ہمارے مقصود و مفہوم کے مخالف ہیں لیکن بطور علم ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعُزْلَۃُ عِبادَۃٌ۔[۱]

گوشہ نشینی عبادت ہے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام سے مروی حدیث میں آیا ہے:

مَنْ اِنْفَرَدَ عَنِ النّاسِ آنَسَ بِاللّٰہِ سُبْحانَہُ۔[۲]

جو شخص لوگوں سے دور ہو جائے خدا اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام سے ایک اور حدیث میں آیا ہے:

فِی اعْتِزالِ اَبْناءِ الدُّنْیا جِماعُ الصَّلاحِ۔[۳]

لوگوں سے جدا ہو جانا اچھائیوں کا مجموعہ ہے۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام سے ایک اور حدیث میں آیا ہے:

فِی الْاِنْفِرادِ لِعِبادَۃِ اللّٰہِ کُنُوزُ الْاَرْباحِ۔[۴]

عبادت خدا کی خاطر لوگوں سے دوری کامیابیوں کی کنجی ہے۔

۵۔ ایک حدیث میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہشام بن ملک سے فرمایا:

---

[۱] میزان الحکمۃ، جلد 3، حدیث 12884.

[۲] شرح غرر الحکم، جلد 5، صفحہ 338.

[۳] شرح غرر الحکم، جلد 4، حدیث 6505، صفحہ 406.

[۴] شرح غرر الحکم، جلد 4، حدیث 6504، صفحہ 406.

اَلصَّبْرُ عَلَى الْوَحدَةِ عَلامَةٌ عَلٰى قُوَّةِ الْعَقْلِ فَمَنْ عَقَلَ عَنِ اللهِ اِعْتَزَلَ عَنِ الدُّنْیا وَ الرّاغِبِیْنَ فِیْھا وَ رَغِبَ فِی ما عِنْدَاللهِ....[1]

صبر گوشہ نشینی پر عقلی دلیل ہے جو شخص عقل الٰہی رکھتا ہے وہ دنیا و دنیا پرستوں سے دوری اختیار کرتا ہے اس لئے کہ اس میں خدا سے قربت پیدا ہو اور وہ خدا سے قریب ہو سکے۔

۶۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

اِنْ قَدَرْتَ اَنْ لا تَخْرُجَ مِنْ بَیْتِكَ فَافْعَلْ، فَاِنَّ عَلَیْكَ فِی خُرُوجِكَ اَلّا تَغْتابَ وَلا تَكْذِبَ وَلا تَحْسُدَ وَلا تُرائِیَ وَلا تَتَصَنَّعَ وَلا تُداھِنَ.[2]

اگر آپ اپنے گھر سے باہر جانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو کیا کر سکتے ہیں جب گھر سے باہر نہیں جائیں گے تو کسی سے غیبت نہیں کریں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، کسی سے حسد نہیں کریں گے، ریا کاری و تصنع نہیں کریں گے اور نہ کسی کی چاپلوسی کریں گے۔

۷۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

سَلامَةُ الدِّینِ فِی اعْتِزالِ النّاسِ.[3]

لوگوں سے دوری دین کی سلامتی ہے۔

۸۔ اختصار کی خاطر حضرت علی علیہ السلام کی اس حدیث پر اختتام کرتے ہیں:

مَنِ اعْتَزَلَ النّاسَ سَلِمَ مِنْ شَرِّھِمْ.[4]

لوگوں سے کنارہ کشی ان کے شر سے تحفظ ہے۔

کبھی کبھار صوفیا اور درویشوں میں موجود تنہائی اور گوشہ نشینی کے طرفداروں نے بعض آیات و روایات سے بھی اپنے نظریہ کے لئے توسل و تمسک کیا ہے۔ از جملہ سورۂ کہف کی سولہویں آیت کہ جس میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَكَانًا شَرْقِیًّا ﴿۱۶﴾

---

[1] بحار الانوار، جلد 67، صفحہ 111.

[2] فروع کافی، ج 8، ص 128.

[3] شرح غرر، جلد 4، حدیث 5609، صفحہ 140.

[4] شرح غرر، جلد 5، حدیث 8151، صفحہ 238.

اور (اے رسولؐ) قران میں مریم کا (بھی) تذکرہ کرو۔ کہ جب وہ اپنے لوگوں سے
الگ ہوکر پورب کی طرف والے مکان میں (غسل کے واسطے) جا بیٹھی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو سے تمسک کیا ہے جو سورۂ مریم کی ۴۸،ویں اور ۴۹ویں آیت میں بیان ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ‌ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّىۡ شَقِيًّا ۝٤٨ فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ‌ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ۝٤٩

اور میں نے آپ کو (بھی) اور (ان بتوں کو بھی) جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہیں (سب کو) چھوڑا اور اپنے پروردگار ہی کی عبادت کروں گا۔ امید ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت سے محروم نہ رہوں گا۔ غرض جب ابراہیمؑ نے ان لوگوں کو اور جس کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر پرستش کیا کرتے تھے چھوڑا تو ہم نے انہیں اسحاقؑ و یعقوبؑ (سی اولاد) عطا فرمائی اور ہر ایک کو نبوت کے درجہ پر فائز کیا۔

تنہائی، معاشرے سے الگ ہو جانے اور کنارہ کشی پر مبنی ان دونوں آیات کو رحمت پروردگار اور عنایت الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ شمار کیا گیا ہے اور یہ اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ تنہائی اور گوشہ نشینی کوئی ناپسندیدہ اور قابل مذمت عمل نہیں ہے۔

آیات اور روایات کو جمع کرنے کا راستہ

لیکن اگر ہم آیات و روایت کے متن پر غور و فکر کریں تو یہ بات انتہائی آسانی سے ثابت ہو جائے گی کہ تنہائی اور گوشہ نشینی کے متعلق نصیحت، خاص سماجی حالات اور استثنائی صورت حال کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ ہم اصحاب کہف کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ جن کافر اور بے تربیت معاشرے میں گرفتار ہوئے تھے اور ان کا خدا پر ایمان کے جرم میں تعاقب کیا جا رہا تھا اور ان کے پاس شہر سے فرار اور غار میں پناہ لینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے بھی حالات کچھ ایسے ہی تھے آپؑ نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بت

پرستی کے خاتمے کے لئے بھرپور کوشش اور جدوجہد کی، لیکن جب ان کی کوششیں مؤثر اور بارآور واقع نہ ہوئیں اور ان کی جان کو خطرات لاحق ہوئے تو انہیں تنہائی اور ہجرت کا حکم ہوا۔

روایات میں ایسی جمع کی مثالیں بہت ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام گوشہ نشینی کو خود اپنے لئے انتخاب کرتے ہیں اور اس کی دلیل اس وقت معاشرے میں برائیوں، دوستوں کی بے وفائی اور لوگوں کے ساتھ تعاون غیر ممکن ہونا بتاتے ہیں۔

وہ روایت جو حضرت علی علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے اس میں آپؑ دین کی سلامتی تنہائی میں سمجھتے ہیں۔ اس بات کا تعلق اس جگہ سے ہے جہاں لوگوں سے تعلقات انسان کے دین کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔

بعض لوگوں کے حالات کچھ خاص نوعیت کے ہوتے ہیں جو برائیوں کے سامنے انتہائی کمزور واقع ہوتے ہیں اور ان برائیوں کے آثار کو آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ اجتماعات میں نہ جائیں یا کم جائیں۔ یہ کمزور مزاج لوگوں کی طرح ہوتے ہیں کہ جو الگ موسم و مزاج کے اجتماعات میں چلے جائیں تو ان کا مزاج بہت جلد مختلف قسم کی بیماریوں کو جذب کر لیتا ہے۔ ممکن ہے طبیب انہیں ایسے اجتماعات میں کم جانے یا بالکل ہی منع کر دے۔ آج کل یہ بات معمول بن گئی ہے کہ جب فضا گرد آلود ہو تو بوڑھوں، دل اور سانس کے مریضوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

واضح ہے کہ مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات بھی کلی قاعدہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق معاشرے کے خاص حالات سے ہے یا فرد کے خاص حالات سے ہے۔ لہٰذا تنہائی اور گوشہ نشینی کی نصیحت ہر ایک یا ہر زمانے اور مقام کے لئے نہیں کی جاسکتی۔

اگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ایک صحابی کو فرماتے ہیں:

اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ گھر سے باہر نہ نکلو تو ایسا ہی کرو اس طرح تم غیبت، تہمت، جھوٹ، حسد، ریاکاری، خودنمائی اور خوشامدی وغیرہ سے بچ جاؤ گے۔

یقیناً یہ اس وقت کے سماجی حالات اس طرح کا تقاضا کرتے تھے یا وہ شخص کمزور ارادے اور مزاجی طور پر متاثر ہو جانے والا تھا۔

ہم نے جو کچھ اوپر کہا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

ہم اس بات سے بھی بے توجہ نہیں رہ سکتے کہ سماجی لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ سے قربت اور مناجات کے لئے روزانہ کچھ وقت اپنی ذات کو دینا چاہئے۔ خاص طور پر رات کے آخری حصے میں بالکل تنہا ہو کر اللہ سے مناجات کرے

اورحرکت پیدا کرے اوراس سے بالاتر ہوکر عارف و عاشقان خدا عین اس وقت جب وہ لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں ان کے ذکر وفکر میں خدا ہوتا ہے وہ اللہ کے سوا نہ کچھ دیکھتے ہیں اور نہ اس کے سوا کسی سے محبت کرتے ہیں اور ہر خیر کو اس سے مانگتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں سے جدا یا ناراض ہونا جو ہٹ دھرمی کے ساتھ برائی کے راستے کو افشاء کئے ہوئے ہوتے ہیں، برائی کے خاتمے کا ایک منفی ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ یہ عمل ان کی روح و جان کو جھنجھوڑنے کا سبب بنتا ہے تا کہ وہ اپنی ذات پر توجہ دیں۔ ہم اکثر علما کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ جب لوگ برائیوں پر اصرار کرتے تھے تو انہیں انتہائی غصے اور ناراضگی کے ساتھ تنہا چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور اس طرح لوگوں کو بہت جلد اپنے نقصانات اور ان کی کمی کا احساس ہو جاتا تھا اور پھر یہ لوگ اس عالم کو ڈھونڈ کر اپنے درمیان واپس لے آتے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرتے تھے۔

یہ سب وہ استثناءات ہیں جو انسان کے سماجی ہونے پر کلی قاعدہ کے سامنے قابل قبول ہیں۔

گوشہ نشینی کی اور اجتماع پرستی کے نتائج ومحرکات۔

انسان کی اجتماعی مسائل اور معاشرہ پرستی کی جانب توجہ کا اصلی محرک انسان کی فطرت ہے اور یہ جملہ کہ انسان مدنی بالطبع'' ہے ماہرین سماجیات کے نزدیک معروف ہے۔ گوشہ نشینی اور تنہائی انسان کو شدید تکلیف پہنچاتی ہے اور ماہرین سماجیات کی وہ تحقیق جو انہوں نے تارک انبیاء اور گوشہ نشینوں کے متعلق انجام دی ہے اسی بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ گوشہ نشینی نے ان کی روح پر انتہائی برے اثرات چھوڑے، جس نے ان میں ناامیدی افسردگی اور توہمات پیدا کئے اور اکثر اوقات ان کی نفسیات میں ناہمواری اور خلل کو جنم دیا[1] اسی لئے انسان کے لئے قید تنہائی بدترین سزا ہے کہ حتیٰ ضرورت کے وقت اسے جاری نہیں رہنا چاہئے کیونکہ یقیناً وہ اس حالت میں ذہنی اور نفسیاتی مریض بن جائے گا، مگر ان لوگوں کے لئے قید تنہائی کوئی مسئلہ نہیں جو غیر معمولی عرفانی روح رکھتے ہوں، خدا سے لو لگائے ہوں اور اللہ سے مناجات کو ہر چیز کا جانشین قرار دیتے ہیں۔

---

[1] جامعہ شناسی ساموئیل کنیک، صفحہ 428.

البتہ انسان کی اجتماعی زندگی کا سرچشمہ صرف انسان کی فطرت اور مزاج نہیں ہے بلکہ منطق اور عقل بھی اسے اس بات کی تلقین ونصیحت کرتی ہے، کیونکہ انسان اجتماعی زندگی کے بغیر کسی بھی قسم کی ترقی حاصل نہیں کرسکتا اور اگر انسان ایک دوسرے سے الگ زندگی گذارتے تو آج بھی ان کے حالات گذشتہ انسانوں جیسے ہوتے ۔ کیونکہ مختصر مطالعہ سے ہی یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ تمام علوم و دانش، معلومات اور صنعتی علوم، افکار کے اضافہ ہونے اور ایک دوسرے کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے سے ہی وجود میں آتے ہیں اور یہی چیز انسانی معاشرے کو آگے بڑھاتی ہے اور اسے خطرناک راستہ عبور کراتی ہے اور اسے ترقی اور تکامل کی چوٹی تک پہنچاتی ہے۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تنہائی اور گوشہ نشینی بہت سی برائیوں کا ثبوت اور بدبختی کی جڑ ہے، ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بہت سے فکری گمراہی، غلط رویے، غلط فہمی اور بداخلاقی کا سرچشمہ تنہائی و گوشہ نشینی ہے اسی لئے گوشہ نشین افراد زیادہ تر جذباتی، سخت رویہ، ہٹ دھرم، ضدی اور خود کو بڑا سمجھنے والے ہوتے ہیں (البتہ یہ اصل بھی ہر دیگر اصل کی طرح استثناءات رکھتی ہے)

۲۔ خود پسندی اور خودغرضی تنہائی اور گوشہ نشینی کے دیگر آثار میں سے ایک ہے کیونکہ انسان حب ذات کے جذبات کی وجہ سے عام طور پر اپنی ذات اور اپنی تخلیقات سے شدید محبت کرتا ہے اور جب وہ دوسروں سے تعلقات نہیں رکھے گا اور ان کے فضائل وکمالات کو نہیں دیکھے گا اور خدا کا ان سے موازنہ نہیں کرے گا تو یہ اور خود کو دوسروں سے بالاتر سمجھنے کا سبب بنیں گا۔

اسی طرح اکثر دیکھا گیا ہے کہ تنہائی پسند اور گوشہ نشین افراد بہت بڑے اور عجیب وغریب دعوے کرتے ہیں کہ جو ان میں موجود غیر معمولی خود پسندی، خودغرضی تو ہمی خیالاتی حالت کو بیان کرتی ہے۔

لیکن جب انسان دوسروں کے ساتھ باہمی زندگی کرتا ہے تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے اطراف میں اس سے زیادہ قابل، فاضل، پاک اور متقی افراد موجود ہیں یا کم از کم اس جیسے بہت سے لوگ موجود ہیں، اس لئے وہ دوسروں کو خیالی اور وہمی دنیا سے نکال لیتے ہیں اور بے مقصد دعوؤں سے پرہیز کرتے ہیں۔

۳۔ ہرایک کے متعلق حتیٰ اپنے نزدیک ترین افراد کے متعلق منفی سوچ تنہائی اور گوشہ نشینی کے خطرناک آثار میں سے ایک ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ منفی سوچ؛ تنہائی اور گوشہ نشینی کا سبب بن جاتی ہے اور گوشہ نشینی مزید منفی سوچ کا سبب بنتی ہے اور اس قسم کے افراد لوگوں کو بدکردار، آلودہ، حق ناشناس، کینہ اور حاسد سمجھتے ہیں، لیکن جب وہ معاشرے میں جاتے ہیں اور اپنے لئے اچھے دوست ڈھونڈتے ہیں تو وہ بہت جلد سمجھ جاتا ہے کہ اس کی توقعات اور خیالات انتہائی

غلط ہیں۔

۴۔ اپنے عیبوں سے غافل رہنا، انسان عام طور پر اپنی ذات سے شدید محبت رکھنے کی وجہ سے اپنے عیبوں کو نہیں دیکھ پاتا بلکہ کبھی تو وہ اپنے عیبوں کو اپنی بڑی خوبی اور توانائی کا باعث سمجھتا ہے، انسان کو ہمیشہ اپنے عیوب کو دوسروں کے فیصلوں کے آئینے میں دیکھنا چاہئے اور اسے دیکھنا چاہئے کہ غیر وابستہ افراد اس کے متعلق کیا کہتے ہیں اور کیا اعتراض کرتے ہیں حتیٰ بعض اوقات انسان اپنے عیوب کو بدخواہوں کی سوچ کے آئینے میں بہتر انداز میں دیکھ پاتا ہے کیونکہ وہ اس میں عیب تلاش کرنے کے در پہ ہوتا ہے اور وہ ان کا انتہائی باریکی سے تجزیہ کرتا ہے، لیکن تنہائی پسند اور گوشہ نشین افراد اس آئینے سے محروم ہوتے ہیں۔

۵۔ دوسروں کے تجربات سے دور اور محروم رہنا، ہر انسان کی سوچ اور توانائی جدا جدا ہوتی ہے اور وہ اپنی زندگی کے انتہائی مختصر حصے میں تجربہ کرتا ہے اور اگر وہ دوسروں خاص طور پر اہل نظر افراد کے ساتھ رابطے میں ہوتو علم و دانش اور تجربوں کا ایک سمندر اس کے اختیار میں قرار پاجائے گا اور اپنی تمام مشکلات کا حل اس میں تلاش کرلے گا اور اپنی تمام خواہشوں کو اس میں پالے گا۔

ہمارے زمانے میں علم کی تیزی سے ترقی کا راز اور تنظیموں کا قیام ہے اور ان کے ذریعے منعقد ہونے والے اجلاس اور کانفرنسوں میں پوری دنیا کے مختلف علاقوں سے قابل اور فاضل ترین لوگ اس میں شریک ہوکر اپنی تحقیقات اور معلومات کو پیش کرتے ہیں اور اپنے تجربوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ کرتے ہیں اور کبھی یہ ذمہ داری مطبوعات اور جرائد اٹھا لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اجتماع پرستی کی برکات اور نتائج اس قدر زیادہ ہے کہ جنہیں اس مختصر کتاب میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور جو کچھ کہا گیا اس کا ایک چھوٹا سا گوشہ ہے حقیقت تو یہ ہے کہ تنہائی اور گوشہ نشینی کے نقصانات اس سے کئی گنا زیادہ ہیں جو بیان ہوئے ہیں۔

خداوندا! ہم حمد وشکر بجا لاتے ہیں کہ تو ہمیں پہلی بار اخلاقی مسائل کے اصول کو آیات قرآن کے سائے میں تفصیل سے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اپنی طاقت کے مطابق اس حوالے سے اپنے اعرائض پیش کرسکیں عوامل، وجوہات، نتائج، آثار فضائل اور ان کی تقویت اور برائیوں سے مقابلے کے طریقے کی اپنی سمجھ کے مطابق وضاحت کرسکیں۔

خداوندا! ہم جانتے ہیں کہ یہ فضائل و رذائل ہم پر ہماری ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ ہم خود اس پر عمل کریں اس عظیم ذمہ داری پر عمل پیرا ہونے کی طاقت اور توانائی عطا فرما اور اس راہ میں تو ہماری مدد فرما۔

اے میرے معبود! ہم اس دور میں زندگی کررہے ہیں کہ اخلاقی فضائل نے اس دنیا سے اپنا رخت سفر باندھ لیا ہے اور برائیوں کا طوفان تمام انسانی اقدار، نیک سنتوں اور انبیاء و اولیاءعلیہم السلام کی راہ و رسم کو بری طرح متأثر کررہا ہے۔ زمین ظلم و جور سے بھر چکی ہے، اپنے وعدے کو پورا فرما اور اپنی آخری حجت حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل فرما۔ اور ہمیں ان کی راہ کے مجاہدین کی پہلی صف میں قرار دے (آمین یارب العالمین)